زاد الخطباء

www.KitaboSunnat.com

جلد 18

تالیف حافظ عبد الرحمن کشمیری رحمہ اللہ

مسجد ام القریٰ بروکلین۔ نیویارک

زاد الخطباء
تالیف حافظ عبد الرحمن کشمیری رحمہ اللہ
مسجد ام القریٰ
بروکلین۔ نیویارک

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

library@mohaddis.com

www.KitaboSunnat.com

فہرست مضامین

- مقدمہ 7
- سرزمینِ فلسطین اسلام کی نظر میں 11
- ارضِ مقدسہ 20
- صرف اسلام ہی تمام تر مسائل کا حل پیش کرتا ہے 29
- آداب واحکامِ جمعۃ المبارک 36
- نصیحت وموعظت کے لیے خطبۂ جمعہ کا انتظام 45
- اللہ تعالیٰ کا انعام 45
- دنیا کی کشش اور طالب دنیا 54
- دنیا کی کشش ایک بہت بڑی آزمائش 62
- دنیا کی کشش کو سمجھے بغیر بچنا مشکل 70
- گناہ کی نحوست 78
- دنیا سے رخصت ہونے کے بعد ذکرِ خیر کی اہمیت 87
- زندگی وہ جو دوسروں کے لیے با منفعت ہو 97
- مفید زندگی وہ جو دوسروں کے لیے مفید ہو 105
- لوگوں کے لیے مفید ہونے کے دنیوی اور اخروی فوائد 114
- رمضان المبارک کے استقبال کے لیے ہم کتنے پُرجوش ہیں؟ 123
- رمضان المبارک ماہِ تزکیہ وتربیت 132

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

❁ ماہِ رمضان المبارک اللہ کا اہل ایمان پر ایک عظیم احسان 140
❁ رمضان المبارک کی برکتوں سے استفادہ اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر ممکن نہیں 149
❁ رمضان المبارک توبہ کا مہینہ 158
❁ خطبہ عید الفطر 168
❁ رمضان المبارک سے کون کتنا مستفید ہوا؟ 173
❁ ایک انوکھا فرار 182
❁ زندگی جیسی نعمتوں میں سے سب سے بڑی نعمت 191
❁ جوانی کی عمر خلاصۂ زندگی 199
❁ تغافل بندۂ مؤمن کی اک بہت بڑی اخلاقی خوبی 208
❁ لوگوں کی لغزشوں سے درگزر اور صرف نظر کرنا خوشگوار معاشرے کا بنیادی اصول .. 217
❁ عدل وانصاف کے بغیر امن ممکن نہیں 226
❁ دعوت واصلاح کی ضرورت واہمیت 236
❁ حج کی توفیق اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام 248
❁ عشرہ ذوالحجہ اک موقعِ غنیمت 260
❁ خطبۂ عید الأضحیٰ 272
❁ تنگدستی کا حل کہاں تلاش کریں 279
❁ رزق کی فراوانی اللہ کا فضل یا استدراج 288
❁ کثرتِ مال کے نقصانات 298
❁ مال ودولت اک خیر ہے مگر اس کا ناجائز حصول اور غلط استعمال اسے شر بنا دیتا ہے 308
❁ انسان کا اصل مسئلہ غربت وافلاس یا کثرتِ مال 318
❁ کثرتِ مال ودولت یقیناً ایک بہت بڑی آزمائش اور فتنہ ہے 328
❁ غور وفکر کی اہمیت 340

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

- کائنات میں غور وفکر کا معنی ومفہوم 348
- غور وفکر ایک نعمت، ایک عبادت 357
- غور وفکر انسان کا ایک امتیازی وصف 365
- غور وفکر ہی انسان کی پہچان کی بنیاد 375
- ڈپریشن کا بنیادی سبب 382
- ڈپریشن کا علاج 391
- ڈپریشن ایک مہلک بیماری 400
- مضبوط ایمان کے ہوتے ہوئے ڈپریشن نہیں ہوسکتا 408

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی اشرف الانبیاء والمرسلین نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین .

امابعد:

انسان کا اس دنیا میں آنا اور مسلسل حالتِ سفر میں رہنا اور پھر مختصر سے قیام کے بعد یہاں سے کوچ کر جانا یقیناً بے معنی و بے مقصد نہیں ہے اور مقصد ہر عاقل و بالغ مسلمان کو خوب ازبر ہے اور وہ ہے: اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا، ہاں یہ الگ بات ہے کہ بہت سے لوگوں نے عبادت کا خود اپنا اپنا مفہوم بنا رکھا ہے مگر مشاہدہ یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ لوگوں نے عبادت کا ایک اپنا ہی مفہوم گھڑ رکھا ہے، اپنے اس خودساختہ مفہوم سے بھی عملی طور پر کوسوں دور ہیں، معنی یہ کہ عبادت کے مفہوم کو چاہیں جتنا بھی بگاڑ لیں، اس میں ترمیم واضافہ کرلیں، نماز کا معنی ''قوانینِ خداوندی کا اتباع'' کرلیں، جیسا کہ منکرِ حدیث غلام احمد پرویز نے کیا ہے مگر اخلاقیات کو عبادات کے مفہوم سے ہرگز جدا نہیں کیا جاسکتا، بلکہ اخلاقیات تو پورے کے پورے دین کو شامل ہیں جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ((إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ)) میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں، اسی طرح قرآن پاک بھی پورے کا پورا اک مجموعۂ اخلاق ہے، عبادات چونکہ انسان کو برائی سے روکتی ہیں، اس کے اخلاق درست کرتی ہیں اور اخلاقیات کا انسان کی شخصیت پر، اس کے رہن سہن پر، اس کے گفتار وکردار پر اور اس کے پورے طرزِ زندگی پر اک اثر ہوتا ہے اس لیے اخلاقیات دین کا جزو لاینفک ہیں، مگر آج مسلم معاشروں میں جو کچھ ہورہا ہے اس کا بیشتر حصہ سراسر بے راہ روی ہے اور منظّم بے راہ روی ہے، اس کے بہت سے داخلی اور خارجی اسباب ہیں مگر ایک بہت بڑا خارجی سبب اس معاشرتی بے راہ روی اور دین بے زاری کا یہ ہے کہ اس کے پیچھے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بڑے بڑے عالمی مشنری اداروں کا ہاتھ ہے جس کا زہر سرطان کی طرح مسلم امہ کے جسم میں سرایت کر چکا ہے اور اس ہشت پا (آٹھ ٹانگوں والا سمندری کیکڑا) نے ہر جانب سے اسے جکڑ رکھا ہے۔

یہ باتیں ہمارے اس مقدمے کا اصل موضوع نہیں ہیں کہ یہ تو ایک الگ اور مستقل موضوع ہے، اس پر بیسیوں کتابیں اور آرٹیکلز لکھے جا چکے ہیں اور بہت سے سیمینار منعقد کیے جا چکے ہیں، میں نے جن گزارشات کی تمہید کے طور پر یہ باتیں عرض کی ہیں وہ یہ ہیں کہ آج مسلمان غربتِ ثانیہ اور فتنوں کے دور سے گزر رہے ہیں ہر طرف بے توقیری اور ذلت و رسوائی ہے، عالمی سازشوں کے نرغے میں ہیں، کوئی پرسانِ حال نہیں، بے بس اور لاچار ہیں، تمام عالمِ کفر اسلام اور اہل اسلام کے خلاف یک جان ہے، ہر سطح پر اور ہر شعبے میں نقصان پہنچانے کے لیے بھرپور قوت کے ساتھ مصروف عمل ہے میدانِ کارزار ہو یا فکری و نظریاتی میدان، ہر مقام پر مقابلے کے لیے کمربستہ ہے، مگر مسلمانوں کی طرف سے حکومتی سطح پر اس سے بچاؤ کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا، مسلم اکثریت والے ۵۷ ممالک اور پھر اُن میں سے بالخصوص اُن ۲۶ ممالک کی طرف سے کہ جنہوں نے اسلام کو اپنا ریاستی مذہب قرار دے رکھا ہے باقاعدہ منظّم طریقے سے الگ الگ حکومتی سطح پر یا مشترکہ طور پر ایسا کوئی پروگرام اور منصوبہ تشکیل نہیں دیا گیا کہ جس کے ذریعے نہتے (علم و آگہی اور دلائل و براہین سے تہی دامن) مسلمانوں کو ان مشنری تنظیموں کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے بچانے کے لیے، ان کے منصوبوں کے سامنے بند باندھنے کے لیے اور سادہ لوح مسلمانوں کو ان کا نوالۂ تر بننے سے بچانے کے لیے انتظام کیا گیا ہو، جبکہ دوسری طرف مسلم ممالک میں باہمی تعاون کی متعدد تنظیمیں بھی قائم ہیں جیسا کہ: "OIC" اسلامی تنظیم برائے تعاون، "GCC" خلیجی ممالک کی باہمی تعاون کی تنظیم، "IMCTC" دہشت گردی کے خلاف اسلامی فوجی اتحاد اور اس طرح دیگر تنظیمیں بھی ہیں جو سماجی، اقتصادی، ثقافتی، سائنسی اور دفاعی شعبوں میں باہمی تعاون کے لیے وجود میں آئی ہیں، مگر ان میں مسلمانوں کے عقیدہ و ایمان کی حفاظت کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لیے، اور ان کے اخلاق و کردار کو تباہ و برباد ہونے سے بچانے کے لیے کوئی تنظیم نہیں ہے، اس کے برعکس مقامی اور عالمی سازشوں کے تحت دین کا کام کرنے والوں کے گرد گھیرا تنگ کیا جاتا ہے، ان کے کام کو محدود سے محدود تر کرنے کے لیے سخت سے سخت قوانین بنائے جاتے ہیں اور اس پر مستزاد یہ کہ دین اور اہل دین کے خلاف پراپیگنڈا کیا جاتا ہے، انہیں بدنام کیا جاتا ہے تاکہ ان کی عزت اور وقار مجروح ہو اور عوام میں ان کا اثر و رسوخ کم ہو اور پھر اخلاقی اقدار کو تباہ و برباد کرنے کے لیے اور نوجوان نسل کے دلوں میں دین سے بے زاری، نفرت بلکہ بغاوت کے جذبے کو ابھارنے کے لیے میڈیا کو کھلا چھوڑ رکھا ہے اور کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔

افسوس کہ آج مسلمان اصحابِ اقتدار کے نزدیک ایمان کی کوئی اہمیت ہے، نہ اخلاقیات کی کوئی قدر و قیمت ہے اور نہ شرم و حیا کی کوئی منزلت، اگر کسی چیز کی اہمیت ہے تو صرف مادی چیزوں کی۔

بہرحال دین کی حفاظت کے حوالے سے اگر کوئی تھوڑی بہت ٹھوٹی پھوٹی کوششیں ہورہی ہیں تو وہ عوام کی طرف سے ہورہی ہیں اور وہ بھی بے سروسامانی کے عالم میں اور اپنی مدد آپ کے تحت کچھ براہِ راست وعظ و نصیحت کے ذریعے، کچھ درس و تدریس کے ذریعے، خطبات جمعہ کے ذریعے، جلسوں کی صورت میں، سوشل میڈیا کی وساطت سے یا جرائد و مجلّات اور کتابوں کی نشر و اشاعت کے ذریعے، اور ظاہر ہے کہ یہ کوششیں محدود وسائل کے ساتھ محدود پیمانے پر ہی ہوسکتی ہیں، لہٰذا ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنی اپنی ہمت و استطاعت کے مطابق خدمتِ دین میں اپنا حصہ ڈالتے جائیں، لوگوں کی خیر خواہی کرتے جائیں، علمی لحاظ سے، مالی لحاظ سے، اخلاقی لحاظ سے اور اگر کچھ نہ کرسکیں تو دعا ہی کردیں اور اگر یہ بھی نہ کرسکیں تو کم از کم اپنے شر سے لوگوں کو محفوظ رکھیں، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ: ((تَكُفُّ شَرَّكَ عَنِ النَّاسِ ، فَإِنَّهَا صَدَقَةٌ مِنْكَ عَلَى نَفْسِكَ .)) (مسلم) ”تم لوگوں کو اپنا شر پہنچانے سے باز رہو، یہ تمھاری طرف سے تمھارے اپنے آپ پر صدقہ ہوگا۔“

لوگوں کی خیر خواہی کسی بھی صورت میں ہو وہ اک خیر ہے، دنیا کے معاملات میں ہو یا

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

آخرت کے معاملات میں، مگر سب سے بہترین خیر خواہی آخرت کے لحاظ سے ہے اور سب سے اچھا انسان وہ ہے جو لوگوں کے لیے کسی بھی لحاظ سے نفع مند ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ: ((خَيْرُ النَّاسِ أَنْفَعُهُمْ لِلنَّاسِ)) لوگوں میں سب سے اچھا انسان وہ ہے جو لوگوں کے لیے زیادہ نفع مند ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے: ((اَحَبُّ النَّاسِ إِلَى اللّٰهِ أَنْفَعُهُمْ لِلنَّاسِ)) اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے پسندیدہ اور محبوب وہ لوگ ہیں جو لوگوں کے لیے زیادہ نفع مند ہیں۔

گفتگو طویل ہوتی جارہی ہے حتیٰ کہ سمیٹنی مشکل ہورہی ہے، لہٰذا اسی پر اکتفا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا گو ہوں کہ وہ خدمتِ دین کی اس ادنیٰ سی کوشش کو قبول فرمائے اور ان تمام احباب کو جنھوں نے کسی بھی صورت میں اس سلسلے میں تعاون فرمایا اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ آمین

خادم العلم والعلماء

حافظ عبدالرحمٰن کاشمیری

نیویارک

یکم جولائی 2021ء

☆......☆......☆

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سرزمینِ فلسطین اسلام کی نظر میں

﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ①﴾ (الأسرا: ۱)

گذشتہ جمعے قرآن وحدیث کی روشنی میں ارض فلسطین کی اہمیت کا ذکر ہوا، روئے زمین پر روحانیت کے حوالے سے دینی، نقطۂ نظر سے ارض فلسطین کہ جس میں مسجد اقصیٰ ہے، جس کے اردگرد اور ماحول کو بابرکت بنایا گیا ہے، نہایت ہی اہمیت کا حامل ہے۔

ارضِ فلسطین جو کہ بہت سے انبیاء علیہم السلام کا مسکن ومبعث رہی ہے، اکثر انبیاء علیہم السلام یہیں سے مبعوث ہوئے اور ان کی شریعتیں دنیا میں پھیلیں، اسی مقدس مقام پر انبیاء علیہم السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں باجماعت نماز ادا کی، اسی مبارک جگہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمانوں پر لے جایا گیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض نشانیوں کا مشاہدہ کروایا اور بعض انبیاء علیہم السلام سے ملاقاتیں کروائیں۔

اس سفر میں کیے گئے مشاہدات اور ملاحظہ کیے گئے مناظر میں یقیناً امت کی رہنمائی کے حوالے سے بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہوں گی۔

اس سفر کے مقاصد میں سے ایک مقصد اور حکمت یہ بھی نظر آتی ہے کہ اس سے دنیا کو اسلام کے اہم مراکز سے آگاہ کرنا ہے کہ اسلام کے سب سے اہم مراکز المسجد الحرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ ہیں اور اس سفر میں مسجد اقصیٰ کا مرکز ہونا نمایاں کیا گیا ہے۔

اگرچہ یوں تو ہر مسجد ہی اسلام کا ایک علاقائی مرکز ہوتا ہے مگر یہ تین مراکز اسلام کے آفاقی مراکز ہیں، چنانچہ صرف یہ تین مراکز ہی ایسے مراکز ہیں کہ جن کی طرف ثواب اور عبادت کی نیت سے سفر کیا جا سکتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسلام کے نزدیک ان مراکز کی اہمیت کا اندازہ کیجیے کہ یقیناً یہ بات ممکن تھی کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو سیدھے مسجد الحرام سے آسمانوں پر لے جاتے، مگر مسجد اقصیٰ سے ہوتے ہوئے آسمانوں پر لے جانا گویا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مسجد اقصیٰ، بیت المقدس بھی اسلام ہی کا ایک مرکز ہے۔

اسی طرح انبیاء علیہم السلام کی امامت کرانے میں یہ حکمت نظر آتی ہے کہ بہت سے انبیاء علیہم السلام جو ایک ایک کر کے اپنے اپنے وقت میں اس بابرکت زمین پر رہ چکے ہیں، اگر وہ سارے کے سارے ایک وقت میں بھی رہے ہوتے تو اس زمین پر حق آپ ﷺ کا ہی ٹھہرتا ہے جیسا کہ حدیث ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((وَلَا يَـؤُمَّنَّ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِي سُلْطَانِهِ وَلَا يَقْعُدْ فِي بَيْتِهِ عَلَى تَكْرِمَتِهِ إِلَّا بِإِذْنِهِ)) (مسلم : ٦٧٣)

”کوئی آدمی کسی آدمی کی سلطنت میں، اس کے دائرہ اختیار کی جگہ میں امامت نہ کرائے اور نہ اس کے گھر میں اس کی مسند پر بیٹھے، بغیر اس کی اجازت کے۔“

یعنی صاحب الدار امامت کا زیادہ حق دار ہے، صاحب مجلس اپنی مسند پر بیٹھنے کا زیادہ حق دار ہے، امام مسجد اپنی مسجد میں نماز پڑھانے کا زیادہ حق دار ہے، چاہے مہمان اس سے زیادہ علم رکھنے والا ہی کیوں نہ ہو، الا یہ کہ وہ خود ہی اس کو امامت کے لیے کہے۔

تو آپ ﷺ نے بہت سے انبیاء علیہم السلام کے مسکن و مبعث میں جا کر امامت کرائی اور کسی نبی سے اجازت تو طلب نہیں کی، بلکہ جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو نماز پڑھانے کے لیے آگے کیا اور ادھر خود انبیاء و رسل علیہم السلام کو بھی معلوم تھا کہ امامت کا حق آپ ﷺ کا ہی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی تمام انبیاء علیہم السلام سے اس بات کا عہد لے رکھا تھا کہ:

﴿وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَاۤ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

الشّٰهِدِيْنَ ﴿٨١﴾ (آل عمران : ٨١)

''اور جب اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں سے عہد لیا تھا کہ آج ہم نے تمھیں کتاب و حکمت سے نوازا ہے، کل اگر کوئی دوسرا رسول تمہارے پاس اسی تعلیم کی تصدیق کرتا ہوا آئے جو پہلے سے تمہارے پاس موجود ہے تو تم کو اس پر ایمان لانا ہوگا اور اس کی مدد کرنی ہوگی، کیا تم اس کا اقرار کرتے ہو اور اس پر میری طرف سے عہد کی بھاری ذمہ داری اٹھاتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم اقرار کرتے ہیں، تو اللہ نے فرمایا: اچھا تو گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔''

تو یوں بھی امامت کا حق آپ ﷺ کا ہی تھا اور اس کے علاوہ سید الانبیاء اور سید بنی آدم ہونے کے لحاظ سے بھی امامت آپ ہی کا منصب ہے۔

تو بیت المقدس سے ہوتے ہوئے معراج پر جانے کی حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ بھی نظر آتی ہے کہ ان لوگوں کو واضح کر دیا جائے جو اس قطعۂ زمیں پر اپنا حق سمجھتے ہیں کہ اس جگہ کا اصلی حقدار اسلام ہے اور اس کے ماننے والے اس کے پاسبان اور اس کی حفاظت و صیانت کے ذمہ دار ہیں۔

اسی طرح واقعۂ اسراء میں اور معراج کے بیت المقدس کے راستے ہونے میں کئی حکمتوں اور اسرار و رموز کے قرآن پاک میں واضح اشارے ملتے ہیں، جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل یا سورۂ اسراء میں اسراء کا واقعہ صرف ایک آیت میں بیان کر کے رخ یہودیوں کی بداعمالیوں کی طرف موڑ دیا گیا ہے جو بظاہر بے جوڑ اور بے ربط معلوم ہوتی ہیں، مگر حقیقت میں ایسا نہیں، بلکہ ان کے اندر ایک گہرا ربط و تعلق ہے اور ایک واضح اشارہ ہے کہ اب یہود کو نوع انسانی کی قیادت سے معزول کیا جانے والا ہے، کیونکہ اب وہ اپنی بداعمالیوں کے سبب اس منصب کے اہل نہیں رہے۔ لہٰذا اب یہ منصب رسول اللہ ﷺ کو سونپا جائے گا اور دعوت ابراہیمی کے دونوں مراکز آپ ہی کے ماتحت کر دیئے جائیں گے۔

اور عملی طور پر بیت المقدس کو آپ ﷺ کے ماتحت کر دیئے جانے کی پیشین گوئی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حدیث میں بھی کی گئی ہے اور بشارت دی گئی ہے جیسا کہ غزوۂ خندق کے موقع پر جب صحابۂ کرام خندق کھود رہے تھے تو ان کے سامنے ایک بہت بڑا اور سخت پتھر آیا جو ان سے توڑا نہیں جا رہا تھا۔

جیسا کہ حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

((عَرَضَ لَنَا فِي بَعْضِ الْخَنْدَقِ صَخْرَةٌ عَظِيمَةٌ شَدِيْدَةٌ))

''خندق کھودنے کے دوران ہمارے سامنے ایک بہت بڑا اور بہت سخت پتھر آیا۔''

((لَا تَأْخُذُ فِيهَا الْمَعَاوِلُ))

''جس پر کدالیں کام نہ کرتی تھیں۔''

((قَالَ: فَشَكَوا ذَلِكَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ))

''تو لوگوں نے آپ ﷺ سے اپنی اس مشکل کا ذکر کیا۔''

((قَالَ: فَلَمَّا رَآهَا اَخَذَ الْمِعْوَلَ وَقَالَ: بِسْمِ اللّٰهِ، وَضَرَبَ ضَرْبَةً فَكَسَرَ ثُلُثَهَا))

''آپ ﷺ نے جب دیکھا، کدال پکڑی اور بسم اللہ پڑھ کر اسے پتھر پر مارا، تو اس کا تیسرا حصہ ٹوٹ گیا۔''

((فَقَالَ: اَللّٰهُ أَكْبَرُ! أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ الشَّامِ))

تو فرمایا: ''اللہ اکبر! مجھے شام کی کنجیاں دے دی گئیں۔''

یعنی بیت المقدس فتح ہو گیا۔

((وَاللّٰهِ إِنِّي لَأُبْصِرُ قُصُورَهَا الْحُمْرَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ))

''اور فرمایا، اللہ کی قسم! میں ان شاء اللہ اس کے سرخ محل دیکھ رہا ہوں۔''

((ثُمَّ ضَرَبَ الثَّانِيَةَ، فَقَطَعَ ثُلُثًا آخَرَ))

''پھر دوسری ضرب لگائی تو اس کا ایک دوسرا تہائی حصہ بھی کٹ گیا۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((فَقَالَ: اَللّٰهُ أَكْبَرُ! أُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ فَارِسَ))

''فرمایا، اللہ اکبر! مجھے فارس کے خزانے دے دیئے گئے۔''

((وَاللّٰهِ إِنِّيْ لَأُبْصِرُ قَصْرَ الْمَدَائِنِ الْأَبْيَضَ))

''اللہ کی قسم! میں مدائن کے سفید محل دیکھ رہا ہوں۔''

یعنی کسریٰ کے محل دیکھ رہا ہوں۔

((ثُمَّ ضَرَبَ الثَّالِثَةَ، فَقَالَ: بِسْمِ اللّٰهِ، فَقَطَعَ بَقِيَّةَ الْحَجَرِ))

''پھر آپ ﷺ نے تیسری ضرب لگائی اور پتھر کا باقی ماندہ حصہ بھی کٹ گیا۔''

((فَقَالَ: اَللّٰهُ أَكْبَرُ! أُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ الْيَمَنِ))

''اور فرمایا: اللہ اکبر! مجھے یمن کی چابیاں بھی دے دی گئیں۔''

((وَاللّٰهِ إِنِّيْ لَأُبْصِرُ أَبْوَابَ صَنْعَاءَ مِنْ مَكَانِي السَّاعَةَ))

(مسند احمد: ١٨٣٩٧)

''اللہ کی قسم! میں اس وقت اپنی اس جگہ سے صنعاء کے پھاٹک دیکھ رہا ہوں۔''

تو جہاں ایک طرف اسلام بیت المقدس کے مسلمانوں کی تحویل میں آنے کی پیش گوئیاں اور بشارتیں دے رہا تھا، وہاں دوسری طرف بھی یہودو نصاریٰ کو اپنی کتابوں اور خوابوں کے ذریعے اس کا یقین ہو چکا تھا۔

جیسا کہ روم کا بادشاہ ہرقل، عیسائی سلطنت کا ایک مذہبی بادشاہ تھا، کہانت بھی جانتا تھا، علم نجوم میں مہارت رکھتا تھا۔

روم کو جب فارس پر کامیابی حاصل ہوئی تو ہرقل نے شکرانے کے طور پر بیت المقدس کا قصد کیا، جیسا کہ بخاری شریف میں واقعہ مذکور ہے۔

((أَنَّ هِرَقْلَ حِينَ قَدِمَ إِيلِيَاءَ أَصْبَحَ يَوْمًا خَبِيثَ النَّفْسِ))

''ہرقل جب ایلیاء پہنچا تو ایک روز وہ بڑا پریشان حال نظر آیا۔''

ایلیاء بیت المقدس کو کہا جاتا ہے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

((فَقَالَ بَعْضُ بَطَارِقَتِهِ قَدِ اسْتَنْكَرْنَا هَيْئَتَكَ))

''تو اس کے بعض پادریوں نے کہا کہ آپ کی حالت ہمیں اچھی نہیں لگ رہی۔''

((وَكَانَ هِرَقْلُ حَزَّاءً يَنْظُرُ فِي النُّجُومِ))

''ہرقل کاہن بھی تھا، یعنی علم نجوم جانتا تھا۔''

((فَقَالَ لَهُمْ حِينَ سَأَلُوهُ إِنِّي رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ حِينَ نَظَرْتُ فِي النُّجُومِ مَلِكَ الْخِتَانِ قَدْ ظَهَرَ))

''تو ان کے دریافت کرنے پر ہرقل نے کہا کہ گذشتہ رات میں نے ستاروں پر نظر ڈالی تو مجھے معلوم ہوا کہ ختنے کرنے والی قوم کا بادشاہ ظاہر ہو چکا ہے۔''

((فَمَنْ يَخْتَتِنُ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ))

''اس امت میں سے کون لوگ ختنے کرتے ہیں؟''

((قَالُوا لَيْسَ يَخْتَتِنُ إِلَّا الْيَهُودُ فَلَا يُهِمَّنَّكَ شَأْنُهُمْ وَاكْتُبْ إِلَى مَدَايِنِ مُلْكِكَ فَيَقْتُلُوا مَنْ فِيهِمْ مِنَ الْيَهُودِ))

''انہوں نے کہا: یہودیوں کے علاوہ تو کوئی ختنے نہیں کرتا اور ان کی تم فکر نہ کرو، اپنی سلطنت کے مدائن کی طرف خط لکھ دو، وہ وہاں موجود تمام یہودیوں کو قتل کر دیں گے۔''

عربوں کے بارے میں انہیں معلوم نہ تھا کہ وہ بھی ختنے کرتے ہیں۔

((فَبَيْنَمَا هُمْ عَلَى أَمْرِهِمْ أُتِيَ هِرَقْلُ بِرَجُلٍ أَرْسَلَ بِهِ مَلِكُ غَسَّانَ يُخْبِرُ عَنْ خَبَرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ))

''ابھی وہ اسی شش و پنج میں تھے کہ ہرقل کے پاس ایک شخص لایا گیا جسے غسان کے بادشاہ نے بھیجا تھا جو رسول کریم ﷺ کے ظہور کے بارے میں خبر دیتا تھا۔''

((فَلَمَّا اسْتَخْبَرَهُ هِرَقْلُ قَالَ اذْهَبُوا فَانْظُرُوا أَمُخْتَتِنٌ هُوَ أَمْ لَا))

''ہرقل نے جب اس سے پوچھ گچھ کر لی تو حکم دیا کہ جاؤ دیکھو یہ شخص ختنے والا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے یا نہیں۔''

((فَنَظَرُوا إِلَيْهِ فَحَدَّثُوهُ أَنَّهُ مُخْتَتِنٌ وَسَأَلَهُ عَنِ الْعَرَبِ فَقَالَ هُمْ يَخْتَتِنُونَ))

''تو انہوں نے دیکھا اور بتایا کہ ختنے والا ہے، پھر اس سے عربوں کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا کہ وہ ختنے کرتے ہیں۔''

((فَقَالَ هِرَقْلُ هَذَا مُلْكُ هَذِهِ الْأُمَّةِ قَدْ ظَهَرَ)) (بخاري: ٧)

''تو ہرقل نے کہا کہ یہ ملک اس قوم کا ملک ہے، یعنی اس جگہ کی مالک یہ قوم ہوگی۔''

اور اس کے بعد ایک دوسرے موقع پر جب ابو سفیان تجارت کے لیے ملک شام گئے ہوئے تھے، جو کہ ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، ہرقل کو معلوم ہوا تو اس نے بلایا، اور پھر ابوسفیان اور ہرقل کے درمیان جو مکالمہ ہوا، وہ ایک لمبا واقعہ ہے جس کے آخر میں ہرقل نے کہا:

((فَإِنْ كَانَ مَا تَقُولُ حَقًّا فَسَيَمْلِكُ مَوْضِعَ قَدَمَيَّ هَاتَيْنِ))

''تو جو کچھ تم نے بتایا اگر وہ صحیح ہے تو یہ شخص بہت جلد میرے ان قدموں کی جگہ کا مالک ہو جائے گا۔'' یعنی اس تخت کا مالک ہوگا۔

((وَقَدْ كُنْتُ أَعْلَمُ أَنَّهُ خَارِجٌ لَمْ أَكُنْ أَظُنُّ أَنَّهُ مِنْكُمْ))

''میں جانتا تھا کہ یہ نبی آنے والا ہے، لیکن میرا یہ گمان نہ تھا کہ وہ تم میں سے ہوگا۔''

((فَلَوْ أَنِّي أَعْلَمُ أَنِّي أَخْلُصُ إِلَيْهِ لَتَجَشَّمْتُ لِقَاءَهُ))

''اگر مجھے یقین ہوتا کہ میں اس کے پاس پہنچ جاؤں گا تو اس سے ملاقات کی زحمت اٹھاتا۔''

((وَلَوْ كُنْتُ عِنْدَهُ لَغَسَلْتُ عَنْ قَدَمِهِ)) (بخاري: ٧)

''اگر میں اس کے پاس ہوتا تو اس کے پاؤں دھوتا۔''

تو مسجد اقصیٰ اور ارض فلسطین کے استحقاق کا اسلامی نقطۂ نظر سے ذکر ہو رہا تھا جس میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے چند باتیں ہم نے جانیں۔

دوسری طرف تاریخی اعتبار سے بات کریں تو بھی مسلمان ہی اس خطے کے مالک ٹھہرتے ہیں، جو کہ ان شاء اللہ بعد میں ذکر کریں گے۔

یہ علاقہ جہاں ایک طرف خصوصی طور پر تین قوموں کے ہاں اہمیت رکھتا ہے، وہاں عمومی طور پر پوری انسانیت کے لیے اہمیت کا حامل ہے۔

اس لیے کہ یہ قطعۂ زمین ارض محشر و منشر بھی ہے۔ اکثر انبیاء و رسل علیہم السلام یہیں سے مبعوث ہوئے اور ان کی شریعتیں دنیا میں پھیلیں، چنانچہ اسی مناسبت سے یہ ارض محشر قرار پائی۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ:

((اَلشَّامُ أَرْضُ الْمَحْشَرِ وَ الْمَنْشَرِ))

(تخريج احاديث فضائل الشام و دمشق للالباني، ص : ١٤)

''شام کا علاقہ ارض محشر بھی ہے اور ارض منشر بھی ہے۔''

یعنی یہیں سے قبروں سے اٹھائے جائیں گے اور قیامت کے دن لوگ اسی جگہ جمع کیے جائیں گے۔ فرمایا:

((إِنَّكُمْ تُحْشَرُوْنَ إِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ ثُمَّ تَجْتَمِعُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) (مجمع الزوائد و منبع الفوائد : ١٨٢٩٠)

''تم لوگ بیت المقدس کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے اور پھر قیامت کے دن وہاں جمع ہو گے۔''

اور حدیث میں ہے:

((يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَلَاثَةَ أَصْنَافٍ صِنْفًا مُشَاةً وَصِنْفًا رُكْبَانًا وَصِنْفًا عَلَى وُجُوهِهِمْ))

''قیامت کے دن لوگ تین اصناف اور قسموں میں جمع کیے جائیں گے، ایک قسم پیدل چلنے والوں کی ہوگی، ایک سوار لوگوں کی ہوگی، اور ایک چہروں کے بل چلنے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

والوں کی ہوگی۔''

((قِيلَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَكَيْفَ يَمْشُونَ عَلَى وُجُوهِهِمْ قَالَ إِنَّ الَّذِي أَمْشَاهُمْ عَلَى أَقْدَامِهِمْ قَادِرٌ عَلَى أَنْ يُمْشِيَهُمْ عَلَى وُجُوهِهِمْ)) (ترمذي: ٣١٤٢)

''دریافت کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ لوگ چہروں کے بل کیسے چلیں گے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے انہیں قدموں کے بل چلایا ہے، وہ انہیں چہروں کے بل چلانے پر بھی قادر ہے۔''

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ارضِ مقدسہ

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ﴾ (الأسرا : ١)

بیت المقدس کی اہمیت وفضیلت کا ذکر ہو رہا تھا، یقیناً یہ قطعۂ زمین مسلمانوں کے لیے بالخصوص اور پوری انسانیت کے لیے بالعموم بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے اور قرآن وحدیث میں اس کے متعدد فضائل بھی بیان کیے گئے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ ﴿بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ﴾ مسجد اقصیٰ کے ارد گرد اور آس پاس کو بابرکت بنا دیا گیا ہے اور مسجد اقصی کا آس پاس القدس ہے۔

اس سے قبل یقیناً مسجد الحرام کو بھی یہی فضیلت حاصل ہے، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾

(آل عمران : ٩٦)

”بے شک سب سے پہلی عبادت گاہ جو انسانوں کے لیے تعمیر ہوئی، وہ وہی ہے جو مکہ میں واقع ہے، اس کو خیر و برکت دی گئی تھی اور تمام جہان والوں کے لیے مرکز ہدایت بنایا گیا تھا۔“

بیت المقدس کی اہمیت کی دیگر متعدد وجوہات کے ساتھ ساتھ ایک یہ بھی ہے کہ وہاں مسجد الحرام کے بعد دنیا کی قدیم ترین عبادت گاہ ہے مسجد اقصیٰ کے نام سے، جیسا کہ حدیث میں ہے، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

((قُلْتُ یَا رَسُولَ اللَّهِ أَيُّ مَسْجِدٍ وُضِعَ فِي الْأَرْضِ أَوَّلَ))

”میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! سب سے پہلے کون سی مسجد زمین

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

پر بنائی گئی؟‘‘

((قَالَ الْمَسْجِدُ الْحَرَامُ))

’’تو آپ ﷺ نے فرمایا: مسجد حرام۔‘‘

((قُلْتُ ثُمَّ أَيٌّ))

’’کہتے ہیں، میں نے عرض کیا، پھر اس کے بعد کون سی؟‘‘

((قَالَ الْمَسْجِدُ الْأَقْصَى))

’’تو فرمایا: مسجد اقصیٰ۔‘‘

((قُلْتُ كَمْ كَانَ بَيْنَهُمَا))

’’میں نے عرض کیا، ان دونوں کے درمیان کتنا عرصہ تھا؟‘‘

((قَالَ أَرْبَعُونَ سَنَةً)) (بخاري : ٣٣٦٦)

’’تو فرمایا: چالیس سال۔‘‘

اب ان دونوں مسجدوں کی تعمیر کے حوالے سے مشہور یہ ہے کہ مسجد الحرام ابراہیم علیہ السلام نے بنائی اور مسجد اقصیٰ سلیمان علیہ السلام نے۔

مگر حدیث میں ان مسجدوں کی تعمیر کے درمیانی عرصے کا جو تعین کیا گیا ہے کہ چالیس سال ہے تو اس سے اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم اور سلیمان علیہ السلام کے درمیان تو تقریباً ایک ہزار سال کا عرصہ ہے، پھر وہ چالیس سال بعد کیسے بنا سکتے ہیں۔

لہٰذا صحیح بات یہ ہے کہ ابراہیم اور سلیمان علیہما السلام نے ان مسجدوں کی تجدید کی تھی، بنائیں کسی اور نے تھیں، پہلے پہل کس نے بنائیں تھیں؟ اس میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں آدم علیہ السلام نے بنائی تھیں اور کچھ کہتے ہیں کہ فرشتوں نے بنائی تھیں۔

تاہم مسجد اقصیٰ کی اہمیت کی ایک وجہ یہ ہے کہ روئے زمین پر مسجد الحرام کے بعد یہ دوسری قدیم ترین عبادت گاہ ہے۔

اسلام میں مسجدوں کی یقیناً بہت زیادہ اہمیت اور فضیلت ہے، مگر مسجد الحرام، مسجد نبوی

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اور مسجد اقصیٰ کو ان میں اک خصوصیت حاصل ہے۔

عبادت گاہیں اگرچہ عبادت کے لیے مخصوص ہوتی ہیں، یعنی عبادت صرف عبادت گاہ میں جا کر ہی ادا کی جا سکتی ہے مگر اہل اسلام پر اللہ تعالیٰ کا یہ خاص انعام ہے کہ وہ سوائے چند جگہوں کے کہیں بھی نماز پڑھ سکتے ہیں، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((أُعْطِيْتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ قَبْلِي))

''میں پانچ چیزیں دیا گیا ہوں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں۔''

((نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ))

''ایک مہینے کی مسافت تک رعب و دبدبے کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے۔''

((وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا))

''اور زمین میرے لیے سجدہ گاہ اور پاک بنا دی گئی ہے۔''

((فَأَيُّمَا رَجُلٍ مِنْ أُمَّتِي أَدْرَكَتْهُ الصَّلَاةُ فَلْيُصَلِّ))

''پس میری امت میں سے جو شخص نماز کا وقت پائے وہ نماز پڑھ لے۔''

((وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي))

''اور مال غنیمت میرے لیے حلال کر دیے گئے ہیں، مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کیے گئے۔''

((وَأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ))

''اور میں شفاعت دیا گیا ہوں۔''

((وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً)) (بخاري: ٣٣٥)

''اور ہر نبی صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور میں عمومی طور پر لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔''

تو ہم سے پہلی قومیں صرف اپنے عبادت خانوں میں جا کر عبادت کر سکتی تھیں، جیسا کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آج بھی دیکھتے ہیں کہ دوسرے مذاہب اپنے اپنے گرجا گھروں، مندروں، گردواروں اور ہیکلوں میں جا کر ہی عبادت کرتے ہیں، باہر کہیں عبادت کرتے ہوئے نظر نہیں آئیں گے۔

مگر آپ ﷺ نے فرمایا:

((وَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا)) (بخاري : ۳۳۵)

''پوری کی پوری زمین میرے لیے مسجد بنا دی گئی ہے اور پاک بنا دی گئی ہے۔''

مسجد بنا دی گئی ہے کا مطلب ہے کہ زمین پر کہیں بھی سجدہ کر سکتے ہیں، نماز پڑھ سکتے ہیں، سوائے چند جگہوں کے، جیسے: قبرستان، حمام، اونٹوں کے باڑے اور کوڑا کرکٹ اور غلاظت کی جگہوں پر نماز پڑھنے کی ممانعت ہے۔

اور زمین پاک بنا دی گئی ہے کا مطلب ہے کہ پانی دستیاب نہ ہونے کی صورت میں، یا کسی مجبوری کی وجہ سے پانی استعمال نہ کر پانے کی صورت میں اس سے تیمّم کر کے نماز پڑھ سکتے ہیں۔

مسجد اقصیٰ کی اہمیت، فضیلت اور استحقاق کے حوالے سے کچھ تھوڑی گفتگو تو گذشتہ خطبات میں ہم سن چکے ہیں، مسئلہ فلسطین کے حوالے سے اگر تفصیل سے گفتگو کرنا چاہیں تو یقیناً اس میں کئی ماہ لگ سکتے ہیں، کیونکہ مسئلہ فلسطین کو سمجھنے کے لیے بنی اسرائیل کی پوری تاریخ سے کم از کم خاص خاص باتیں ہمیں سامنے رکھنا ہوں گی، کہ جس سے ان کی سوچ، کردار اور مزاج کا اندازہ ہو سکے اور ان کے طریقۂ واردات سے آگاہی ہو سکے۔

مثلاً: رسول کریم ﷺ ہجرت کر کے جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس وقت مدینہ منورہ میں، جو کہ آپ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے یثرب کہلاتا تھا، یہودیوں کے تین مشہور قبیلے تھے: (۱) بنو قینقاع (حلیف خزرج) (۲) بنو نضیر (۳) بنو قریظہ (حلیف اوس)

حیی بن اخطب قبیلہ بنو نضیر کا سردار تھا، ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ہجرت کے موقع پر اپنے والد حیی بن اخطب کا حال بیان کرتی ہوئی فرماتی ہیں کہ:

میں اپنے والد اور چچا ابو یاسر کی نگاہ میں بڑی چہیتی تھی جب کبھی اپنے والد یا اپنے چچا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی اولاد کے ساتھ میں ان کے سامنے جاتی تو وہ ان کے بجائے مجھے ہی اٹھاتے۔

جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے تشریف لائے اور قباء میں بنو عمرو بن عوف کے یہاں نزول فرمایا تو میرے والد حیی بن اخطب اور میرے چچا ابو یاسر آپ ﷺ کی خدمت میں صبح سویرے حاضر ہوئے اور غروب آفتاب کے وقت واپس آئے۔

تھکے ماندے، گرتے پڑتے اور لڑکھڑائی چال چلتے ہوئے آئے، میں حسب معمول چہک کر ان کی طرف بڑھی، لیکن وہ اس قدر غمگین تھے کہ واللہ دونوں میں سے کسی نے بھی میری طرف توجہ نہ کی اور میں نے اپنے چچا کو سنا وہ میرے والد سے کہہ رہے تھے:

((أَهُوَ هُوَ))

''کیا یہ وہی ہے؟''

یعنی اپنی کتابوں میں جس کا ذکر اور صفات پڑھتے ہیں!

((قَالَ: نَعَمْ وَاللّٰهِ))

''کہاں: ہاں اللہ کی قسم وہی ہے۔''

((قَالَ: أَتَعْرِفُهُ وَتُثْبِتُه))

''کہا: کیا آپ انہیں ٹھیک ٹھیک پہچان رہے ہیں اور اس کی توثیق کرتے ہیں۔''

((قَالَ: نَعَمْ))

''میرے والد نے کہا: ہاں۔''

((قَالَ: فَمَا فِي نَفْسِكَ مِنْهُ))

''تو میرے چچا نے کہا: پھر ان کے متعلق آپ کے دل میں کیا ہے؟''

((قَالَ: عَدَاوَتُهُ، وَاللّٰهِ مَا بَقِيْتُ)) (سيرة ابن هشام : ١/ ٥١٧)

''تو میرے والد نے کہا: اس کی عداوت اور دشمنی، اللہ کی قسم، جب تک زندہ رہوں گا۔''

اندازہ کریں، اس میں جو اس کی بدبختی تھی وہ تو اپنی جگہ، مگر اس کی سوچ کہ جس پر اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نے آپ ﷺ اور مسلمانوں سے زندگی بھر معاملہ کرنے کی قسم کھائی، اس کی روشنی میں اس کے موقف کو کس طرح دیکھا جا سکتا ہے۔

اور یہ کسی ایک شخص کی سوچ نہیں، یہ پوری قوم کی سوچ ہے، یعنی اکثریت کی سوچ ہے۔

لہٰذا کسی بھی ایسے معاملے میں کہ جس میں کوئی یہودی فریق ہو، اس کو سمجھنے کے لیے بنی اسرائیل کی پوری تاریخ کو سامنا رکھنا ہوگا اور قرآن پاک اس کی تفصیل سے بھرا پڑا ہے۔

مگر ہم اس کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتے کیونکہ ہمیں جو چیز جاننے کی ضرورت ہے، وہ یہ کہ مسلمانوں کی فلسطین میں بالخصوص اور پوری دنیا میں بالعموم اس حالت زار کے اسباب کیا ہیں اور یقیناً امت مسلمہ کے انتشار، افتراق اور بدحالی کے ہم خود ذمہ دار ہیں، لہٰذا ہمیں جاننا یہ ہے کہ ہمیں اپنی اصلاح کس طرح کرنی ہے۔

اس دور میں مسلمانوں کی حالت زار اگرچہ سب کے سامنے ہے مگر مسلمانوں کی اکثریت اس کو کوئی مسئلہ نہیں سمجھتی۔

بہت سے لوگ تو وہ ہیں جو خود اسلام کو ہی مسلمانوں کی بدحالی کا سبب قرار دیتے ہیں اور چونکہ وہ اسلام کو کھل کر ہدف تنقید نہیں بنا سکتے، اس لیے علماء کو اور دینی رجحان رکھنے والوں کو برا بھلا کہہ کر اپنا غصہ ٹھنڈا کر لیتے ہیں۔

اور یہ چیز بے دین شعراء کے کلام میں آپ کو واضح طور پر نظر آئے گی، میڈیا پر بیٹھے ہوئے خود ساختہ دانشور اسلام اور اہل اسلام کا مذاق اڑاتے ہوئے نظر آئیں گے اور ہمارے لیڈروں کی گفتگو میں آپ کو اس کی جھلک نظر آئے گی۔

ہمارا سب سے بڑا مسئلہ اس دور میں یہ ہے کہ ہمارے پاس کوئی لیڈر اور رہنما نہیں ہے جو ہماری رہنمائی کر سکے، جو ہمیں بتائے کہ ہمیں کیا کرنا ہے، جو ہمیں ڈائریکشن دے سکے۔

لہٰذا کچھ لوگ اپنے طور پر اور کچھ لوگ جاہل اور بے دین لیڈروں کے ہتھے چڑھ کر جذبات کی تسکین کے لیے توڑ پھوڑ کرنے لگ جاتے ہیں، جلاؤ گھیراؤ کرتے ہیں، مظاہرے اور ہڑتالیں کرتے ہیں اور دھرنے دیتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور کچھ لوگ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں کہ یہ سب کچھ تو مہدی علیہ السلام آئیں گے تو ٹھیک ہوگا۔

حالانکہ مہدی علیہ السلام کے آنے کی بشارت احادیث میں ضرور دی گئی ہے، مگر یہ کہاں کہا گیا ہے کہ تب تک تمہیں کچھ نہیں کرنا صرف کاروبار کرنا ہے یا جاب کرنی ہے اور دولت اکٹھی کرنے میں ایک دوسرے کا مقابلہ کرنا ہے۔

مہدی علیہ السلام کے آنے سے پہلے تو بڑے بڑے واقعات رونما ہونے والے ہیں، جن میں خلافت راشدہ کا قیام بھی ہے۔

تاہم ان حالات میں جو بات ہر مسلمان سے مطلوب ہے وہ یہ کہ وہ دین سے وابستہ رہے اور زیادہ سے زیادہ نیک اعمال کرے، جیسا کہ احادیث میں اس کی ترغیب دی گئی ہے، حدیث میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((الْعِبَادَةُ فِي الْهَرْجِ كَهِجْرَةٍ إِلَيَّ)) (مسلم: ٢٩٤٨)

”فتنوں کے دور میں، قتل و خونریزی کے دور میں عبادت کرنا ایسے ہے جیسے میری طرف ہجرت کر کے آنا ہے۔“

فتنوں، مصیبتوں اور پریشانیوں کے دور میں غفلت کا شکار ہونا اک فطری سی بات ہے، چنانچہ اس وقت عبادت میں مصروف ہونا ایک نہایت ہی قابل قدر عمل قرار دیا گیا، ہجرت کے مساوی قرار دیا گیا ہے۔

اور ہجرت کا اجر و ثواب کیا ہے، حدیث میں ہے:

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((أَتَيْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم ، فَقُلْتُ أُبْسُطْ يَمِيْنَكَ فَلأُبَايِعَكَ))

”میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا اپنا دایاں ہاتھ بڑھایئے کہ میں بیعت کروں۔“

((فَبَسَطَ يَمِيْنَهُ))

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

''تو آپ ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ بڑھا دیا۔''

((قَالَ: فَقَبَضْتُ يَدِيْ))

''حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے مٹھی بند کرلی۔''

((قَالَ: مَا لَكَ يَا عَمْرُوْ؟))

''تو آپ ﷺ نے فرمایا: عمرو کیا بات ہے؟''

((قَالَ: قُلْتُ: أَرَدْتُ أَنْ أَشْتَرِطَ))

''حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے کہا میں ایک شرط رکھنا چاہتا ہوں۔''

((قَالَ: تَشْتَرِطُ بِمَاذَا؟))

''تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا شرط رکھنا چاہتے ہو؟''

((قُلْتُ: أَنْ يُغْفَرَ لِيْ))

''میں نے کہا: شرط یہ ہے کہ میری بخشش ہو جائے۔''

((قَالَ: أَمَا عَلِمْتَ اَنَّ الْاِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ))

''تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تجھے معلوم نہیں کہ اسلام گذشتہ تمام خطائیں مٹا دیتا ہے۔''

((وَأَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا))

''اور یہ کہ ہجرت گذشتہ سارے گناہ مٹا دیتی ہے۔''

((وَأَنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ)) (مسلم : ۲۰۲)

''اور یہ کہ حج سابقہ ساری خطائیں مٹا دیتا ہے۔''

تو فتنوں کے دور میں عبادت کا اتنا بڑا ثواب ہے کہ اس سے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ مگر کچھ بدقسمت لوگ فتنوں کے دور میں ناچ گانے اور زیادہ زور شور سے کرتے ہیں اور کچھ دوسرے ان کو سپورٹ کرتے ہیں۔ بدنصیبی اور بدبختی کی انتہا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک حدیث میں آپ ﷺ نے نیکی کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

((إِسْتَمْتِعُوا بِهَذَا الْبَيْتِ، فَقَدْ هُدِمَ مَرَّتَيْنِ، وَيُرْفَعُ فِي الثَّالِثَةِ))

(ابن خزيمة: ٢٥٠٦)

''بیت اللہ سے استفادہ کرلو کہ دو دفعہ ڈھایا جاچکا ہے اور تیسری دفعہ اٹھا لیا جائے گا۔''

''اور بیت اللہ سے استمتاع اور استفادے کا مطلب ہے کہ زیادہ سے زیادہ حج اور عمرے کیے جائیں، طواف کیے جائیں، نمازیں پڑھی جائیں، مقام ابراہیم کے پاس نمازیں پڑھی جائیں اور دعائیں کی جائیں۔''

اور لوگوں کے پاس پیسہ ہے مگر فرصت نہیں ہے، تجوریاں بھرنے میں اتنے مصروف ہیں کہ جیسے کہا جاتا ہے کہ انہیں تو مرنے کی فرصت نہیں ہے۔

ایک حدیث میں بیت اللہ کے گرائے اور جلائے جانے کی پیش گوئی ہے اور پھر اس کے بعد کبھی حج نہیں کیا جائے گا۔

((يُخَرِّبُ الْكَعْبَةَ ذُو السُّوَيْقَتَيْنِ مِنَ الْحَبَشَةِ)) (بخاري: ١٥٩١)

''دو چھوٹی پنڈلیوں والا حبشی کعبہ کو ڈھا دے گا۔''

اندازہ کیجیے کس طرح شدید الفاظ کے ساتھ ترغیب دی جا رہی ہے حالانکہ ایک حدیث میں ہے کہ یاجوج و ماجوج کے بعد بھی حج ہوگا۔ لیکن چونکہ تاریخ میں کئی ایسے مواقع آئے ہیں کہ کچھ عرصہ کے لیے طواف موقوف ہوگیا تھا اور ایسی حالت کسی دور میں بھی ہوسکتی ہے۔

ہوسکتا ہے کہ ایک طرف آدمی زندگی کے آخری سانس لے رہا ہو، ادھر طواف موقوف ہو جائے لہٰذا ضروری ہے کہ آدمی پہلے پہلے اس سے استفادہ کر لے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صرف اسلام ہی تمام تر مسائل کا حل پیش کرتا ہے

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ (النحل : ۸۹)

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس دنیا میں ہر معاشرہ بہت سارے مسائل سے دو چار ہوتا ہے، اگرچہ معاشروں کے مسائل کچھ حد تک ایک دوسرے سے مختلف بھی ہوتے ہیں، مگر بہت حد تک ایک جیسے ہی ہوتے ہیں۔

ان بیسیوں معاشرتی مسائل میں سے چند خاص خاص جو کہ تقریباً ہر معاشرے میں پائے جاتے ہیں، چوری چکاری، راہزنی، لوٹ کھسوٹ، قتل و غارت، رشوت، بدامنی، تشدد، بے حیائی اور فحاشی، منشیات کا استعمال اور ان کی ترویج اور دہشت گردی اور ان جیسے دیگر بہت سے مسائل ہوتے ہیں۔

ان کے علاوہ کچھ انتظامی قسم کے مسائل بھی ہوتے ہیں، جیسے: تعلیم کے مسائل، بے روزگاری اور چائلڈ لیبر کے مسائل اور ہیلتھ وغیرہ کے مسائل۔

اور پھر کچھ وہ مسائل بھی ہوتے ہیں جو عالمی سطح پر پوری دنیا کو درپیش ہوتے ہیں، جیسے: ضروریات زندگی کے قدرتی وسائل کے مسائل، جیسے: پانی، آئل اور گیس وغیرہ کے مسائل ہیں۔

اسی طرح وہ مسائل بھی ہوتے ہیں جو قدرتی آفات کی صورت میں ہوتے ہیں، مگر اس وقت ہمارا موضوع سخن وہ مسائل ہیں جو انسانی رویوں کے نتیجے میں رونما ہوتے ہیں، جنہیں اجتماعی مسائل کہا جاتا ہے، ورنہ انفرادی مسائل بھی ہوتے ہیں اور وہ ایسے مسائل ہیں کہ جن سے دنیا کا کوئی انسان مستثنیٰ نہیں ہے، البتہ اتنا ضرور ہے کہ وہ مسائل آتے جاتے رہتے ہیں۔ لیکن اجتماعی مسائل پہلے تو آسانی سے حل نہیں ہوتے اور اگر وہ حل ہو جائیں تو پھر ان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی جگہ کوئی نئے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں اور یہ سلسلہ یونہی جاری رہتا ہے۔

اب ہمیں جاننا یہ ہے کہ مسائل کیونکر پیدا ہوتے ہیں، ان کے اسباب کیا ہیں اور علاج کیا ہے؟ تو مسائل کے اسباب کا خلاصہ کچھ یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ انسانی معاشرے میں اجتماعی زندگی گزارتے وقت مسائل کا پیدا ہونا ایک فطری بات ہے اور اس کے اسباب میں سے طبیعتوں اور مزاجوں کا اختلاف، چاہتوں اور خواہشوں کا اختلاف ،فطری کمزوریوں کا وجود اور ان پر قابو پانے میں ناکامی۔

مثلاً: انسان میں جو فطری کمزوریاں موجود ہیں ان میں سے چند ایک یہ ہیں کہ وہ خود غرض ہے، لالچی ہے، بخیل ہے، حاسد ہے، بے صبرا ہے، جلد باز ہے، ناشکرا ہے، احسان فراموش ہے، جھگڑالو ہے، سرکش ہے، ظالم ہے، مغرور ہے، کینہ پرور ہے، مکار ہے، وعدہ خلاف ہے، خائن ہے، کوتاہ نظر ہے، خواہشات کی پیروی کرنے والا ہے، دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے والا ہے، سنگدل ہے۔

قرآن وحدیث میں انسان کی جو بہت سی فطری کمزوریوں کا ذکر کیا گیا ہے، یہ ان میں سے چند ایک ہیں، یہ فطری کمزوریاں اور صفاتِ مذمومہ جو انسان میں پائی جاتی ہیں، یہ دراصل قابلِ اصلاح ہیں اور بطور امتحان انسان کی سرشت میں رکھی گئی ہیں، تاکہ وہ ان کی اصلاح کر کے ایک اچھا انسان بن کر دکھائے کہ جس سے اسے اس دنیا میں بھی خوشگوار زندگی اور حیات طیبہ نصیب ہوگی اور اس کی آخرت بھی سنور جائے گی۔

اور اگر یہ صفات مذمومۃ انسان کے اندر جوں کی توں رہیں، ان کی اصلاح کی کوشش نہ کی جائے، بلکہ اس کی ضرورت ہی محسوس نہ کی جائے تو کیا سمجھتے ہیں کہ پھر معاشرے میں مسائل پیدا نہیں ہوں گے؛ یقیناً ہوں گے، بلکہ مزید برآں جب ان اخلاق رذیلہ اور صفات مذمومہ کو تقویت دی جائے، انہیں برانگیختہ کیا جائے، ان کی حوصلہ افزائی کی جائے، ان کی پشت پناہی کی جائے، انہیں اک آرٹ بنا کر پیش کیا جائے تو ذرا تصور کریں کہ معاشرے کا منظر کیا ہوگا!

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اب غور کریں کہ جس معاشرے میں فتنوں کے دور کی علامات ظاہر ہونے لگیں، جہاں رویبضہ یعنی گھٹیا اور کمینے لوگ امور عامہ پر گفتگو کرنے لگیں، جہاں "دُعَاةٌ عَلٰی أَبْوَابِ جَهَنَّمَ" لوگ جہنم کے دروازوں پر کھڑے اس کی طرف بلا رہے ہوں، جہاں میڈیا مغرب کا آلۂ کار بنا ہوا ہو اور لوگوں کو گمراہ کر رہا ہو، جہاں دین کا سرعام مذاق اڑایا جا رہا ہو، جہاں حمد اور نعت بھی انڈین گانوں کی طرز پر گائے جا رہے ہوں، جہاں سیاسی جلسوں اور محفلوں میں ناچ اور گانوں کا اہتمام کیا جا رہا ہو، جہاں والدین اپنی بچیوں کو ناچنے کے لیے جلسوں میں بھیج رہے ہوں اور کچھ دوسرے ان کو دامے درمے سخنے سپورٹ کر رہے ہوں۔ جہاں کوئی اشتہار عورت کی تصویر کے بغیر مکمل نہ ہوتا ہو، جہاں ٹی وی پروگراموں میں بے حیائی کی کھلم کھلا ترغیب دی جا رہی ہو، جہاں موبائل فونز کمپنیوں کے پیکج رات بھر فری سروس مہیا کر کے نوجوان نسل کو تباہ و برباد کر رہے ہوں جہاں ضرورت کی ہر چیز دن بدن مہنگی مگر موبائل فونز، کیبل، ڈش اور انٹرنیٹ سروس کی قیمتیں کم ہو رہی ہوں، جہاں اپنے اقتدار کو طول دینے کے لیے عوام کو بے وقوف بنایا جا رہا ہو، یا اقتدار کے حصول کے لیے عوام کو بے وقوف بنانے کی کوششیں دن رات جاری ہوں، جہاں دین کے دعویدار سرعام گندی گالیاں بک رہے ہوں، جہاں دھرنوں سے شہریوں کی زندگی اجیرن کر دی گئی ہو، جہاں طاقتور لوگ قانون نافذ کرنے والے اداروں کے ہاتھ سے مجرموں کو چھڑا لے جاتے ہوں، جہاں حکومت وقت کو مفلوج کر دیا جاتا ہو، جہاں حکمران نااہل ہوں اور جہاں عدالتوں سے انصاف نہ مل رہا ہو، جہاں گواہ، وکیل اور قاضی برائے فروخت دستیاب ہوں، جہاں طاقتور ادارے انصاف کی راہ میں حائل ہوں اور اپنی مرضی مسلط کرنا چاہتے ہوں اور میڈیا ان کا ہمنوا بن جائے، وہاں امن وامان کیسے پیدا ہو سکتا ہے اور جرائم پر کیسے قابو پایا جا سکتا ہے۔

بات ہو رہی تھی معاشرے کے مسائل کے اسباب و وجوہات کی، تو ہم نے جانا کہ معاشرے کے مسائل کے اجتماعی طور پر ہم خود ذمہ دار ہیں، کہ اپنی فطری کمزوریوں کی اصلاح کر کے جہاں ہمیں اچھے انسان بننا تھا وہاں اس کے برعکس ہم نے اپنی خامیوں، کوتاہیوں اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بری صفات سے خوب خوب کام لیا اور جی بھر کر استفادہ کیا اور مسائل کا ملبہ حکومت پر ڈال دیا۔ جان لیجیے کہ افراد اور معاشرے کی کامیابی اصلاح نفس کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝﴾ (الشمس : ۹، ۱۰)

''یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور ناکام و نامراد ہوا وہ جس نے اس کو دبا دیا اور خاک میں ملا دیا۔''

کامیابی دنیا کی ہو یا آخرت کی، کامیابی صرف اور صرف اصلاح نفس میں مضمر ہے اور ہم جو مسائل کے حل کے لیے، اصلاح معاشرہ کے لیے اغیار کے نظام کی طرف دیکھتے ہیں تو یہ ہماری اسلام سے ناواقفی کی دلیل ہے۔

اغیار نے جو معاشرے کے مسائل کو اک مصنوعی طریقے سے حل کرنے کی کوشش کی ہے، جس میں انہیں ایک جزوی کامیابی ضرور ہوئی ہے، سرویلینس کے نظام کے تحت، ٹیکنالوجی کی مدد سے اور پولیس کی کثرت سے، تو یہ ایک مصنوعی اور عارضی طریقہ ہے اور یہ طریقہ مکمل طور پر مسائل کا خاتمہ ہرگز نہیں کرسکتا۔

میرا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ ان وسائل کو بروئے کار نہیں لانا چاہیے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایسا نظام جو جامع اور مکمل نظام ہے، جس میں ان وسائل پر کم سے کم انحصار کر کے زیادہ سے زیادہ کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے بلکہ تمام مطلوبہ نتائج حاصل کیے جا سکتے ہیں، وہ صرف اور صرف اسلام کے پاس ہے۔

ایک ایسا نظام کہ جہاں کسی شخص سے بتقاضائے بشریت اگر کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو وہ خود کو بڑی سے بڑی سزا کے لیے پیش کر دیتا ہے، یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس سزا میں شرمندگی بھی ہے، اذیت بھی ہے اور موت بھی ہے۔

کیا دنیا میں اسلام کے سوا کوئی ایسا نظام ہے جو معاشرے کے مسائل کو اس طرح حل کر سکتا ہو؟ یقیناً نہیں ہے۔

افسوس کہ ہم مسلمان ہونے کا دعویٰ تو کرتے ہیں مگر ایک اسلامی ریاست کے مسائل کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

غیر اسلامی طریقوں سے حل کرنا چاہتے ہیں، ناچ اور گانے کے ذریعے حل کرنا چاہتے ہیں اور ایسے افراد کے ذریعے حل کرنا چاہتے ہیں جو سر عام اسلام کی مخالفت کرتے ہوئے اسلام کا مذاق اڑاتے ہیں۔

مگر جان لو کہ معاشرے کی اصلاح، جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا تھا صرف اور صرف اسی طریقے پر چل کر ہو سکتی ہے جس پر قرنِ اول کے لوگوں کی اصلاح ہوئی تھی۔

((لَنْ يَصْلُحَ آخِرُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ إِلَّا بِمَا صَلَحَ بِهِ أَوَّلُهَا .))

اقتضاء الصراط المستقیم لابن تیمیة ج۲، ص ۲۳۷ .

''اس امت کے آخری دور کی اصلاح صرف اسی طریقے پر چل کر ہو سکتی ہے جس پر پہلے دور کی اصلاح ہوئی تھی۔''

اور وہ طریقہ کیا تھا؟ قرآن اور حدیث، اللہ کی کتاب اور نبی کریم ﷺ کی سنت۔

اور اس بات کو آپ ﷺ نے خطبۂ حجۃ الوداع میں دوٹوک اور واشگاف الفاظ میں، دین کے خلاصے کے طور پر بھی بیان فرما دیا ہے۔

فرمایا:

((أَيُّهَا النَّاسُ! إِسْمَعُوْا قَوْلِيْ ، فَإِنِّي لَا أَدْرِيْ ، لَعَلِّيْ لَا أَلْقَاكُمْ بَعْدَ عَامِيْ هَذَا بِهَذَا الْمَوْقِفِ أَبَدًا))

''لوگو! میری بات کو غور سے سنو! مجھے معلوم نہیں! شاید کہ میں اس سال کے بعد، اس مقام پر تم سے پھر کبھی نہ مل سکوں۔''

اس کے بعد پھر چند باتیں ارشاد فرمائیں اور آخر میں پھر فرمایا:

((فَاعْقِلُوْا أَيُّهَا النَّاسُ))

''لوگو اچھی طرح سمجھ لو۔''

((وَاسْمَعُوْا قَوْلِيْ))

''اور میری بات کو غور سے سنو!''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((فَإِنِّيْ قَدْ بَلَّغْتُ))

''کہ میں نے پیغام پہنچا دیا ہے۔''

((وَقَدْ تَرَكْتُ فِيْكُمْ مَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهُ إِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ كِتَابَ اللّٰهِ .)) (مسلم : ۱۲۱۸)

''اور تم میں ایک ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر اسے مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو اس کے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے اور وہ ہے اللہ کی کتاب۔''

اتنا واضح پیغام، اتنا واضح حل!

مگر افسوس کہ آج مسلمانوں کو کیا ہو گیا ہے، مسائل کا حل کہاں ڈھونڈ رہے ہیں، جو بھی آتا ہے، ڈگڈگی بجاتا ہے، لوگ اس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں۔

کوئی آتا ہے اور روٹی کپڑا اور مکان کا نعرہ لگاتا ہے، لوگ اس کے پیچھے چل پڑتے ہیں، کوئی دوسرا آتا ہے اور ایک نیا نعرہ لے کر آتا ہے، لوگ اس کے گرویدہ ہو جاتے ہیں۔

سب کے دعووں میں انہیں امید کی کرن نظر آتی ہے، اور اگر نہیں آتی تو اسلام کی بات میں نہیں آتی۔

دین بے زار لوگوں کی باتیں اور ان کے دعوے انہیں سچے اور اچھے لگتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ کا یہ دعویٰ اور اس کا احسان سمجھ میں نہیں آتا کہ:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾ (المائدہ : ۳)

''آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت کو تم پر تمام کر دیا ہے اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے پسند کر لیا ہے۔''

جب اللہ تعالیٰ دین کو جو کہ نظام زندگی ہے، مکمل کر دینے کا اعلان کرتے ہیں تو کیا پھر بھی اس میں کسی کمی کا شک وشبہ رہ جاتا ہے۔ اسلام کے کامل اور مکمل نظام زندگی ہونے کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مطلب یہ ہے کہ اس میں زندگی کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جو انسان کو درپیش ہو اور اسلام میں اس کا حل موجود نہ ہو، بالخصوص جب اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ:

﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ (النساء: ۵۹)

''اگر تمہارے درمیان کسی معاملے میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو اگر تم واقعی اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔''

یعنی اسلام زندگی کے تمام معاملات میں تمام مسائل کا حل پیش کرتا ہے اور سچا مسلمان اس پر ایمان رکھتا ہے اور ایمان رکھنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایمان تو ہے کہ اسلام مکمل نظام زندگی ہے مگر ہمیں مغرب کا نظام چاہیے۔

معاشرے کے مسائل کا ذکر ہو رہا تھا اور ان کے اسباب اور علاج جاننے کی کوشش کر رہے تھے، ہمارے مسلم معاشروں میں بے شمار مسائل میں سے جو سب سے بڑا مسئلہ ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان اسلام کے مکمل نظام ہونے کا پختہ یقین نہیں رکھتے۔ اس کے اسباب جاننے کی کوشش کریں گے ان شاء اللہ۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسلام کے مکمل نظام زندگی ہونے کا اعلان ایک سچے مسلمان کے لیے خوشی اور سعادت کا اعلان ہے اور کوئی مسلمان انفرادی طور پر یا بحیثیت امت مجموعی طور پر اس عقیدے پر پختہ یقین کے بغیر ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰه رب العالمين

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آداب واحکامِ جمعۃ المبارک

﴿يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝﴾ (الجمعه : ۹)

یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا ہی مہربان ہے، بالخصوص مسلمانوں پر اور پھر ان میں سے بھی خصوصی طور پر متقی اور پرہیزگار بندوں پر، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝﴾ (الاعراف : ۵۶)

''یقیناً اللہ تعالیٰ کی رحمت احسان کرنے والے لوگوں سے قریب ہے۔''

اور لفظ احسان ایک اسلامی شرعی اصطلاح ہے جو دو معنوں میں استعمال ہوتی ہے، ایک سے مراد عبادت کی سب سے اعلیٰ ترین کیفیت ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، مشہور حدیث ہے اور حدیثِ جبریل کے نام سے مشہور ہے، جس میں حضرت جبریل علیہ السلام آپ ﷺ سے چند باتیں دریافت کرتے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ:

((فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْاِحْسَانِ))

''مجھے احسان کے بارے میں بتلایئے!''

((قَالَ: أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ))

(مسلم : ۹۳)

''فرمایا: احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی اس کیفیت کے ساتھ عبادت کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر یہ کیفیت پیدا نہ کرسکو تو پھر یہ ہو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔''

عبادت میں یہ کیفیت پیدا کر لینا ہمارے جیسے دنیا دار لوگوں کے لیے یقیناً زندگی کا ایک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مشکل ترین کام ہے۔ یہ کیفیت ہمیں حاصل کیوں نہیں ہے اور کیونکر حاصل کی جا سکتی ہے، یہ ان شاء اللہ پھر کسی خطبے میں جاننے کی کوشش کریں گے۔

تو احسان کا ایک معنی یہ ہے کہ جو ابھی ہم نے جانا اور دوسرا معنی ہے احسان الی الخلق۔ مخلوقات کے ساتھ احسان کرنا، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَأَحْسِنُوا ۛ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝١٩٥﴾ (البقرہ: ١٩٥)

''اور احسان کرو، اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

اور مخلوقات کے ساتھ احسان کی بہت سی صورتیں ہیں، اس میں حسن سلوک بھی ہے، اس میں کسی کی غم خواری بھی ہے، تیمار داری بھی ہے، اس میں کسی کے ساتھ خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آنا بھی ہے، کسی کا مالی اور اخلاقی تعاون بھی ہے، کسی کا بوجھ اٹھانا اور ہاتھ بٹانا بھی ہے، کسی کی جائز کام میں سفارش بھی ہے، کسی کو کھانا کھلانا اور تنگی اور پریشانی دور کرنا بھی ہے، کسی کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا اور کسی کو علم نافع کی تعلیم دینا بھی ہے۔

تو مخلوقات کے ساتھ احسان کی یقیناً بہت سی صورتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں احسان کی کسی شکل کو مخصوص نہیں فرمایا۔

تو بات یہ ہو رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اور اس کی رحمت احسان کرنے والوں کے قریب ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عنایتوں، اس کی مہربانیوں اور رحمتوں کا یقیناً احاطہ نہیں کیا جا سکتا کہ:

﴿وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا ۗ﴾ (النحل: ١٨)

''اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو گن نہ پاؤ گے۔''

تاہم اللہ تعالیٰ کی اس کے مسلمان بندوں پر بے شمار اور ان گنت نعمتوں میں سے آج ایک بہت بڑی نعمت کا ذکر کرنا چاہیں گے اور وہ ہے نعمتِ جمعۃ المبارک۔

اللہ تعالیٰ کا عبادت کے لیے، وعظ ونصیحت کے لیے، تذکیر و موعظت کے لیے جمعۃ المبارک کا دن مقرر فرمانا اہل ایمان پر ایک بہت بڑا انعام اور احسان ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو آیئے اس مبارک دن کی فضیلت، اس کی قدر و منزلت اور اس کے فوائد وثمرات، اس کا اجر وثواب اور بعض آداب واحکام جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

سب سے پہلے تو اس کی اہمیت سمجھتے ہیں اور وہ امید ہے آپ اس سے واقف ہی ہوں گے، قرآن پاک کی یہ آیت کریمہ آپ نے بار ہا مرتبہ سن رکھی ہوگی، جس میں اللہ فرماتے ہیں:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴾ (الجمعه : ۹)

''اے ایمان والو! جب نماز کے لیے پکارا جائے جمعہ کے دن تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ و اور خرید وفروخت چھوڑ دو، یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اگر تم جانو۔''

اس آیت کریمہ سے یوں تو متعدد مسائل مستنبط ہوتے ہیں، مگر اہمیت کے حوالے سے جو احکام ہمیں معلوم ہوئے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ جمعے کے لیے دوڑو، اگرچہ دوڑنے کے یہاں لفظی معنی مراد نہیں ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اسے پانے کے لیے جلدی کرو اس کا اہتمام کرو اور ایسی سنجیدہ کوشش کرو جیسے آدمی کوئی موقعہ غنیمت ہاتھ سے چھوٹ جانے کے اندیشے سے دوڑ دھوپ کرتا ہے، ہاتھ پاؤں مارتا اور جلدی کرتا ہے اور اپنے دوسرے تمام کام پسِ پشت ڈال دیتا ہے۔

اسی طرح اس آیت کریمہ میں خطبۂ جمعہ کی اہمیت کے حوالے سے ایک یہ بات بھی ہے کہ خطبۂ جمعہ کو اللہ کا ذکر قرار دیا گیا ہے۔

﴿ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ ﴾ (الجمعه : ۹)

''اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو۔''

اگرچہ نماز بھی اللہ کا ذکر ہے، مگر دوسری نمازوں کی طرف آنے کا حکم دیتے ہوئے یہ انداز اختیار نہیں کیا گیا، تاہم یہاں ذکر سے نماز بھی اگر مراد ہو تو خطبہ بھی اس میں شامل ہوگا۔

تیسری بات اس آیت کریمہ میں جمعے کی اہمیت کے حوالے سے یہ ہے کہ جمعے کے وقت ہر قسم کی خرید وفروخت سے منع کر دیا گیا ہے،

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

﴿وَذَرُوا الْبَيْعَ﴾ (الجمعه : ۹)

''اور خرید وفروخت چھوڑ دو۔''

اور تمام علماء امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جمعے کی اذان کے بعد ہر قسم کی خرید و فروخت حرام ہے الا یہ کہ کوئی انسان کی انتہائی اشد ضرورت سے متعلق ہو، جیسا کہ کوئی انسان انتہائی شدید پیاسا ہو کہ جان کا خطرہ لاحق ہو جائے اور پانی خریدنا پڑ رہا ہو، یا وہ نماز کی مصلحت کے لیے ہو، جیسا کہ وضوء کے لیے پانی خریدنا پڑ رہا ہو، وغیرہ۔

اب آیئے احادیث کی روشنی میں جمعے کی اہمیت جانتے ہیں، حدیث میں ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

((قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَضَلَّ اللّٰهُ عَنِ الْجُمُعَةِ مَنْ كَانَ قَبْلَنَا))

''آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہم سے پہلی قوموں کو جمعے سے بھٹکا دیا۔''

((فَكَانَ لِلْيَهُودِ يَوْمُ السَّبْتِ وَكَانَ لِلنَّصَارٰى يَوْمُ الْأَحَدِ))

''پس یہودیوں کے لیے ہفتہ ہوا اور عیسائیوں کے لیے اتوار۔''

((فَجَآءَ اللّٰهُ بِنَا فَهَدَانَا اللّٰهُ لِيَوْمِ الْجُمُعَةِ))

''پھر اللہ تعالیٰ ہمیں لایا اور ہمیں جمعے کی رہنمائی بخشی۔''

((فَجَعَلَ الْجُمُعَةَ وَالسَّبْتَ وَالْأَحَدَ))

''پس اللہ نے جمعہ، ہفتہ اور اتوار بنائے، یعنی دنوں کی یہ ترتیب رکھی۔''

((وَكَذٰلِكَ هُمْ تَبَعٌ لَنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ))

''ایسے ہی وہ قیامت کے دن بھی ہمارے پیچھے ہوں گے، ہمارے بعد میں ہوں گے۔''

((نَحْنُ الْآخِرُونَ مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا وَالْأَوَّلُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))

''ہم دنیا میں سب سے آخر میں آنے والی قوم ہیں اور قیامت کے دن سب سے پہلے ہوں گے۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((الْمَقْضِيُّ لَهُمْ قَبْلَ الْخَلَائِقِ)) (مسلم : ٨٥٦)

''مخلوقات میں سے سب سے پہلے جن کا فیصلہ اور حساب کتاب ہوگا۔''

اس حدیث میں موجود چند باتیں ہوسکتا ہے کسی کے لیے تشریح طلب ہوں اس لیے ان کی مختصر سی وضاحت جانتے ہیں۔

آپ ﷺ کا یہ فرمان کہ اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے حوالے سے ہم سے پہلی قوموں کو بھٹکا دیا، اس سے ممکن ہے کہ کسی کے ذہن میں اشکال پیدا ہو کہ جب اللہ تعالیٰ خود ہی کسی کو گمراہ کر دے تو پھر وہ شخص گمراہی کا قصوروار کیسے ٹھہرایا جا سکتا ہے!

یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہدایت دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی گمراہ کرتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ کے کسی کو گمراہ کرنے کا معنی یہ ہے کہ جو شخص گمراہی کے راستے پر چلتا ہے اللہ تعالیٰ وہ راستہ اس کے لیے آسان کر دیتا ہے، اس راستے پر اس کو چلا دیتا ہے، اسے اس راستے کی توفیق دے دیتا ہے۔

جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى﴾ (النساء : ١١٥)

''جو جدھر پھر گیا ہے ہم اسے ادھر ہی پھیر دیتے ہیں۔''

یعنی اللہ تعالیٰ زبردستی کسی کو ہدایت نہیں دیتا۔

اسی طرح ایک جگہ یہودیوں کے بارے میں فرمایا:

﴿فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۭ﴾ (الصف : ٥)

''پھر جب انہوں نے ٹیڑھ اختیار کی تو اللہ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے۔''

تو انسان کا دل، اس کا نفس جس طرح کی خواہشات رکھتا ہے، انسان جس راستے پر چلنے کی عملی کوشش کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے وہ راستے کھول دیتا ہے۔

لہٰذا اپنے نفس کے شر سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے، ہمیں اس بات کی تعلیم دی گئی ہے اور آپ ﷺ اس کی ترغیب دیتے ہوئے ہر خطبے میں ارشاد فرمایا کرتے تھے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا))

(ابن ماجة : ١٥٤٧)

''ہم اپنے نفسوں کے شر سے اور برے اعمال سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔''

اور ایسے ہی آپ ﷺ نے ہمیں یہ دعاء بھی سکھلائی ہے کہ:

((أَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ أَرْجُوْ فَلَا تَكِلْنِيْ إِلَى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَأَصْلِحْ لِيْ شَأْنِيْ كُلَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ)) (ابن حبان : ٩٧٠)

''اے اللہ! میں تیری رحمت کا امیدوار ہوں، پس مجھے پلک جھپکنے کے برابر بھی میرے نفس کے حوالے نہ کرنا اور میرے تمام معاملات سنوار دینا۔''

اس موضوع پر ہمیں مزید بہت کچھ جاننے کی ضرورت ہے، مگر چونکہ یہ ہمارا آج کا موضوع نہیں ہے، اس لیے اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

تو حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے پہلی قوموں کو جمعے کا دن عبادت کے لیے اختیار کرنے کی ہدایت سے محروم رکھا تو وہ کچھ یوں ہے، جیسا کہ تفسیر السیوطی میں آیت: ﴿إِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ﴾ (النحل : ١٢٤) کی تفسیر میں مشہور مفسر اور تابعی اسماعیل السُّدّی رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھا ہے، بیان کرتے ہیں کہ:

((إِنَّ اللّٰهَ فَرَضَ عَلَى الْيَهُوْدِ الْجُمُعَةَ فَأَبَوْا))

''اللہ تعالیٰ نے یہودیوں پر جمعہ فرض کیا تو انہوں نے انکار کر دیا۔''

((وَقَالُوْا: يَا مُوْسٰى! إِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَخْلُقْ يَوْمَ السَّبْتِ شَيْئًا فَاجْعَلْهُ لَنَا ، فَلَمَّا جَعَلَ عَلَيْهِمُ السَّبْتَ اِسْتَحَلُّوْا فِيْهِ مَا حُرِّمَ عَلَيْهِمْ))

''تو انہوں نے کہا: اے موسیٰ اللہ تعالیٰ نے ہفتے کے روز کوئی مخلوق پیدا نہیں فرمائی لہٰذا ہفتے کا دن ہمارے لیے مقرر فرما دیجیے، چنانچہ جب ان پر ہفتے کا دن مقرر کر دیا گیا تو انہوں نے اس دن میں ان پر حرام کردہ چیزوں کو حلال قرار دے لیا۔''

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

اسی طرح عیسائیوں نے اتوار کو اپنے اس عقیدے کے مطابق کہ عیسیٰ علیہ السلام قتل کیے جانے کے تین دن بعد جب زندہ ہوئے اور قبر سے اٹھے تو وہ اتوار کا دن تھا، اس سے پہلے وہ بھی ہفتے کا دن ہی مناتے تھے۔

البتہ مسلمانوں کے جمعہ کا دن عبادت کے لیے مختص کرنے کا قصہ کچھ یوں ہے، حدیث میں ہے، امام ابن سیرین رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

((جَمَّعَ أَهْلُ الْمَدِيْنَةِ قَبْلَ أَنْ يَقْدَمَ النَّبِيُّ ﷺ وَقَبْلَ أَنْ تَنْزِلَ الْجُمُعَةُ))

''اہل مدینہ نے آپ ﷺ کی مدینہ منورہ تشریف آوری اور جمعہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے مشاورت کے لیے لوگوں کو جمع کیا۔''

((فَقَالَتِ الْأَنْصَارُ: إِنَّ لِلْيَهُوْدِ يَوْمًا يَجْتَمِعُوْنَ فِيْهِ كُلَّ سَبْعَةِ أَيَّامٍ وَلِلنَّصَارٰى كَذٰلِكَ))

''انصار کہنے لگے یہودیوں کے لیے ہر سات دن میں ایک دن عبادت کے لیے مختص ہے کہ جس میں وہ اکٹھے ہوتے ہیں اور ایسے ہی عیسائیوں کے لیے بھی۔''

((فَهَلُمَّ فَلْنَجْعَلْ يَوْمًا نَجْتَمِعُ فِيْهِ، فَنَذْكُرُ اللّٰهَ تَعَالٰى وَنُصَلِّيْ وَنَشْكُرُهُ))

''تو آئیں ہم بھی اکٹھے ہونے کے لیے ایک دن مقرر کرتے ہیں، جس میں ہم اللہ کا ذکر کریں، نماز پڑھیں اور اللہ کا شکر ادا کیا کریں۔''

((فَجَعَلُوْهُ يَوْمَ الْعَرُوْبَةِ))

''تو انہوں نے عَروبۃ کا دن مقرر کرلیا۔''

اسلام سے پہلے جمعہ کا نام عَروبۃ تھا جیسے مدینہ منورہ کا یثرب تھا۔

((وَاجْتَمَعُوْا إِلَى أَسْعَدِ بْنِ زُرَارَةَ فَصَلّٰى بِهِمْ يَوْمَئِذٍ))

(تفسير القرطبي : سورة الجمعة : ٩)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

”تو لوگ اسعد بن زُرارۃ کے پاس جمع ہوئے اور انہوں نے لوگوں کو اس دن نماز پڑھائی۔“

یہ تو تھیں جمعے کی اہمیت کے حوالے سے چند باتیں اگر چہ اس میں کچھ مزید تفصیل بھی ہے، تاہم اب اس کی فضیلت، احکام اور آداب کے بارے میں چند باتیں اختصار کے ساتھ جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((فِيهَا سَاعَةٌ لَا يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي يَسْأَلُ اللّٰهَ شَيْئًا إِلَّا أَعْطَاهُ اللّٰهُ)) (بخاري : ٩٣٥)

”جمعے کے دن میں ایک گھڑی ہے کہ جو کوئی مسلمان اس گھڑی کو پالے اور نماز کی حالت میں قیام کے دوران اللہ تعالیٰ سے جو کچھ مانگے اللہ تعالیٰ اسے دے دیتا ہے۔“

اور ایسے ہی حدیث میں ہے کہ:

((إِذَا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ كَانَ عَلٰى كُلِّ بَابٍ مِنْ أَبْوَابِ الْمَسْجِدِ مَلَائِكَةٌ يَكْتُبُونَ الْأَوَّلَ فَالْأَوَّلَ فَإِذَا جَلَسَ الْإِمَامُ طَوَوُا الصُّحُفَ وَجَاؤُوا يَسْتَمِعُونَ الذِّكْرَ)) (مسلم : ٢٢١١)

”جب جمعے کا دن ہوتا ہے تو مسجد کے ہر دروازے پر فرشتے پہلے آنے والوں کے نام لکھ رہے ہوتے ہیں، پھر جب امام منبر پر بیٹھ جاتا ہے تو فرشتے بھی اپنے صحیفے لپیٹ کر ذکر سننے کے لیے آکر بیٹھ جاتے ہیں۔“

اور حدیث میں ہے:

((خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ فِيهِ خُلِقَ آدَمُ وَفِيهِ أُدْخِلَ الْجَنَّةَ وَفِيهِ أُخْرِجَ مِنْهَا وَلَا تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ)) (مسلم : ٨٥٤)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

”سب سے بہترین دن کہ جس میں سورج طلوع ہوتا ہے وہ جمعے کا دن ہے، اس میں آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی، اسی میں جنت میں داخل کیے گئے، اسی دن میں انہیں جنت سے نکالا گیا، اور اسی دن میں قیامت قائم ہوگی۔“

اور ایک حدیث میں ہے:

((مَنْ تَكَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَهُوَ كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا، وَالَّذِي يَقُولُ أَنْصِتْ لَيْسَتْ لَهُ جُمُعَةٌ.))

(بلوغ المرام: ٣٧٤)

”جو شخص جمعہ کے وقت بات کرے، جبکہ امام خطبہ دے رہا ہو تو وہ اس گدھے کی طرح ہے جس پر بوجھ لادا گیا ہو اور جو شخص کسی کو خاموش ہونے کے لیے کہے تو اس کا جمعہ نہیں ہوتا۔“

مگر افسوس کہ جمعے کی اس قدر فضیلت اور تاکید وترغیب کے باوجود لوگ اس کا اہتمام نہیں کرتے، اس کے آداب کا لحاظ نہیں کرتے اور اس سے مستفید ہونے کی کوشش نہیں کرتے، حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اس کی قدر نہیں جانی، اور یہ بے قدری کسی ایک شعبے میں نہیں، بلکہ مجموعی طور پر پورے دین کے حوالے سے ہے۔

تن ہمہ داغ داغ شد

پنبہ کجا کجا نہم

پورا بدن ہی داغ داغ ہے، روئی کہاں کہاں رکھوں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی سمجھ عطا فرمائے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نصیحت و موعظت کے لیے خطبۂ جمعہ کا انتظام

اللہ تعالیٰ کا انعام

﴿قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (یونس : ۵۷)

اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں پر یقیناً بے شمار اور ان گنت انعامات و احسانات ہیں اور ان میں سے سب سے بڑا انعام نعمتِ ہدایت ہے اور وہ ایسی بڑی نعمت ہے کہ دنیا کی دیگر تمام نعمتیں مل کر بھی اس ایک نعمت کے برابر نہیں ہو سکتیں۔

لیکن شاید ہم میں سے اکثر لوگ اس کا ادراک اور احساس نہیں رکھتے، اس کی قدر و قیمت نہیں جانتے، اگر اس نعمت کی قدر و قیمت جاننا ہو تو مذاہب عالم کا مطالعہ کر کے دیکھیں، ان کے ماننے والوں کا طرز عبادت اور طرز زندگی جان کر دیکھیں، کوئی پتھروں کو پوج رہا ہے، کوئی درختوں کی عبادت کر رہا ہے، کوئی جانوروں کے سامنے سر جھکائے بیٹھا ہے اور کوئی قبروں پر سجدہ ریز ہے، اور اپنے طرز زندگی میں، زندگی کے ہر شعبے سے حیا کو نکال باہر پھینکا ہے۔

انسان جو اشرف المخلوقات تھا وہ ادنی المخلوقات بن بیٹھا ہے، اس نے خواہشات کو اپنا الٰہ بنا لیا، دنیا کی کشش کے سامنے ڈھیر ہو گیا، عارضی لذتوں کے عوض اپنی آخرت کو بیچ ڈالا، اس لیے کہ وہ نعمت ہدایت کی قدر و قیمت سے واقف نہیں ہے اور اس لیے کہ یہ نعمت اسے وراثت میں ملی ہے، ورنہ اس کے برعکس ان لوگوں کی اس وقت کی کیفیت کو دیکھیں جب وہ تلاش بسیار اور محنت شاقہ اور تحقیق و جستجو کے بعد اس حقیقت تک پہنچتے ہیں تو اسے پا کر وہ کس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طرح خوشی سے آبدیدہ ہو جاتے ہیں، خوشی کے جذبات ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی صورت میں موتیوں کی طرح ٹپکنے لگتے ہیں، اس لیے کہ وہ اس نعمت کی قدر و قیمت کو جان چکے ہوتے ہیں چنانچہ وہ اس نعمت کو پا کر اس کی لذت سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور ان کے نفوس سکون و اطمینان سے ہمکنار ہوتے ہیں اور اس سے محظوظ ہوتے ہیں۔ اللہ کا شکر اور احسان ہے کہ اس نے ہمیں اس نعمت عظمیٰ سے نوازا اور یقیناً یہ سراسر اسی کا انعام واحسان ہے کہ اس نے ہمیں نعمت اسلام کی ہدایت بخشی،

﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۫ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْ لَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ﴾

(الاعراف : ٤٣)

’’تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں کہ جس نے ہمیں ہدایت بخشی، ہم خود راہ پا نہ سکتے تھے اگر وہ ہماری راہنمائی نہ کرتا۔‘‘

اور حدیث قدسی ہے، اللہ فرماتے ہیں:

((يَا عِبَادِيْ كُلُّكُمْ ضَالٌّ اِلَّا مَنْ هَدَيْتُهُ فَاسْتَهْدُونِيْ اَهْدِكُمْ))

(مسلم : ٢٥٧٧)

’’اے میرے بندو تم سب کے سب راہ سے بھٹکے ہوئے ہو، سوائے اس کے جسے میں ہدایت بخشوں، پس مجھ سے ہدایت مانگو، میں تمہیں ہدایت دوں گا۔‘‘

تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی اس ہدایت پر، نعمت اسلام پر دل کی گہرائیوں سے اس کا شکر بجا لاتے ہیں۔

نعمت اسلام یقیناً سب سے بڑی نعمت ہے، جسے حاصل ہو گئی، جسے کلمۂ طیبہ کے اقرار کی توفیق مل گئی، وہ انجام کار اور نتیجتاً کامیاب ہو گیا، البتہ اصلی، حقیقی اور مکمل کامیابی کے لیے مزید بہت کچھ درکار ہے اور حقیقی کامیابی یہ ہے کہ انسان جہنم سے بچا کر جنت میں داخل کیا جائے۔ جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ﴾ (آل عمران : ١٨٥)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

''جو شخص آگ سے ہٹا دیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا، وہ یقیناً کامیاب ہو گیا۔''

اور ایک دوسری جگہ فرمایا:

﴿قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿١٥﴾ مَنْ یُّصْرَفْ عَنْهُ یَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِیْنُ ﴿١٦﴾﴾ (الانعام: ١٥، ١٦)

''کہو! اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو ڈرتا ہوں کہ ایک بڑے خوفناک دن مجھے عذاب بھگتنا پڑے گا، اس دن جو سزا اور عذاب سے بچ گیا اس پر اللہ نے بڑا ہی رحم کیا اور یہی نمایاں کامیابی ہے۔''

تو کلمہ طیبہ کا دل اور زبان سے، قلب ولسان سے اقرار و اعتراف اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ انسان انجام کار جنت میں ضرور جائے گا، لیکن عزت کے ساتھ، بے خوف وخطر، شرمندگی اور ندامت کا سامنا کیے بغیر، قبر اور جہنم کے عذاب سے اور قیامت کے دن کی گھبراہٹ اور دیگر ہولناکیوں سے بچتے ہوئے جنت میں جانے کی ضمانت نہیں ہے، اس کے لیے اور بہت سے اوامر کی ادائیگی اور بہت سے نواہی سے اجتناب مطلوب ہے، بہت سے اعمال صالحہ، بہت سی محنت، مشقت اور بہت سے صبر کی ضرورت ہے، اللہ کے فضل کے بعد۔

لہٰذا ضروری ہے کہ ہم اس بات کی فکر کریں کہ ہمیں بغیر کسی پریشانی، تکلیف اور ندامت کے سیدھا جنت میں جانا ہے نہ کہ شرمندگی اور ندامت اٹھا کر، عذاب قبر اور عذاب جہنم بھگت کر جنت میں جانا ہے۔

یاد رہے کہ کوئی آدمی کسی گناہ کے ساتھ جنت میں نہیں جا سکتا۔ جنت میں جانے سے پہلے ہر ایک گناہ کی، چھوٹے سے چھوٹے گناہ کی تطہیر ضروری ہے، اس سے پاک ہونا ضروری ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((یَخْلُصُ الْمُؤْمِنُونَ مِنَ النَّارِ فَیُحْبَسُونَ عَلَی قَنْطَرَةٍ بَیْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ))

''مسلمان جب آگ سے بچ جائیں گے تو جنت اور جہنم کے درمیان ایک پل پر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

روک لیے جائیں گے۔"

یہ پل جنت اور جہنم کے درمیان ہوگا اور اس سے پہلے ایک پل جسے الصراط کہا جاتا ہے، جو پل صراط کے نام سے مشہور ہے، اس پر سے گزرنے والے مسلمانوں میں سے جو خیریت سے وہ پل عبور کرلیں گے، تو انہیں اس پل پر روک لیا جائے گا۔

((فَيُقَصُّ لِبَعْضِهِمْ مِنْ بَعْضٍ مَظَالِمُ كَانَتْ بَيْنَهُمْ فِي الدُّنْيَا))

"تو ان کے درمیان آپس میں ایک دوسرے پر ظلم وزیادتی جو اس دنیا میں ہوئی ہوگی، اس کا ایک دوسرے کو بدلہ دلوایا جائے گا۔"

((حَتَّى إِذَا هُذِّبُوا وَنُقُّوا أُذِنَ لَهُمْ فِي دُخُولِ الْجَنَّةِ))

(بخاری : ٦٥٣٥)

"حتی کہ جب وہ پاک صاف اور ٹھیک ٹھاک ہو جائیں گے تو انہیں جنت میں جانے کی اجازت دے دی جائے گی۔"

اور کوئی شخص گناہوں سے پاک صاف کس طرح ہوتا ہے، اس کے چند اسباب اور طریقے ہیں، جن میں سے کچھ دنیا میں ہیں اور کچھ آخرت میں، اختصار کے ساتھ ان کا ذکر کرتے ہیں۔

دنیا میں گناہوں سے پاک صاف کرنے والے چند امور یہ ہیں:

- ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ انسان سچے دل سے توبہ واستغفار کرے۔
- دوسرے یہ کہ زیادہ سے زیادہ نیکیاں کرے، کہ نیکی گناہ کو مٹا دیتی ہے۔
- تیسرے یہ کہ تکلیفوں، مصیبتوں، پریشانیوں اور بیماریوں سے گناہ جھڑتے ہیں۔
- اور چوتھے یہ کہ انسان جب فوت ہوجاتا ہے تو اس کی نماز جنازہ میں مانگی جانے والی دعاؤں سے اس کی بخشش ہوتی ہے اور گناہ معاف ہوتے ہیں۔
- اور پھر دنیا اور آخرت کے درمیانی وقفے، یعنی عالم برزخ کے عرصے میں فوت شدہ شخص کے لیے مانگی جانے والی دعائیں گناہوں کی معافی اور رفع درجات کا باعث ہوتے ہیں، اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے اپنے ہاتھ سے کیا ہوا صدقہ جاریہ کا ثواب اس کو ملتا ہے، جس سے نیکیوں میں مستقل اضافہ ہوتا رہتا ہے جبکہ گناہ رک گئے ہوتے ہیں، الا یہ کہ کسی نے گناہ جاریہ کرر کھا ہو، کہ کسی کو بے حیائی، برائی اور ناچ گانے پر لگا دیا ہو، یا کسی بدعت اور شرک پر لگایا ہو، تو اس کا گناہ اس کو ملتا رہتا ہے۔

❁ اور پھر اسے قبر میں پیش آنے والی سزا، خوف، وحشت اور قبر کا بھینچنا گناہوں کی معافی کا سبب بنتا ہے۔

❁ اسی طرح قیامت کے دن کچھ امور گناہوں کی معافی کا سبب بنتے ہیں، جن میں سے ایک قیامت کے دن کی گھبراہٹ، سختی اور شدت اور ہولناکیاں گناہوں کی معافی کا سبب بنتی ہیں۔ پھر آپ ﷺ کی شفاعت اور سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی رحمت۔

لیکن اس سلسلے کی سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس سب کے باوجود مسلمانوں کی اک کثیر تعداد جہنم میں جائے گی۔ اعاذنا اللّٰہ منہا

مگر صدق دل سے کلمۂ شہادت کا اقرار و اعتراف کرنے والے بالآخر جہنم سے نکال لیے جائیں گے، آپ ﷺ اور اہل ایمان کی شفاعت سے اور اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت سے اور کچھ اپنی سزا بھگت کر۔

تاہم جب مکمل طور پر پاک ہو جائیں گے تو انہیں جنت میں جانے کی اجازت دے دی جائے گی۔

جب جہنم میں جانے والوں کا ذکر ہوتا ہے، تو بہت سے لوگ شاید یہ سوچ کر اپنے آپ کو مطمئن کر لیتے ہوں گے کہ ان کا نام شاید اس فہرست میں نہیں ہوگا، کیونکہ وہ نمازی ہیں جبکہ نہ جانے کتنے ہی نمازی جہنم میں جائیں گے اور نہ صرف نمازی بلکہ دوسروں کو نمازوں کی طرف بلانے والے بھی کئی لوگ وہاں ہوں گے جیسا کہ احادیث میں ہے۔

ایک حدیث میں کسی نمازی کے جہنم میں جانے کا ذکر کچھ یوں ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا:

((حَتَّى إِذَا فَرَغَ اللَّهُ مِنَ الْقَضَاءِ بَيْنَ عِبَادِهِ))

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''جب اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلے کرنے سے فارغ ہو جائے گا۔''

((وَأَرَادَ أَنْ يُخْرِجَ بِرَحْمَتِهِ مَنْ أَرَادَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ أَمَرَ الْمَلَائِكَةَ أَنْ يُخْرِجُوا مِنَ النَّارِ مَنْ كَانَ لَا يُشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئًا مِمَّنْ أَرَادَ اللَّهُ أَنْ يَرْحَمَهُ مِمَّنْ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ))

''اور اپنی رحمت کے ساتھ جہنم والوں میں سے جس کو جہنم سے نکالنا چاہے گا تو فرشتوں کو حکم دے گا کہ وہ ہر اس کلمہ گو کو آگ سے نکال لیں جس نے کسی قسم کا شرک نہ کیا ہو۔''

((فَيَعْرِفُونَهُمْ فِي النَّارِ))

''تو وہ جہنم میں اُن کو پہچان لیں گے۔''

((يَعْرِفُونَهُمْ بِأَثَرِ السُّجُودِ))

''وہ انہیں سجدوں کے نشانات سے پہچانیں گے۔''

((تَأْكُلُ النَّارُ ابْنَ آدَمَ إِلَّا أَثَرَ السُّجُودِ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَى النَّارِ أَنْ تَأْكُلَ أَثَرَ السُّجُودِ)) (مسلم : ۱۸۲)

''آگ آدمی کے جسم کا ہر حصہ جلا دے گی سوائے سجدوں کے نشانات کے کہ اللہ تعالیٰ نے آگ پر حرام کر رکھا ہے کہ وہ سجدوں کے نشانات کی جگہ کو کھائے۔''

تو نمازی لوگ جہنم میں ہوں گے، اس لیے اس سے دھوکہ مت کھانا اور اس خوش فہمی میں نہ رہنا کہ چونکہ ہم نماز پڑھ لیتے ہیں تو اب بس خیر ہی خیر ہے اور اس غلط فہمی میں نہ رہنا کہ آدمی نماز پڑھ لے تو اس کے لیے باقی سب کچھ جائز ہو جاتا ہے۔

بسا اوقات کوئی ایسی بات کہ جسے آدمی معمولی سمجھ رہا ہوتا ہے وہ اس قدر سنگین جرم اور گناہ کی بات ہوتی ہے کہ جہنم میں مسلسل ستر سال گرتے رہنے کے برابر سنگین ہوتی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ (صحیح الترغیب : ۲۸۷۵) لہٰذا جہنم سے بچنے کی فکر کرنی چاہیے۔

اور اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں پر بے شمار انعامات میں سے ایک انعام یہ بھی ہے کہ اللہ

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

تعالیٰ نے مسلمانوں کے دل ودماغ میں اس سوچ اور فکر کو تازہ بتازہ رکھنے کے لیے، یاددہانی اور نصیحت وموعظت کے لیے اہتمام فرمایا ہے اور خطبہ جمعہ کی صورت میں موقع فراہم فرمایا ہے، کیونکہ انسان کی فطری کمزوریوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ بھول جاتا ہے، دنیا کے کاموں میں مشغول ہو کر دین سے تھوڑا دور ہو جاتا ہے، ایمان کمزور ہو جاتا ہے اور تذکیر و یاددہانی سے فائدہ ہوتا ہے کہ وہ پھر دین کی طرف لوٹ آتا ہے، اپنی اصلاح کر لیتا ہے اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے سات روز کا وقفہ مقرر فرمایا کہ ہر سات روز بعد یاددہانی اور وعظ ونصیحت کا انتظام فرما دیا۔

ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے اس انعام واحسان کی قدر کریں، اسے غنیمت جانیں اور اس کا شکر ادا کریں کہ اس نے ہمیں یہ موقع عنایت فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے جو آداب مقرر فرمائے ہیں ان کا لحاظ کریں، اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ جس کا گذشتہ جمعے میں بھی ذکر ہوا کہ جو خطبۂ جمعہ کے دوران میں بات کرتا ہے اس کا جمعہ نہیں ہوتا۔

اور اگر کوئی شخص خطبۂ جمعہ کی قدر نہیں جاننا چاہتا، اپنے جمعہ ہونے نہ ہونے کی اسے پرواہ نہیں ہے تو کم ازکم دوسروں پر مہربانی فرمائے اور ان کے لیے تشویش اور بدمزگی کا باعث نہ بنے، ان کے خطبۂ جمعہ سے استفادے کی راہ میں رکاوٹ نہ بنے۔

خطبۂ جمعہ اللہ تعالیٰ کا مسلمانوں پر یقیناً بہت بڑا انعام واحسان ہے۔ خوش قسمت ہیں وہ جو اللہ تعالیٰ کے اس انعام کی قدر کرتے ہیں اور اس پر اس کا شکر بجا لاتے ہیں اور اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے اپنی اصلاح کی کوشش کرتے ہیں، اس کے برعکس کچھ دوسرے لوگ بھی ہیں کہ جو اس وعظ ونصیحت کو اپنی عزت اور انا کا مسئلہ بنا لیتے ہیں ان پر دین کی باتیں گراں گزرتی ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ خطبے میں صرف وہ باتیں ہوں جو ان کو پسند ہیں، ان میں کسی بیماری کی نشاندہی نہ کی جائے، نیکی اور گناہ کا فرق نہ بتایا جائے، صحیح اور غلط میں تمیز نہ کی جائے۔

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ﴾ (البقرہ: ۲۰۶)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈر، تو اپنے وقار کا خیال اس کو گناہ پر جما دیتا ہے۔''

وہ اسے اپنی توہین سمجھتا ہے کہ کوئی اسے بتلائے کہ یہ گناہ کا کام ہے اور وہ کہتا ہے کہ میری محفل میں تو کسی کو بات کرنے کی ہمت نہیں ہوتی۔

استغفر اللہ! یہ تکبر کی علامات میں سے ہے۔

اور تکبر کے بارے میں احادیث میں بڑی وعید آئی ہے، ایک حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ))

''جس کے دل میں ذرہ برابر تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔''

((قَالَ رَجُلٌ إِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ أَنْ يَكُونَ ثَوْبُهُ حَسَنًا وَنَعْلُهُ حَسَنَةً))

''ایک شخص نے عرض کیا کہ آدمی پسند کرتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں، اس کے جوتے اچھے ہوں۔''

((قَالَ إِنَّ اللَّهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ الْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ)) (مسلم: ٢١٢)

''تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے، تکبر حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔''

کسی کا قادر الکلام ہونا اگر دنیا کے لیے ہو اور وہ آدمی اس پر اترائے تو یہ اس کے لیے بہت بڑی آزمائش اور فتنہ ہوگا اور ایسے شخص کی قرآن پاک میں مذمت کی گئی ہے، اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝﴾ (البقرہ: ٢٠٤)

''انسانوں میں کوئی تو ایسا ہے، جس کی باتیں دنیا کی زندگی میں تمہیں بھلی معلوم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوتی ہیں اور اپنی نیک نیتی پر وہ بار بار اللہ کو گواہ بناتا ہے، جب کہ وہ بدترین جھگڑالو ہے۔"

تاہم قرآن و حدیث کی باتیں مزاج پر ناگوار گزرنا، دل کی بیماری کی انتہائی خطرناک صورت حال کی نشاندہی کرتی ہے، بروقت اس کے علاج کی طرف توجہ نہ دی جائے تو ایسے دل کو روحانی طور پر مردہ قرار دیا جانا کچھ دور کی بات نہیں ہے، نصیحت کے ساتھ دل کا جھک جانا نہایت ہی خوش بختی کی علامت ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک شخص اپنے کسی کام سے خلیفہ ہارون الرشید کے پاس سال بھر چکر لگاتا رہا، مگر ہارون رشید نے توجہ نہ دی، بالآخر وہ شخص ایک روز ہارون الرشید کے راستے میں کھڑا ہوگیا جونہی ہارون الرشید گھر سے نکلے تو اس شخص نے کہا:

"إِتَّقِ اللّٰهَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِيْنَ!"

"اے امیر المؤمنین! اللہ سے ڈرو!"

ہارون رشید سواری سے اترے اور سجدے میں گر گئے، اس شخص نے وجہ پوچھی، تو کہا: کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ایسے شخص کی مذمت کی ہے کہ جسے جب کہا جائے کہ اللہ سے ڈر تو وہ اسے اپنی انا اور عزت کا مسئلہ بنالے، تو میں ڈر گیا کہ کہیں میں بھی اس کی طرح نہ ہوجاؤں، اس لیے سجدہ کیا۔ (زهرة التفاسير، سورة البقرة : ٢٠٦)

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دنیا کی کشش اور طالب دنیا

﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ﴾

(الاسراء : ۱۸)

یہ دنیا بہت پرکشش ہے، نہایت خوبصورت ہے، آرزوؤں، تمناؤں اور چاہتوں کا گھر ہے، چاہنے والوں کے دلوں کی دھڑکن ہے، لوگ اس کے حصول کے لیے جان بھی قربان کرنے کو تیار ہوتے ہیں، اسے پانے کے لیے زندگی بھر مشغول، مضطرب اور بے چین و بے قرار رہتے ہیں، اس کی محبت میں لوگوں سے حسد کرتے، بلکہ چھینا جھپٹی کرتے ہیں، لوٹ مار کرتے ہیں، لڑائی جھگڑا کرتے ہیں، سازشیں کرتے ہیں، کریڈٹ کارڈ فراڈ کرتے ہیں، سودی معاملات کرتے ہیں، اس پر اتراتے ہیں، حتی کہ اس دنیا کے لیے دوسروں کو قتل بھی کرتے ہیں، غرضیکہ اس دنیا کو آخری حد تک چاہتے ہیں،

﴿وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝۸﴾ (العادیات : ۸)

''انسان اس دنیا کی محبت میں بہت ہی سخت واقع ہوا ہے۔''

مگر حقیقت یہ ہے کہ انسان اگرچہ اس دنیا کی اصلیت اور اس کی حقیقت سے خوب واقف ہے کہ یہ دنیا عارضی اور فانی ہے، بے وفا ہے، اپنے چاہنے والوں کی قدر نہیں کرتی، ان سے وفا نہیں کرتی، اپنی ساری زندگی اس کے لیے وقف کر دینے والوں سے بھی وفا نہیں کرتی، ان کے فوت ہوتے ہی آنکھیں پھیر لیتی ہے اور دوسروں کی ہو جاتی ہے، قبر میں ان کے ساتھ نہیں جاتی، حشر میں ان کے ساتھ کھڑی نہیں ہوگی، مگر وہ پھر بھی اس کی بھول بھلیوں میں کھویا ہوا ہے، اسی دلدل میں پھنسا ہوا ہے، اس کی رونقوں اور رعنائیوں میں مگن ہے، اس کی لذتوں میں مدہوش ہے، اس کے حسن و جمال کا گرویدہ اور دیوانہ ہے، اس کی نعمتوں کی لطف

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اندوزی سے سرشار ہے۔

دنیا کے حوالے سے انسان کی یہ حالتیں اور کیفیتیں، یہ تعلقات اور یہ نسبتیں اک حقیقت ہے جس کا مشاہدہ ہم میں سے ہر ایک شخص زندگی میں بار ہا بار کرتا ہے اور یقیناً ان حالتوں اور نسبتوں کے کچھ طبعی اور منطقی نتائج ہوتے ہیں جن کا انکار اور جن سے اجتناب نہیں کیا جا سکتا۔

دنیا کے ساتھ انسان کے اس طرح کے تعلق اور وابستگی کے یقیناً کچھ فطری اور منطقی نتائج ہوتے ہیں اور ہر تعلق اور وابستگی کا، ہر معصیت اور گناہ کا انسان کی زندگی پر اک خاص اثر ہوتا ہے، ہر گناہ کے اک خاص اثر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہر گناہ کی اک خاص قسم کی سزا ہوتی ہے، جو کہ اس عمل کی جنس سے ہی ہوتی ہے، جیسا کہ قاعدہ ہے کہ:

"الجزاء من جنس العمل"

"جیسا عمل ہوگا، اسی قسم کی سزا ہوگی۔"

اور جیسا کہ محاورہ ہے، جیسا کرو گے ویسا بھرو گے، یعنی جس قسم کا عمل ہوگا اسی قسم کی جزا یا سزا ہوگی اور قرآن وحدیث میں اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔

جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ۝﴾ (الرحمن : ٦٠)

"نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے۔"

﴿اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ﴾ (محمد : ٧)

"اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا۔"

﴿فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ﴾ (البقرہ : ١٥٢)

"تم مجھے یاد رکھو میں تمہیں یاد رکھوں گا۔"

﴿وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ﴾ (آل عمران : ٥٤)

"وہ چالیں چلتے ہیں اور جواب میں اللہ بھی چالیں چلتا ہے۔"

اور اللہ تعالیٰ چالوں میں یعنی خفیہ تدبیروں میں سب سے بڑھ کر ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ﴾ (المجادله : ۱۱)

''اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ اپنی مجلسوں میں کشادگی پیدا کرو تو جگہ کشادہ کر دیا کرو، اللہ تمہیں کشادگی بخشے گا۔''

تو اس طرح کی اور بہت سی آیات ہیں، اسی طرح احادیث میں بھی اس کی بہت سی مثالیں ہیں، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ))

(مسلم : ٢٦٩٩)

''جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی، اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔''

((وَمَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللّٰهُ فِي حَاجَتِهِ))

(بخاري : ٦٩٥١)

''جو کسی بھائی کے کاموں میں لگے گا، اللہ تعالیٰ اس کے کاموں میں لگ جائے گا۔''

((وَمَنْ يَسَّرَ عَلَى مُعْسِرٍ فِي الدُّنْيَا يَسَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ)) (ترمذي : ١٩٣٠)

''جو کسی تنگدست کے لیے دنیا میں آسانی پیدا کرے گا، اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کے لیے آسانیاں پیدا کر دے گا۔''

اور اس طرح کی مزید بہت سی احادیث ہیں۔

تو کہنے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کے ساتھ قلبی لگاؤ کے اور بالخصوص شدید قلبی لگاؤ کے انسان کی زندگی پر کچھ یقینی اور مخصوص اثرات مرتب ہوتے ہیں اور مخصوص نقصانات ہوتے ہیں۔

دنیا کی محبت کے بہت سے نقصانات میں سے ایک بہت واضح، مرکزی اور بنیادی نقصان یہ ہوتا ہے کہ وہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی محبت سے پھیر دیتی ہے، غافل کر دیتی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور دنیا سے شدید محبت کے درجات و مراتب کے لحاظ سے نقصانات بڑھتے جاتے ہیں اور سزائیں سنگین ہوتی جاتی ہیں۔

مثلاً جس انسان کا دنیا کے ساتھ لگاؤ ایسا شدید ہو جائے کہ اس کی زندگی کا صرف ایک ہی مقصد ہو، صرف ایک ہی چیز کی فکر لاحق ہو کہ ڈالرز، ڈالرز اور ڈالرز تو اس بات کا اس کی زندگی پر کیا اثر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے لیے کیا سزا مقرر فرماتا ہے! حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ كَانَتِ الدُّنْيَا هَمَّهُ، فَرَّقَ اللّٰهُ عَلَيْهِ أَمْرَهُ وَجعلَ فَقْرَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ، وَلَمْ يَأْتِهِ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا مَا كُتِبَ لَهُ)) (ابن ماجة: ٤١٠٥)

''جس شخص کا انتہائی اہتمام اور فکر دنیا کا حصول ہو (فرّق اللّٰه عليه امره) اللہ تعالیٰ اس کے دنیا کے معاملات کو بکھیر دیتا ہے، منتشر اور پراگندہ کر دیتا ہے۔''

((وجعل فقره بين عينيه))

''اور اللہ تعالیٰ فقر و فاقہ اور غربت و افلاس اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کر دیتا ہے۔''

آپ جانتے ہیں کہ آدمی جب کسی چیز پر فوکس کرتا ہے تو اپنی دونوں آنکھوں کی نظریں اس پر جما دیتا ہے، آدمی کی پیشانی سکڑ جاتی ہے اور اس سے پریشانی جھلکنے لگتی ہے۔

((ولم يأته من الدنيا الا ما كُتب له))

اور اس کے تمام تر اہتمام، جدوجہد اور سعی و کشش اور فکرمندی کے باوجود دنیا اس کو صرف اتنی ہی ملتی ہے جتنی کہ اس کے لیے لکھی جا چکی ہوتی ہے، اس کے مقدر میں ہوتی ہے۔

اور ادھر دوسری طرف جس کا مطمحِ نظر، زندگی کا مقصد اور فکرمندی کا مرکز و محور آخرت کا حصول ہو:

((مَنْ كَانَتِ الْآخِرَةُ هَمَّهُ جَعَلَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى غِنَاهُ فِي قَلْبِهِ))

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''جس کی ساری فکر مندی آخرت کا حصول ہو تو اللہ تعالیٰ تونگری اس کے دل میں ڈال دیتا ہے۔''

((وجَمَعَ لَهُ شَمْلَه))

''اس کے بکھرے ہوئے معاملات کی شیرازہ بندی کر دیتا ہے۔''

((وَأَتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ)) (ترمذي : ٢٤٦٥)

''اور دنیا اس کے پاس ذلیل وحقیر ہو کر آتی ہے۔''

یعنی وہ دنیا کو اہمیت نہیں دیتا اور دنیا اس کے پیچھے پیچھے پھر رہی ہوتی ہے۔

کیونکہ حقیقی مالدار ہونا مال و دولت سے نہیں بلکہ دل کی تونگری سے ہوتا ہے اور وہ اسے حاصل ہوتی ہے، کیونکہ دولت کو اس نے اپنا سب سے بڑا مسئلہ بنایا ہی نہیں، اس کے جانے سے دل نہیں ڈرتا، جان نہیں جاتی، بلکہ تقدیر پر ایمان اور مضبوط ہو جاتا ہے۔

اور پھر اسے بشارت اور خوشخبری پر بھی ایمان اور یقین حاصل ہوتا ہے، جو اللہ تعالیٰ نے حدیث قدسی میں دے رکھی ہے، جس میں فرمایا:

((يَا ابْنَ آدَمَ تَفَرَّغْ لِعِبَادَتِيْ أَمْلَأْ صَدْرَكَ غِنًى وَاَسُدَّ فَقْرَكَ))

''اے ابن آدم! میری عبادت کے لیے فراغت نکال، میں تیرے سینے کو تونگری سے بھر دوں گا اور تمہارے غربت وافلاس کو روک دوں گا۔''

((وَإِنْ لَا تَفْعَلْ مَلَأْتُ يَدَكَ شُغْلًا وَلَمْ اَسُدَّ فَقْرَكَ))

(ترمذي : ٢٤٦٦)

''اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو میں تیرے ہاتھوں کو کاموں میں الجھا دوں گا اور تیری غربت اور محتاجی کو ختم نہ کروں گا۔''

اب یہاں اس حدیث قدسی میں عبادت کے لیے فارغ وقت نکالنے کا حکم اور اس پر انعامات کا ذکر کیا گیا ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا یہاں فرض نمازوں کے لیے فارغ وقت نکالنے کا حکم اور اس کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ترغیب دی جا رہی ہے؟ یقیناً نہیں، کیونکہ وہ تو ہر حال میں ادا کرنی ہی کرنی ہیں، آپ صحت مند اور تندرست ہوں یا بیمار ہوں، دنیا کے کاموں میں مشغول ہوں یا دین کے کاموں میں مشغول ہوں، حتی کہ میدان جنگ میں بھی مصروف ہوں اس کے لیے تو تب بھی وقت نکالنا ہی نکالنا ہے، یہاں تو اضافی وقت کی بات ہو رہی ہے، خصوصی ملاقات کے لیے وقت نکالنے کی بات ہو رہی ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ بڑے لوگوں اور بادشاہوں کا ایک عام لوگوں سے ملاقات کا وقت مقرر ہوتا ہے اور باقی اوقات میں صرف خاص خاص لوگ حاضر ہوتے ہیں اور یہاں ان خاص اوقات کے لیے خاص لوگوں کی حاضری کی بات ہو رہی ہے۔

اب آیئے ہم اپنے بارے میں جانیں کہ ہم کہاں کھڑے ہیں اور ہمارا شمار کن لوگوں میں ہوتا ہے: ہم میں سے یقیناً کچھ ایسے ہوں گے کہ جو دنیا کے تو اس قدر حریص ہیں کہ دن میں اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے کام کرتے ہیں اور ساتھ ہی کہتے ہیں کہ وہ چوبیس گھنٹے کام کے لیے دستیاب ہیں، ان کے پاس اپنی بیوی کے لیے وقت ہے اور نہ معصوم بچوں کے لیے وقت ہے، نہ بہن بھائیوں کے لیے وقت ہے اور نہ ماں باپ کے لیے وقت ہے، نہ اپنے آرام کے لیے وقت ہے، اور نہ بھولا ہوا قرآن یاد کرنے کے لیے وقت ہے اور اس کے باوجود روتے رہتے ہیں کہ بس بڑی مشکل سے گزارہ ہی ہوتا ہے اور ان کے چہرے سے غربت و افلاس اور بے چارگی ٹپکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وعید حرف بحرف ان پر صادق آتی محسوس ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسی بدبختی سے محفوظ فرمائے۔

اور یقیناً ہم میں سے کچھ ایسے بھی ہوں گے کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے صحت و تندرستی عطا کر رکھی ہے، فارغ البالی بھی میسر ہے، کسی قسم کی ذمہ داری اور پریشانی بھی نہیں ہے، مگر سارا سارا دن سو کر یا ٹی وی کے سامنے بیٹھ کر گزرا دیتے ہیں، انہیں ذکر و اذکار کی توفیق نہیں ہوتی، قرآن اور حدیث پڑھنے کی توفیق نہیں ہوتی، تفسیر پڑھنے کی توفیق نہیں ہوتی، وقت کی قدر نہیں جانتے، نیکی کا احساس نہیں رکھتے اور شاید نہیں جانتے کہ قیامت کے دن وقت کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حساب ہونا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہمیں یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ ہمارے ساتھ ایسا کیوں ہوتا ہے اور اس کا حل کیا ہے۔

ہمارے ساتھ ایسا اس لیے ہوتا ہے جیسا کہ گفتگو کے آغاز میں ذکر ہوا کہ انسان دنیا کی کشش میں کھویا ہوا ہے، سر تا پا اس میں غرق ہے، شیطان اور نفس مسلسل برائی کی طرف آمادہ کرنے میں مصروف ہیں، فتنوں کا دور ہے، برا ماحول دستیاب ہے، گویا کہ ہر طرف سے گھرے ہوئے ہیں اور کوئی مخلص، کوئی ہمدرد اور کوئی رہنما نہیں ہے جو اتنا ہی بتا دے کہ ہماری بے راہ روی کا سبب کیا ہے اور اس کا انجام کیا ہوگا۔

پہلے تو بدنصیبی سمجھئے کہ ایسے لوگ اس دور میں چیدہ چیدہ نظر آتے ہیں، اور دوسری بات یہ ہے کہ ان کی آواز پر کوئی کان دھرنے کو تیار نہیں ہوتا، کیونکہ نقار خانے میں طوطی کی آواز کوئی نہیں سن پاتا، یعنی جہاں ہر طرف ڈھول بج رہے ہوں، جہاں شور شرابا ہو، گہما گہمی ہو، وہاں طوطی کی نحیف اور کمزور آواز پر کان کون دھرتا ہے۔

اور جو لوگ اس آواز کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، وہ ایک تو اس لحاظ سے خوش قسمت ٹھہرے کہ ان کی ہدایت و راہنمائی کا اللہ تعالیٰ نے جو بندوبست فرمایا ہے، شاید ان کی کوئی نیکی قبول ہوگئی ہو یا دل میں ہدایت و رہنمائی کی خواہش رنگ لائی ہو، ورنہ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ ایک قاعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو زبردستی ہدایت نہیں دیتا۔

﴿وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا﴾ (السجدہ : ۱۳)

''اگر ہم چاہتے تو ہم پہلے ہی ہر شخص کو اس کی ہدایت دے دیتے۔''

مگر چونکہ امتحان مطلوب ہے، اس لیے ہر ایک کو مکمل آزادی اور اختیار دے رکھا ہے۔

﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ (الکھف : ۲۹)

''جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔''

البتہ ایک بنیادی رہنمائی ہر ایک کو دے رکھی ہے، صحیح اور غلط کی پہچان، اچھے اور برے کی تمیز سب کو دے رکھی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿ إِنَّا هَدَيْنَٰهُ ٱلسَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا ﴿٣﴾ ﴾ (الدھر : ۳)

”ہم نے اسے راستہ دکھایا، خواہ وہ شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا۔“

اور پھر سب کو مواقع بھی بہم میسر فرمائے۔

﴿ كُلًّا نُّمِدُّ هَٰٓؤُلَآءِ وَهَٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۚ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا ﴿٢٠﴾ ﴾

(الاسراء : ۲۰)

”ان کو بھی اور ان کو بھی، ہم دونوں کو دنیا میں تیرے رب کا عطیہ دے رہے ہیں، تیرے رب کی عطا کو کوئی روکنے والا نہیں ہے۔“

اب آپ کی طلب، آپ کی چاہت، آپ کی خواہش اور آپ کی کوشش پر منحصر ہے کہ آپ دنیا چاہتے ہیں یا آخرت۔

﴿ مَّن كَانَ يُرِيدُ ٱلْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُۥ فِيهَا مَا نَشَآءُ لِمَن نُّرِيدُ ﴾ (الاسراء : ۱۸)

”جو کوئی اس دنیا کا خواہش مند ہو، ہم یہاں جس قدر جس کے لیے چاہتے ہیں دیتے ہیں۔“

﴿ وَمَنْ أَرَادَ ٱلْءَاخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُو۟لَٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُم مَّشْكُورًا ﴿١٩﴾ ﴾ (الاسراء : ۱۹)

”اور جو آخرت کا خواہش مند ہو اور اس کے لیے سعی کرے، جیسی کہ اس کے لیے سعی کرنی چاہیے اور وہ مؤمن بھی ہو تو ایسے ہر شخص کی سعی و کوشش کی قدر دانی ہوگی۔“

اور اگر تم خواہش نہیں کرو گے، اس کے لیے کوشش نہیں کرو گے، اس سے ہدایت نہیں مانگو گے تو اسے تمہاری کوئی پرواہ نہیں۔

﴿ قُلْ مَا يَعْبَؤُا۟ بِكُمْ رَبِّى لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ ۖ ﴾ (الفرقان : ۷۷)

”کہہ دیجیے کہ اگر تم اس کو نہ پکارو گے تو اسے تمہاری کیا ضرورت ہے۔“

اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دنیا کی کشش ایک بہت بڑی آزمائش

﴿ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿١٤﴾ ﴾ (آل عمران : ١٤)

گذشتہ جمعے دنیا کی کشش کا ذکر ہو رہا تھا اور دنیا کی کشش ایسی شدید کشش ہے کہ وہ ہر انسان کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے، کوئی چھوٹا ہو یا بڑا، مرد ہو یا عورت، عالم ہو یا جاہل، نیک ہو یا بد، کسی بھی طبقے سے اس کا تعلق ہو، وہ اسے کسی نہ کسی سطح پر اپنی طرف مائل ضرور کر لیتی ہے یا تو وہ اسے بس صرف خوشنما ہی معلوم ہوتی ہے، یا اس سے بڑھ کر اس کے دل میں دنیا کے حصول کی خواہش اور چاہت پیدا ہو جاتی ہے، یا وہ اس حد تک اسے چاہنے لگتا ہے کہ اس کا گرویدہ ہو جاتا ہے اور جنون کی حد تک چاہنے لگتا ہے یا وہ چاہت کی تمام حدیں عبور کرتے ہوئے آخری منزل پر جا بیٹھتا ہے اور وہ یہ کہ وہ دنیا کا غلام بن جاتا ہے۔

تاہم دنیا کی کشش اک حقیقت ہے، اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ہر چیز کو پر کشش بنایا ہے، دنیا کی زینت بنایا ہے، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴿٧﴾ ﴾

(الکہف : ۷)

”ہم نے زمین کی ہر چیز کو، تمام سرو سامان دنیا کو زمین کی زینت بنایا ہے، تاکہ ان لوگوں کو آزمائیں، ان میں کون بہتر عمل کرتا ہے۔“

زینت کا مطلب ہی اس کا پر کشش ہونا ہے اور کسی چیز کو مزین اس لیے کیا جاتا ہے تاکہ وہ اچھی لگے، خوشنما معلوم ہو، دیکھنے والے کی نظروں کو بھائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دنیا

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

کو اپنے بندوں کے لیے خوبصورت اور پرکشش بنایا ہے۔

البتہ دنیا کی کشش اور زینت سے محظوظ و مستفید ہونے کے کچھ اصول وضوابط اور آداب بھی مقرر فرمائے ہیں۔

دنیا کی کشش کے حوالے سے گفتگو تو اک الگ اور مستقل موضوع ہے، تفصیل کے ساتھ اس پر ان شاء اللہ پھر کسی وقت بات ہوگی، اس وقت دنیا کی کشش سے متأثر ہونے کے نقصانات کا مختصر سا جائزہ لیتے ہیں اور اس سے بچنے کے طریقے جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

دنیا کی کشش سے متأثر ہونے کے نقصانات جاننے کے حوالے سے یہ بات یقین کے ساتھ جان لینی چاہیے کہ دنیا کی کشش میں کھو جانے کی نسبت سے آدمی کا ایمان کمزور ہوتا ہے اور دین سے دوری پیدا ہوتی ہے۔

غزوۂ تبوک کے موقعے پر جب اللہ کی راہ میں نکلنے کا حکم ہوا، تو چند لوگ بوجوہ پیچھے رہ گئے، جن میں سے ایک بنیادی سبب یہ تھا کہ پھلوں کا موسم تھا، پھل پک چکے تھے، تو سوچا گیا کہ چلو جلدی جلدی اس کو سمیٹ کر جہاد میں شریک ہو جائیں گے۔ جہاد سے انکار نہیں تھا، پیچھے رہنے کی نیت نہیں تھی، مگر چونکہ پیچھے رہ جانے کا سبب دنیا ہی تھی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ ٱنفِرُوا۟ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ ٱثَّاقَلْتُمْ إِلَى ٱلْأَرْضِ ۚ ﴾ (التوبة : ٣٨)

''اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا ہے، جب تم سے اللہ کی راہ میں نکلنے کے لیے کہا گیا تو تم زمین سے چمٹ کر رہ گئے۔''

﴿ أَرَضِيتُم بِٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا مِنَ ٱلْءَاخِرَةِ ۚ ﴾ (التوبه : ٣٨)

''کیا تم نے آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو پسند کر لیا ہے۔''

﴿ فَمَا مَتَٰعُ ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا فِى ٱلْءَاخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ﴿٣٨﴾ ﴾ (التوبه : ٣٨)

''دنیا کی زندگی کا یہ سب سروسامان آخرت کے مقابلے میں بہت تھوڑا ہے۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اب اندازہ کریں! جب اتنی سی بات کو زمین کے ساتھ چمٹ کے رہ جانے اور آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو اختیار کر لینے کے الفاظ سے سرزنش کی گئی ہے تو ہمارا طرز عمل، آخرت کے مقابلے میں دنیا کے ساتھ ہمارا تعلق کیا قرار پائے گا!

یوں تو دنیا کی ہر چیز میں انسان کے لیے کشش ہے، مگر ان میں سب سے زیادہ، سب سے نمایاں اور خصوصی طور پر جن پر کشش چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے، ان میں سے مال اور اولاد خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اولاد میں انسان کے لیے کتنی شدید کشش پائی جاتی ہے، شاید ہی دنیا میں کوئی ایسا سنگدل انسان ہو جو اس کا انکار کر سکے، ورنہ ہر انسان اس حقیقت کو تسلیم کرتا ہے اور اچھی طرح سمجھتا ہے۔

﴿ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ﴾ (الکھف : ٤٦)

"یہ مال اور اولاد دنیا کی زندگی کی زینت ہے۔"

تو دل میں اولاد کے لیے کشش اور محبت ہونا شرعاً معیوب ومحظور نہیں ہے اور اس پر کوئی قدغن نہیں لگایا گیا کہ یہ ایک فطری کشش ہے، مگر اس ضمن میں انسان کو اک تنبیہ ضرور کی گئی ہے کہ:

﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ ﴾ (الانفال : ٢٨)

"یاد رکھو! یقیناً تمہارے مال اور تمہاری اولادیں تمہارے لیے آزمائش اور فتنہ ہیں۔"

اولاد فتنہ اور آزمائش کب بنتی ہے جب ان کی محبت آپ کو ان کے ناجائز مطالبات منوانے پر مجبور کر دے، جب ان کا ہر غلط کام بھی آپ کو اچھا لگنے لگے، جب آپ ان کے ہر غلط کام کا دفاع کرنے لگیں، جب آپ ان کی دنیا کی ضرورتیں تو تمام پوری کرتے ہوں مگر دینی تربیت نہ کریں، جب آپ ان کو سکول اور کالج کے لیے اور جاب پر جانے کے لیے تو جگاتے ہوں مگر نماز کے لیے جگاتے ہوئے آپ کو تکلیف ہو کہ ان کی نیند خراب ہو جائے گی، تو وہ آپ کے لیے آزمائش ہوگی اور آپ اس کے دشمن ہوں گے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وہ انسان جس کو اپنی اولاد کی آخرت کی فکر نہ ہو وہ یقیناً اپنی اولاد کا دشمن ہے، بھلے وہ اپنے تئیں اس کو محبت ہی سمجھتا ہو۔ماں باپ کو، بالخصوص باپ کو اپنی اولاد کی آخرت کی فکر نہ ہو اور وہ اولاد کی محبت کا دم بھرتا ہو، بہت بڑی غلط فہمی اور بہت بڑے دھوکے میں ہے۔

اپنی اولاد کے لیے مخلص، ہمدرد، مہربان اور محبت کرنے والا باپ کس طرح سوچتا ہے اوراس کی آخرت کے لیے کس طرح فکرمند ہوتا ہے اس کی ایک جھلک ملاحظہ کیجیے۔

آپ ﷺ جب معراج پر تشریف لے گئے تو آسمان دنیا پر آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، سلام دعاء ہوئی، آدم علیہ السلام نے دعائیں دیں، آپ ﷺ نے آدم علیہ السلام کو یوں بیٹھے ہوئے دیکھا کہ ان کے دائیں اور بائیں جانب ان کی اولاد کی روحیں تھیں، جیسا کہ حدیث میں ہے۔

((عَلَى يَمِينِهِ أَسْوِدَةٌ وَعَلَى يَسَارِهِ أَسْوِدَةٌ))

''ان کے دائیں جانب سیاہ ہیولے تھے اور بائیں جانب سیاہ ہیولے۔''

لوگوں کی اک کثیر تعداد کو جب دور سے دیکھا جائے تو صرف سر ہی سر نظر آتے ہیں۔ تو کچھ اس مفہوم میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام کے دائیں اور بائیں جانب سیاہ ڈھانچے تھے۔

((إِذَا نَظَرَ قِبَلَ يَمِينِهِ ضَحِكَ وَإِذَا نَظَرَ قِبَلَ يَسَارِهِ بَكَى))

''آدم علیہ السلام جب اپنے دائیں جانب دیکھتے تو مسکراتے اور جب بائیں جانب دیکھتے تو روتے۔''

((فَقَالَ مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالِابْنِ الصَّالِحِ))

''انہوں نے آپ ﷺ کو دیکھ کر فرمایا: صالح نبی اور صالح بیٹے کو مرحبا اور خوش آمدید ہو۔''

((قُلْتُ لِجِبْرِيلَ مَنْ هَذَا))

''آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون ہیں؟''

((قَالَ هَذَا آدَمُ))

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''تو انھوں نے بتلایا، یہ آدم ہیں، علیہ السلام''

((وَهٰذِهِ الْأَسْوِدَةُ عَنْ يَمِينِهِ وَشِمَالِهِ نَسَمُ بَنِيهِ))

''اوران کے دائیں اور بائیں یہ سیاہ ہیولے ان کی اولاد کی روحیں ہیں۔''

((فَأَهْلُ الْيَمِينِ مِنْهُمْ أَهْلُ الْجَنَّةِ))

''ان کے دائیں جانب والے جنت والے ہیں۔''

((وَالْأَسْوِدَةُ الَّتِي عَنْ شِمَالِهِ أَهْلُ النَّارِ))

''اوران کے بائیں جانب والے، جہنم والے ہیں۔''

((فَإِذَا نَظَرَ عَنْ يَمِينِهِ ضَحِكَ وَإِذَا نَظَرَ قِبَلَ شِمَالِهِ بَكَى))

(بخاري: ٣٤٩)

''چنانچہ جب وہ دائیں جانب دیکھتے ہیں تو ہنستے اور خوش ہوتے ہیں اور جب اپنے بائیں جانب دیکھتے ہیں تو روتے ہیں۔''

اب ہم اپنے گریبانوں میں جھانکیں، کیا ہم میں سے کوئی اپنی اولاد کی آخرت کے لیے، اس کے مستقبل کے لیے اس طرح فکر مند ہے کہ اسے اپنی اولاد کا چال چلن دیکھ کر اس کی آنکھوں میں آنسو آجائیں کہ یہ تو جہنمیوں کا طرزِ عمل اختیار کیے ہوئے ہے، اس پر تو قرآن و حدیث میں بڑی سخت وعید آئی ہے، بے نماز کا انجام تو قرآن و حدیث میں بڑا سخت بتلایا گیا ہے، اس کا کیا بنے گا!

مگر ہم میں سے ہر شخص خوب سمجھتا ہے کہ ہمارا طرزِ عمل اس سے مختلف ہے، ہم اپنی اولاد کو پھلتا پھلتا ہوا دیکھتے ہیں تو بہت خوش ہوتے ہیں اور لوگوں کے سامنے بڑے فخر کے ساتھ ان کا ذکر کرتے ہیں، ان کی تعلیم کے بارے میں، ان کے کاروبار کے بارے میں، ان کے بچوں کے بارے میں، ان کے سٹیٹس کے بارے میں۔

مگر شاید ہم میں سے کسی کو کبھی یہ سوچ کر غم اور افسوس نہیں ہوا ہوگا، پریشانی اور فکر مندی نہیں ہوئی ہوگی کہ ان بداعمالیوں اور بدکرداریوں کا انجام تو بہت خوفناک ہے، اور اگر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دل میں کبھی یہ احساس پیدا نہیں ہوا اور فکر مندی نہیں ہوئی تو جان لیجیے کہ وہ اولاد آپ کے لیے بہت بڑا فتنہ بن چکی ہے۔

بے نماز اور بداعمال اولاد کے چال چلن پر کوئی پریشانی نہ ہو، یہ جانتے ہوئے بھی کہ جہنم میں جانے والوں کا تناسب ایک ہزار میں سے نو سو ننانوے ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((يَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى يَا آدَمُ))

''اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اے آدم!''

((فَيَقُولُ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ فِي يَدَيْكَ))

''تو آدم علیہ السلام عرض کریں گے، حاضر ہوں، سعادت در سعادت کا طلبگار ہوں اور ہر قسم کی خیر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔''

((فَيَقُولُ أَخْرِجْ بَعْثَ النَّارِ))

''تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جہنم کا کھیپ نکال لو، یعنی اپنی اولاد میں سے جہنم والوں کو الگ کرلو۔''

((قَالَ وَمَا بَعْثُ النَّارِ))

''تو آدم علیہ السلام عرض کریں گے: اور جہنم والوں کی تعداد کتنی ہے۔''

((قَالَ مِنْ كُلِّ أَلْفٍ تِسْعَ مِائَةٍ وَتِسْعَةً وَتِسْعِينَ)) (مسلم: ۲۲۲)

''تو اللہ فرمائے گا ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے۔''

یعنی جہنم میں جانے والوں کا یہ تناسب ہو تو نیک لوگوں کو بھی اپنی فکر کرنی چاہیے، چہ جائیکہ اپنی اور اپنی اولاد کی بداعمالیوں اور کوتاہیوں پر بھی کانوں پر جوں تک نہ رینگے اور ہم اپنے آپ کو نیک و پارسا اور پکے اور سچے مسلمان سمجھ کر مطمئن بیٹھے رہیں۔

سبحان اللہ! کیا بے پروائی اور بے نیازی ہے! اپنے اعمال پر کتنا یقین، وثوق اور اعتماد ہے۔ یہ سوچ اور خیال کہ میں نے بہت نیکیاں کر رکھی ہیں، بڑے حج اور عمرے کیے ہیں، بس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اب وہاں خیر ہی خیر ہوگی، ایک بہت بڑا شیطانی دھوکہ ہے۔

یہ خیال تو کبھی ان لوگوں کے دل میں نہ آیا جن کو اس دنیا میں جنت کی بشارت دے دی گئی، اس کے برعکس آخرت کے ڈر اور خوف سے رو رو کر ان کے گالوں پر نشان پڑ گئے تھے۔

دولت کی فراوانی کو اللہ کی رضا اور خوشنودی سمجھنا اور وہ بھی اس حال میں کہ انسان اسے گن گن کر رکھتا جائے اور اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرے، شیطانی بہکاوا ہے۔

دنیا کے پیچھے بھاگنے سے دین کا نقصان ضرور ہوتا ہے جبکہ دین کو ترجیح دینے سے جتنی دنیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے لکھ رکھی ہے وہ حقیر اور ذلیل ہو کر آپ کے پاس آجائے گی۔ ہاں اس کے لیے جائز اور مناسب کوشش کرنا بھی ضروری ہے، ایسی کوشش کہ جس سے دین کے تقاضے متاثر نہ ہوں، اللہ نے جن کے حقوق آپ کے ذمے لگا رکھے ہوں ان کی تلفی نہ ہو۔ مگر رند کے رند رہے اور ہاتھ سے جنت نہ گئی والی سوچ سراسر دھوکہ ہے اور منفی سوچ ہے۔

اس سوچ، فکر اور خیال کی اصلاح کیے بغیر آدمی دین دار نہیں ہوسکتا۔

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں
ایں خیال است و محال است و جنوں

''آپ خدا بھی چاہتے ہیں اور دنیائے دوں بھی، یہ محض اک خیال ہے، نہایت کٹھن ہے اور سراسر جنوں ہے۔''

اپنے آپ کو اس کیفیت سے نکالیں، اس سوچ سے دست بردار ہوں تو آپ کو دین کی سوجھے اور اس کی توفیق میسر آئے۔

اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی دنیا داروں کی اک الگ دنیا ہوتی ہے اور دین داروں کی الگ شان، دنیا دار اس دنیا میں بھی سخت دل، سخت زبان اور سخت گیر، ہر وقت طاقت کے نشے میں رہنا، غریبوں اور کمزوروں پر رعب جمانا اور اپنی چودھراہٹ دکھانا، اپنے آپ کو بڑا ظاہر کرنا اور اپنے قبیلے اور برادری پر فخر کرنا ان کا طرۂ امتیاز ہوتا ہے، جبکہ دیندار خوش گفتار، خوش کردار اور منکسر المزاج قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایسے ہی آخرت میں بھی ان کا ٹھکانہ الگ الگ ہوگا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((أَلا أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ الْجَنَّةِ))

''کیا میں تمہیں جنت والوں کے بارے میں نہ بتاؤں؟''

((كُلُّ ضَعِيفٍ مُتَضَعِّفٍ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَأَبَرَّهُ))

ہر کمزور، اور کمزور جان کر معاملہ کیا جانے والا، جو اللہ کی قسم کھا لے تو اللہ اس کی لاج رکھ لے۔

((أَلا أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ النَّارِ كُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُتَكَبِّرٍ .))

(بخاري : ٤٩١٨)

ہر بد اخلاق، جھگڑالو اور سخت اکڑ کر چلنے والا اور متکبر۔

تو قیامت کے دن بھی لوگ اپنے جیسوں کے ساتھ ہی ہوں گے اور جیسا کہ ایک اٹالین دانشور اور فلاسفر "Machiavelli" نے کہا تھا کہ میں جہنم میں جاؤں گا اور وہاں بڑے بڑے لوگوں سے اور یورپ کے بادشاہوں سے ملاقاتیں ہوں گی۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دنیا کی کشش کو سمجھے بغیر بچنا مشکل

﴿إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۝﴾

(الکھف : ۷)

گذشتہ جمعے دنیا کی کشش کا ذکر ہوا، دنیا کی کشش اک بہت بڑی حقیقت ہے اور ہمارے تمام مسائل کی جڑ ہے۔

دنیا کی حقیقت کو اور بالخصوص دنیا کی کشش کو سمجھے بغیر کوئی انسان ہرگز کامیاب زندگی نہیں گزار سکتا، کیونکہ دنیا کی حقیقت کو جانے بغیر کامیابی اور ناکامی کا معیار ہی طے نہیں پا سکتا تو پھر کیونکر دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ کسی کی زندگی کامیاب ہے یا ناکام۔

دنیا کی حقیقت جو قرآن و حدیث میں بیان ہوئی ہے، وہ تو دنیا کی صحیح صحیح منظر کشی کرتی ہے، لیکن اگر ہم اپنے مشاہدات کی روشنی میں بھی دنیا کی حقیقت کو سمجھنا چاہیں تو بھی کافی حد تک دنیا کو سمجھا جا سکتا ہے۔ مثلاً کیا اس میں کسی کو شک ہے کہ دنیا عارضی اور فانی ہے، اس کی تمام نعمتیں زوال پذیر ہیں، یہ بے وفا ہے، اور ایسی بے وفا ہے کہ اپنے لیے جان قربان کر دینے والے سے بھی وفا نہیں کرتی، وغیرہ۔ یقیناً کسی کو شک نہیں ہوسکتا، تو پھر ایسی دنیا کو حاصل کر کے کوئی کیسے کہہ سکتا ہے کہ وہ کامیاب ہو گیا ہے!

چنانچہ دنیا کی حقیقت کو سمجھنا نہایت ضروری ہے اور اس لیے بھی ضروری ہے کہ دنیا کی ایک خصلت اور خاصیت یہ ہے کہ یہ بڑے سے بڑے آدمی کو اپنی کشش سے مسحور کر دیتی ہے، اسے اپنے جال میں پھنسا لیتی اور دھوکے میں مبتلا کر دیتی ہے چاہے کوئی شخص کتنا ہی سمجھدار ہو، عقلمند اور دانا ہو، زیرک ہو، دانشور ہو، عالم و فاضل ہو، عمر رسیدہ ہو، تجربہ کار ہو، کسی کو نہیں چھوڑتی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قرآن و حدیث میں انسان کو دنیا کی ایسی خصلتوں سے خوب خبردار کیا گیا ہے، بڑی تفصیل اور وضاحت کے ساتھ اور مثالوں کے ذریعے خوب خوب آگاہ کیا گیا ہے۔

دنیا کے بارے میں قرآن پاک میں مختلف مقامات پر جو حقائق بیان کیے گئے ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں کہ یہ دنیا مزیّن و پُرکشش ہے۔ متاعِ قلیل ہے، فانی ہے، لہو ولعب اور کھیل تماشا ہے، سامانِ لطف اندوزیِ حیات ہے، دنیا کی تمام نعمتیں آخرت کے مقابلے میں نامکمل اور ادھوری ہیں، یہ دنیا متاعِ غرور اور امتحان و آزمائش ہے۔

دنیا کی ان صفات کو تفصیل کے ساتھ اور مثالیں دے دے کر بیان کیا گیا ہے، دنیا کے ساتھ معاملہ کرتے ہوئے دنیا کی ان صفات کو نظر انداز کرنے کے نقصانات کا ذکر کیا گیا ہے، انسان دنیا کی دلدل میں کیسے پھنستا چلا جاتا ہے، اس سے بچنے اور اس سے نکلنے کا راستہ کیا ہے، بڑی تفصیل اور وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

اب قرآن پاک میں دنیا کی حقیقت سے متعلق بیان کی گئی ایک مثال کو لیجیے اور ملاحظہ کیجیے کہ اس کے اندر کتنی گہرائی اور کتنی تفصیل ہے۔

فرمایا:

﴿ اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ وَّ زِيْنَةٌ وَّ تَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَ تَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ﴾ (الحدید : ٢٠)

”خوب جان لو کہ یہ دنیا کی زندگی محض کھیل تماشا اور دل لگی اور ظاہری زیب و زینت اور تمہارا آپس میں ایک دوسرے پر فخر جتانا اور مال اور اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا ہے۔“

اس آیت کریمہ میں دنیا کی یہ صفات بیان کرنے کے بعد ان کی وضاحت کے لیے اگلے الفاظ میں ایک مثال دی گئی ہے، فرمایا:

﴿ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ؕ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّ مَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿٢٠﴾ (الحدید : ٢٠)

''اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بارش ہوگئی تو اس سے پیدا ہونے والی نباتات کو دیکھ کر کاشتکار خوش ہوگے، پھر وہی کھیتی پک جاتی ہے اور تم دیکھتے ہو کہ وہ زرد ہوگئی، پھر وہ بھس بن کر رہ جاتی ہے اس کے برعکس آخرت وہ جگہ ہے، جہاں سخت عذاب ہے اور اللہ کی مغفرت اور اس کی خوشنودی ہے اور دنیا کی زندگی اک دھوکے کے سامان کے سوا کچھ نہیں ہے۔''

اس مثال پر غور کریں تو اس میں ہر جہت سے دنیا کی حقارت بیان کی گئی ہے، سب سے پہلے اس کے نام کے حوالے سے غور کریں کہ لفظ دنیا میں ہی اس کی حقارت اور بے وقعتی موجود ہے۔ لفظ دنیا کے تمام معانی کا خلاصہ ایک ہی ہے کہ آخرت کے مقابلے میں وہ بے حیثیت ہے۔

پھر مثال کی ابتدا بارش سے تشبیہ دے کر کی گئی اور بارش کی تشبیہ میں اس کا عارضی اور فانی ہونا موجود ہے کہ بارش کی اک ابتدا ہے اور اک انتہا ہے۔

پھر بارش کے نتیجے میں جو پھل پھول، کھیتیاں اور باغات اور ہریالی پھوٹتی ہے تو اس کی بھی اک ابتدا اور ایک انتہا ہے جس کا مطلب ہے کہ وہ اک عارضی چیز ہے۔

﴿ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ﴾ (الحدید : ٢٠)

لہلہاتی کھیتی کو دیکھ کر کاشتکار کا اس کی خوشنمائی سے متأثر ہو کر خوش ہونا، اسے غرور اور دھوکے میں مبتلا کر دیتا ہے اور وہ بھول جاتا ہے کہ یہ خوش منظری تو بس تھوڑی دیر کے لیے ہے، ابھی یہ پک جائے گی اور اسے کاٹ لیا جائے گا۔ لہٰذا وہ اس کی خوبصورتی میں کھو جاتا ہے اور دنیا کی حقیقت کو سمجھ نہیں پاتا، وہ کھیتی کے اُگنے، اس کے لہلہانے، اس کے پکنے اور اس کے کٹنے کے عمل پر غور و فکر کر کے آخرت کی حقیقت تک پہنچ نہیں پاتا اور آخرت کی حقیقت کا خلاصہ یہ ہے کہ وہاں ایک طرف سخت عذاب ہے اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اس کی خوشنودی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یاد رکھو اور خبردار رہو! یہ اک بہت بڑی حقیقت ہے کہ دنیا اپنی زینت، اپنی خوشنمائی اور اپنی خوبصورتی میں الجھا کر لوگوں کو آخرت سے غافل کر دیتی ہے۔

﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴾ (الحدید : ۲۰)

''یہ دنیا دھوکے کے سامان کے سوا کچھ نہیں ہے۔''

تو اللہ تعالیٰ نے بہت واضح الفاظ میں انسان کو دنیا کی حقیقت سے آگاہ کیا اور اس کی چالوں سے خبردار کیا ہے کہ دنیا کی چمک دمک، اس کی رونق، اس کی خوبصورتی، اس کی کشش بڑی خطرناک اور بڑی دھوکہ باز ہے، اس سے بچ کر رہیں۔

﴿فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا﴾ (لقمان : ۳۳)

''خبردار! یہ دنیا کی زندگی کہیں تمہیں دھوکے میں مبتلا نہ کر دے۔''

تو دنیا کی کشش انسان کو اپنی طرف کھینچتی ہے، اپنا گرویدہ بنا لیتی ہے اور اپنے جال میں پھنسا لیتی ہے۔

دنیا کن کن راستوں سے انسان کو بہکاتی اور گمراہ کرتی ہے، قرآن وحدیث میں ان کا جا بجا ذکر کیا گیا ہے اور اس کے بچنے کے طریقے بتلائے گئے ہیں اور جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ دنیا کی کشش سے بچنا آسان کام نہیں ہے، اس میں ایسی کشش ہے کہ بلاامتیاز تمام کے تمام لوگ اس کی طرف کھچے چلے جاتے ہیں۔ اس میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی تمیز ہے اور نہ پارسا اور خطاکار کا فرق، بلکہ تمام انسانوں کا یہ ایک فطری میلان اور رجحان ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے یہ حقیقت بایں الفاظ بیان فرمائی:

﴿وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ۙ وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ ۙ وَزُخْرُفًا ؕ﴾ (الزخرف : ۳۳۔۳۵)

''اور اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ سارے لوگ ایک ہی طریقے کے ہو جائیں گے، تو ہم اللہ الرحمٰن سے کفر کرنے والوں کے گھروں کی چھتیں اور ان کی سیڑھیاں جن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے وہ اپنے بالا خانوں پر چڑھتے ہیں اور ان کے دروازے اور ان کے تخت جن پر وہ تکیے لگا کر بیٹھتے ہیں، سب چاندی اور سونے کے بنوا دیتے۔''

یعنی اللہ کی نگاہ میں یہ دنیا کا مال و دولت اتنی حقیر چیز ہے کہ اگر تمام لوگوں کا کفر کی طرف مائل ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہر کافر کو اس سے مالا مال کر دیتے۔

اس سے دنیا کی شدتِ کشش کا اندازہ کیجیے کہ لوگ دنیا کے حصول کے لیے حرام طریقے سے حاصل کرنا تو درکنار، اس کے لیے اگر کافر ہونا بھی پڑتا تو وہ بھی کر گزرتے۔

خیر! قرآن پاک میں دنیا کی حقیقت کو، اس کی حقارت کو، اس کی کشش اور اس کے دھوکے کو متعدد مقامات پر خوب بیان کیا گیا ہے اور اسی طرح احادیث میں بڑی تفصیل کے ساتھ دنیا کی کشش اور اس کے دھوکے سے خبردار کیا گیا ہے۔

دنیا کی کشش سے لوگوں کو خبردار کرنا کتنا ضروری اور کتنا اہم ہے، اس بات سے اندازہ کیجیے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو اس سے خبردار کرنے کے لیے خصوصی طور پر خطاب فرمایا، حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَخَطَبَ النَّاسَ))

''آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا۔''

((فَقَالَ: لَا وَاللّٰهِ، مَا اَخْشٰی عَلَيْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ اِلَّا مَا يُخْرِجُ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا))

''فرمایا: اللہ کی قسم مجھے تم سے اس کے علاوہ کسی اور بات کا ڈر نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ تمہارے لیے دنیا کی زیب وزینت مہیا فرما دے۔''

((فَقَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَيَأْتِي الْخَيْرُ بِالشَّرِّ))

''تو ایک شخص نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا خیر سے شر برآمد ہوتا ہے؟''

((فَصَمَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ سَاعَةً، ثُمَّ قَالَ: كَيْفَ قُلْتَ))

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

”تو آپ ﷺ نے کچھ دیر سکوت فرمایا اور پھر فرمایا: تم نے کیا کہا؟“

((قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَیَأْتِي الْخَیْرُ بِالشَّرِّ))

”کہا: میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا خیر میں سے شر برآمد ہوتا ہے؟“

صحابی کا یہ سوال اس بنا پر تھا کہ مال و دولت کو اللہ تعالیٰ نے خیر قرار دیا ہے، پھر اس خیر میں سے شر کیسے نکل سکتا ہے کہ کوئی انسان بھٹک جائے اور بے راہ روی کا شکار ہو جائے یعنی خیر بھی نقصان پہنچانے لگے۔

((فَقَالَ لَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّ الْخَیْرَ لَا یَاتِیْ اِلَّا بِخَیْرٍ اَوَ خَیْرٌ ھُوَ))

”تو آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: خیر صرف خیر ہی لے کے آتا ہے، لیکن کیا وہ خیر ہے!“

یعنی مال و دولت تو خیر ہے لیکن کیا وہ مال و دولت خیر ہے جو انسان کو فتنے میں مبتلا کر دے، جو اسے آخرت سے غافل کر دے، جو حرام طریقے سے کمایا گیا ہو، جسے کمانے اور خرچ کرنے میں شرعی احکام کو نظر انداز کیا گیا ہے۔

اور پھر فرمایا:

((اِنَّ کُلَّ مَا یُنْبِتُ الرَّبِیْعُ یَقْتُلُ حَبَطًا اَوْ یُلِمُّ))

”بہار سے جو سبزہ اگتا ہے وہ جانور کو پیٹ پھولنے کی وجہ سے ہلاک کر دیتا ہے یا ہلاکت کے قریب کر دیتا ہے۔“

((اِلَّا اٰکِلَۃَ الْخَضِرِ، اَکَلَتْ، حَتّٰی اِذَا امْتَلَأَتْ خَاصِرَتَاھَا اسْتَقْبَلَتِ الشَّمْسَ ثَلَطَتْ، اَوْ بَالَتْ ثُمَّ اجْتَرَّتْ فَعَادَتْ فَاَکَلَتْ))

”سوائے اس کے جو سبزہ کھاتا ہے یہاں تک جب اس کے کوکھ اور پہلو بھر جاتے ہیں تو چھوڑ دیتا ہے اور سورج کی طرف منہ کر کے بیٹھ جاتا ہے، جگالی کرتا

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ہے، بول و براز کرتا ہے اور پھر آ کے کھانے لگتا ہے۔''

((فَمَنْ يَّأْخُذْ مَالًا بِحَقِّهٖ يُبَارَكْ لَهٗ فِيْهِ))

''تو جو شخص مال حاصل کرتا ہے اس کے حق کے ساتھ اسے اس کے مال میں برکت دی جاتی ہے۔''

((وَمَنْ يَّأْخُذْ مَالًا بِغَيْرِ حَقِّهٖ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الَّذِىْ يَأْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ)) (مسلم : ۱۰۵۲)

''اور جو مال اس کے حق کے بغیر حاصل کرتا ہے اس کی مثال ایسے شخص کی ہے جو کھاتا جاتا ہے مگر اس کا پیٹ نہیں بھرتا۔''

مال اس کے حق کے ساتھ حاصل کرنے کا مطلب ہے کہ جائز اور حلال طریقے سے حاصل کیا گیا ہو، جائز اور حلال کاموں میں خرچ کیا گیا ہو۔

اس کے برعکس حق کے بغیر حاصل کرنے کا مطلب، ناجائز اور حرام ذرائع سے حاصل کرنا اور اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنا اور دوسروں کی حق تلفی کر کے حاصل کرنا۔

اب ہم اپنے اپنے گریبان میں جھانکیں کہ دنیا حاصل کرنے میں ہمارا طرز عمل کیا ہے۔ کیا ہم دولت حاصل کرتے ہوئے تمام حقوق اور فرائض کا لحاظ کرتے ہیں یا بس جائز اور ناجائز طریقے سے جمع کرتے چلے جاتے ہیں؟ اور کیا دولت کا حصول ہمیں ہلاک نہیں کر رہا؟ کیا ہم اللہ کے احکام کو نظر انداز نہیں کر رہے اور کیا ہم نے دنیا کو دین پر ترجیح نہیں دے رکھی؟ یقیناً عمومی اور مجموعی طور پر ہماری کچھ ایسی ہی حالت ہے بلکہ ہم میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے ایک بہت بڑی نعمت سے نوازا کہ قرآن پاک حفظ کرنے کی سعادت نصیب فرمائی، مگر انہیں جب دولت جمع کرنے کا نشہ ہوا تو انہوں نے قرآن پاک کو پسِ پشت ڈال دیا اور دولت جمع کرنے میں مگن ہو گئے اور اب ۱۸، ۱۸ گھنٹے دولت جمع کرنے میں صرف کرتے ہیں مگر ایک گھنٹہ قرآن پاک یاد کرنے کے لیے اُن کے پاس نہیں ہے۔

تو کیا یہ اللہ کا عذاب نہیں ہے! اور اگر وہ اس کو اللہ کی ناراضی اور اس کا عذاب نہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سمجھتے تو یہ اس سے بھی بڑا عذاب ہے۔اس سے بڑھ کر دنیا کی کشش کا شکار اور کون ہو سکتا ہے۔ اگر اب بھی بات سمجھ نہیں آتی تو دنیا کی آسائشوں اور رونقوں میں گم ہو جانے والی گذشتہ قوموں کے انجام پر ذرا نظر ڈال کر دیکھ لو۔

﴿ كَمْ تَرَكُوا مِنْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ۝٢٥ وَّ زُرُوْعٍ وَّ مَقَامٍ كَرِيْمٍ ۝٢٦ وَّ نَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ۝٢٧ كَذٰلِكَ ۫ وَ اَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۝٢٨ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ۝٢٩ ﴾ (الدخان : ٢٥۔٢٩)

”کتنے ہی باغ اور چشمے اور کھیت اور شاندار محل تھے جو وہ چھوڑ گئے۔ کتنے ہی عیش کے سروسامان جن میں وہ مزے لے رہے تھے ان کے پیچھے دھرے رہ گئے، یہ ہوا ان کا انجام، اور ہم نے دوسروں کو ان چیزوں کا وارث بنا دیا۔ پھر نہ آسمان ان پر رویا اور نہ زمیں اور نہ وہ مہلت پانے والے ہوئے۔“

کبھی اس بات پر غور کیا کہ ان کا یہ انجام کیوں ہوا؟ اس لیے ہوا کہ وہ دنیا کی کشش میں کھو گئے تھے۔

لہٰذا ان کے انجام سے ہمیں عبرت لینی چاہیے، اور اپنی بےعملیوں کے باوجود ملنے والی نعمتوں سے ڈر جانا چاہیے کہ ایسی نعمتیں ڈھیل اور استدراج ہوتی ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایسی خوشحالیوں سے خبردار کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّ بَنِيْنَ ۝٥٥ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝٥٦ ﴾ (المؤمنون : ٥٥، ٥٦)

”کیا یہ سمجھتے ہیں کہ ہم انہیں مال و دولت سے جو مدد دیئے جا رہے ہیں تو گویا انہیں بھلائیاں دیتے ہیں، نہیں، انہیں اصل معاملے کا شعور نہیں ہے۔“

اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی بدبختی سے محفوظ فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گناہ کی نحوست

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ﴾ (الروم : ٤١)

ہر باشعور انسان اس حقیقت سے خوب آگاہ ہے کہ آج کا معاشرہ بہت سے مسائل کا شکار ہے اور وہ مسائل حسی بھی ہیں اور معنوی بھی، حواس خمسہ کے ذریعے محسوس کیے جانے والے مسائل میں بدامنی ہے، ماحولیاتی آلودگی ہے، اقتصادی بدحالی ہے، مذہبی دھینگا مشتی ہے، علاقائی اور لسانی جھگڑے ہیں، نت نئی بیماریاں اور وبائیں ہیں، سونامی، زلزلے اور دیگر قدرتی آفات ہیں، Black Hole اور Global Warming کے خطرات ہیں اور قوت و طاقت کے نشے میں دوسروں کو زیر کرنے کے لیے جنگوں کا مسلط کیا جانا ہے۔

اور دوسری طرف معنوی مسائل میں جھوٹ، حسد، بغض، کینہ اور خود غرضی وغیرہ ہے اسی طرح دیگر بہت سی بداخلاقیاں، جیسے بے حیائی اور فحاشی وغیرہ ہیں کہ نتائج کے اعتبار سے جن کا مسائل کی حسی قسم میں بھی شمار ہوتا ہے اور جو شاید اس شدت کے ساتھ اس سے پہلے کسی معاشرے میں نہ رہی ہوں۔

یوں تو ہر ملک اور ہر خطے کا اپنا ایک الگ معاشرہ ہوتا ہے جو ایک خاص نظام اور اصول وقوانین پر قائم ہوتا ہے، اپنی اپنی ثقافت اور اپنی اپنی روایات ہوتی ہیں، منفرد خوبیاں اور مختلف خامیاں رکھتا ہے، مگر چونکہ دنیا آج گلوبل ویلیج بن چکی ہے، ٹیکنالوجی نے تمام معاشروں کو جوڑ کر ایک معاشرہ بنا دیا ہے، لہٰذا کسی ایک معاشرے میں پیدا ہونے والی برائی اور خرابی کے اثرات سے بچنا دوسرے معاشروں کے لیے آسان نہیں رہا۔

مسائل کے حل کے لیے اور مشکلات سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے ان کے اسباب پر غور کیا جائے اور جب معاشرتی مسائل کے اسباب پر غور کیا جاتا ہے تو پتا چلتا ہے کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہر مسئلے کا ایک الگ سبب ہے۔البتہ تمام مسائل کے اسباب کا ایک خلاصہ سبب ضرور موجود ہے اور وہ ہے:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٤١﴾﴾ (الروم: ٤١)

''خشکی اور تری میں فساد برپا ہوگیا لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے تاکہ مزہ چکھائے ان کو ان کے بعض اعمال کا، شاید کہ وہ باز آئیں۔''

یعنی تمام مسائل کا واحد سبب بداعمالیاں ہیں، ہر بدعملی سے کوئی نہ کوئی مسئلہ ضرور پیدا ہوتا ہے، وہ آدمی کو نظر آئے یا نہ آئے، محسوس ہو یا نہ ہو، مگر ہر برائی کا معاشرے پر ڈائریکٹ یا ان ڈائریکٹ اثر ضرور ہوتا ہے، آدمی اپنے تئیں اگرچہ سمجھتا ہے کہ اس کی کسی چھوٹی سی لغزش اور خطا کا بھلا معاشرے پر کیا اثر ہوگا جبکہ خود اس کی اپنی ذات پر کوئی اثر ظاہر نہیں ہو رہا، لیکن حقیقت یہ نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہر گناہ کا آدمی کی ذات پر، اس کے اہل خانہ، اس کے ماحول اور معاشرے پر اثر ہوتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ اسے محسوس نہیں ہوتا اور گناہ کا اثر محسوس نہ ہونا گناہ کے اثر کی ایک شکل اور قسم ہے اور یہ ایک انتہائی خطرناک قسم ہے اور یہ استدراج ہے، اللہ کی طرف سے ایک چال ہے کہ بندے کو ڈھیل دیتا جاتا ہے، اس کی رسی دراز کرتا جاتا ہے، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ﴾ (الانعام: ٤٤)

''پھر جب انہوں نے اس نصیحت کو بھلا دیا جو انہیں کی گئی تھی، تو ہم نے ہر طرح کی خوشحالیوں کے دروازے ان کے لیے کھول دیئے۔''

﴿حَتَّى إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُبْلِسُونَ ﴿٤٤﴾﴾

(الانعام: ٤٤)

''یہاں تک کہ جب وہ ان بخششوں میں جو انہیں عطا کی گئی تھیں کھو گئے، خوب

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

مگن ہو گئے، تو اچانک ہم نے انہیں پکڑ لیا اور اب حال یہ تھا کہ وہ ہر خیر سے مایوس تھے۔‘‘

اور حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِذَا رَأَيْتَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يُعْطِي الْعَبْدَ مِنَ الدُّنْيَا عَلَى مَعَاصِيهِ مَا يُحِبُّ، فَإِنَّمَا هُوَ إِسْتِدْرَاجٌ)) (مسند احمد : ۲۸/ ۵٤۷)

’’جب آپ دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ بندے کو اس کے گناہوں کے باوجود دنیا میں سے اس کی پسند کی چیزیں دے رہا ہو تو جان لو کہ وہ استدراج ہے۔‘‘

((ثُمَّ تَلَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ﴿فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّى إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُبْلِسُونَ﴾ (الانعام : ٤٤).))

پھر آپ ﷺ نے یہ مذکورہ آیت تلاوت فرمائی۔

آپ نے مشاہدہ کیا ہوگا کہ جب آدمی کی خواہشات پوری ہوتی جارہی ہوں، اس کی آرزوئیں اور تمنائیں بر آرہی ہوں تو اس پر ایک ایسا سرور طاری ہوتا ہے کہ پھر وہ کسی چیز کی پرواہ نہیں کرتا، کسی بات کو خاطر میں نہیں لاتا، وہ کسی گناہ کو گناہ ہی نہیں سمجھتا، چہ جائیکہ اس کا اثر محسوس کرے!

جسے اللہ تعالیٰ نے تمام بڑی بڑی نعمتیں عطا کر رکھی ہوں، اولاد ہو، دولت ہو، مکان بھی سود پر خرید رکھا ہو، سارا دن گھر میں مزے سے گزارتا ہو، سارا دن صوفے پر براجمان ہو کر ریموٹ ہاتھ میں تھامے ٹی وی کے سامنے بیٹھا رہتا ہو، اس کے دل میں نیکی کی رغبت اور گناہ پر شرمندگی اور اس کی سزا کا ڈر اور خوف کہاں سے پیدا ہوگا، وہ تو اک مسلسل نشے میں ہوتا ہے۔

اور اگر یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہے، اسے دل پر گناہ کا اثر محسوس نہ ہو تو ایک وقت آتا ہے کہ اس کا دل مکمل طور پر سیاہ ہو جاتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((تُعْرَضُ الْفِتَنُ عَلَى الْقُلُوبِ كَالْحَصِيرِ عُودًا عُودًا))

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

''فتنے چٹائی کے تنکوں کی طرح ایک ایک کر کے دلوں پر وارد ہوں گے۔''

((فَأَیُّ قَلْبٍ أُشْرِبَهَا نُكِتَ فِيهِ نُكْتَةٌ سَوْدَآءُ))

''وہ فتنہ جس دل میں رچ بس جاتا ہے، اس میں ایک سیاہ دھبہ بن جاتا ہے۔''

((وَأَیُّ قَلْبٍ أَنْكَرَهَا نُكِتَ فِيهِ نُكْتَةٌ بَيْضَآءُ))

''اور جو دل اس فتنے کو ٹھکرا دیتا ہے، اس سے اعراض اور اجتناب کرتا ہے اس میں ایک سفید نشان بن جاتا ہے۔''

((حَتّٰى تَصِيرَ عَلٰى قَلْبَيْنِ))

''تو یوں سیاہ اور سفید نکتے بنتے بنتے بالآخر دو مستقل رنگوں والے دل بن جاتے ہیں۔''

((عَلٰى أَبْيَضَ مِثْلِ الصَّفَا))

''ایک سفید دل، چکنے پتھر کی طرح۔''

یعنی ایسا دل کہ جس کے ساتھ کوئی فتنہ چپکتا نہیں بلکہ پھسل کر دور ہو جاتا ہے، نہ کسی بدعت اور شرکیہ عمل کی کشش اس کے دل پر اثر انداز ہوتی ہے، نہ مال و دولت کی چمک دمک اس کے دل کو گھائل کرتی ہے، نہ کسی کی چرب زبانی کی طرف مائل ہوتا ہے، بلکہ صاف ستھرا دل ہوتا ہے، صحت منداور تندرست دل ہوتا ہے اور قلب سلیم ہوتا ہے۔

((فَلَا تَضُرُّهُ فِتْنَةٌ مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ))

''اور جب تک زمین و آسمان قائم ہیں اس پر کوئی فتنہ اثر انداز نہیں ہوگا۔''

((وَالْآخَرُ أَسْوَدُ مُرْبَادًّا كَالْكُوزِ مُجَخِّيًا))

''اور دوسرا سیاہ دل اوندھے کوزے کی طرح۔''

یعنی ایک ایسے پیالے کی طرح جو ایک طرف جھکا ہوا ہو، یعنی جس قدر وہ جھکا ہوا ہوگا۔ دنیا کی طرف مائل ہوگا، اسی قدر اس کا ایمان اس سے نکل جاتا ہے۔

((لَا يَعْرِفُ مَعْرُوفًا وَلَا يُنْكِرُ مُنْكَرًا إِلَّا مَا أُشْرِبَ مِنْ هَوَاهُ))

(مسلم : ۲۳۹)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

”نہ نیکی کو نیکی سمجھتا ہے اور نہ برائی کو برائی، اس کے ہاں نہ کوئی نیکی کا معیار ہے اور نہ گناہ کا، بس اس کے دل میں جو خواہشات رچ بس چکی ہوتی ہیں، اس کے مطابق وہ زندگی گزارتا ہے۔“

تو گناہ کا اثر اپنی ذات پر، اپنے اہل خانہ پر، اپنے اردگرد اور ماحول پر اور معاشرے پر محسوس نہ کرنا، گناہ کے اثرات میں سے ایک نہایت سنگین اثر اور سزا ہے۔

گناہ کی نحوست، اس کا اثر اور اس کی سزا ایک مسلمہ حقیقت ہے، البتہ اس کی شکلیں مختلف ہیں۔

گناہوں کے صرف دل پر ہونے والے اثرات ہی بہت سنگین اور خطرناک ہیں، گناہوں سے دل زنگ آلود ہوتا ہے، سیاہ ہوتا ہے، سخت ہوتا ہے اور بالآخر مردہ ہوجاتا ہے، یا سربمہر کردیا جاتا ہے۔ اعاذنا من ذلك

اور گناہوں کے دل پر ہونے والے اثرات تمام قسم کے اثرات سے سنگین تر ہیں۔

﴿ كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ ﴾ (المطففين : ١٤)

”ہرگز نہیں، بلکہ دراصل ان لوگوں کے دلوں پر ان کے برے اعمال کا زنگ چڑھ گیا ہے۔“

﴿ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۝ ﴾ (المطففين : ١٥)

”ہرگز نہیں! بالیقین اس روز یہ اپنے رب کی دید سے محروم رکھے جائیں گے۔“

تو گناہوں کے دل پر اور معاشرے پر یقیناً اثرات مرتب ہوتے ہیں، مگر ہمیں محسوس نہیں ہوتے اور محسوس نہ ہونا بہت بڑی بدنصیبی کی علامت ہے اور ایک سبب اس کا یہ ہے کہ گناہوں کی کثرت کی وجہ سے پتا نہیں چلتا کہ کون سے گناہ کی نحوست سامنے آئی ہے اور بعض دفعہ کسی گناہ کی سزا کسی دوسرے وقت کے لیے مؤخر بھی کردی جاتی ہے۔

اور کسی ایک گناہ کی سزا ہر آدمی کو ایک جیسی نہیں ملتی، کیونکہ گناہ کی شدت، سنگینی اور نوعیت ایک جیسی نہیں ہوتی، اگرچہ بظاہر ایک جیسی ہی نظر آتی ہے، مگر ہم اس کی صحیح صحیح کیفیت

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اور سنگینی جان نہیں سکتے۔

گناہوں کے اثرات کو نیک لوگ محسوس کر سکتے ہیں اور نیک کا معنی یہ نہیں کہ اس سے کبھی کوئی گناہ سرزد نہ ہوتا ہو بلکہ نیک کا معنی یہ ہے کہ اس سے بہت کم گناہ سرزد ہوتے ہوں۔

سلف صالحین رحمہم اللہ کے حالات زندگی پر نظر ڈالیں تو وہاں ہمیں یہ چیز ملتی ہے کہ وہ اپنی کسی لغزش اور خطا کا اثر فوراً محسوس کر لیتے تھے۔

جیسا کہ حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"إِنِّيْ لَأَعْصِي اللّٰهَ، فَأَعْرِفُ ذٰلِكَ فِيْ خُلُقِ حِمَارِيْ، وَخَادِمِيْ وَامْرَأَتِيْ وَ فَأْرِ بَيْتِيْ" (البداية والنهاية : ١٠/ ٢١٥)

''مجھ سے جب کوئی معصیت سرزد ہوجاتی ہے تو میں اس کا اثر اپنے گدھے، اپنے خادم، اپنی بیوی اور گھر کے چوہے کے رویے سے بھانپ لیتا ہوں۔''

اندازہ کریں کہ گناہ کے اثر کو محسوس کرنے کے کتنے فائدے ہیں، آدمی کی بیوی کا عموماً اگر یہ مزاج نہ ہو، تو اچانک اگر کسی معاملے میں وہ بدکلامی کرنے لگے، تو اس پر آدمی اپنا محاسبہ کرتے ہوئے اسے اپنے گناہ کا اثر سمجھ لے تو آدمی خاموشی اختیار کر لے گا اور معاملہ رفع دفع ہو جائے گا، مگر شاید ہم میں سے کسی کو ایسا سوچنے کی توفیق نہ ہوتی ہو۔

گناہ کی نحوست محسوس کرنے والے حقیقت میں نیک، متقی اور پرہیزگار اور خوش نصیب لوگ ہیں۔ کیونکہ جو گناہ کی نحوست اور سزا محسوس کرے گا وہی اپنے آپ کو ملامت بھی کرے گا، اپنی اصلاح کی کوشش بھی کرے گا اور توبہ و استغفار بھی کرے گا۔

اور ایسا شخص خوش نصیب اس لیے بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے نفس کی قسم کھائی ہے۔

﴿وَلَآ أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝٢﴾ (القیامه : ٢)

''اور قسم کھاتا ہوں ملامت کرنے والے نفس کی۔''

اور اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوقات میں سے کسی چیز کا قسم کھانا اس کی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے۔

گناہوں کا اثر محسوس کرنے کے حوالے سے سلف صالحین کا طرز عمل ملاحظہ کیجیے، امام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ابن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”إِنِّي لَأَعْرِفُ الذَّنبَ الَّذِي حُمِّلَ عَلَيَّ بِهِ الدَّيْنُ“

”مجھے معلوم ہے وہ گناہ جس کی وجہ سے مجھ پر قرض کا بوجھ ڈال دیا گیا ہے۔“

”مَا هُوَ؟“

”وہ کیا ہے؟“

”قُلْتُ لِرَجُلٍ مِنْ أَرْبَعِيْنَ سَنَةٍ: يَا مُفْلِسُ“

(تاريخ دمشق : ٤٣/ ٥٤٦)

”اور وہ یہ ہے کہ میں نے چالیس سال پہلے ایک شخص سے کہا تھا۔او کنگال۔“

اور ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”مَا تَعَلَّمَ رَجُلٌ الْقُرْآنَ ثُمَّ نَسِيَهُ إِلَّا بِذَنْبٍ“

”جو کوئی شخص قرآن سیکھتا ہے اور پھر اسے بھول جاتا ہے تو یہ صرف گناہ کے سبب ہی ہوتا ہے۔“

”ثُمَّ قَرَأَ: وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ“

”اور پھر انہوں نے آیت تلاوت کی: ﴿وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ﴾ (الشورىٰ : ٣٠) تم پر جو مصیبت بھی آئی ہے، تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے آئی ہے۔“

”ثُمَّ قَالَ: وَأَيُّ مُصِيبَةٍ أَعْظَمُ مِنْ نِسْيَانِ الْقُرْآنِ“

(الجامع لأحكام القرآن، ج ١٨ ، ص ٤٧٨)

”پھر فرمایا: اور قرآن کو بھول جانے سے بڑی مصیبت کیا ہو سکتی ہے؟“

اور جیسا کہ بعض سلف صالحین کی طرف منسوب یہ مقولہ مشہور ہے کہ:

”مَا نَزَلَ بَلَاءٌ إِلَّا بِذَنْبٍ وَلَا رُفِعَ إِلَّا بِتَوْبَةٍ“

”جو بھی کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو کسی نہ کسی گناہ کے سبب، اور اٹھائی جاتی

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ہے تو صرف توبہ کے ساتھ۔''

"قَالَ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ رحمہ اللہ: حُرِمْتُ قِيَامَ اللَّيْلِ خَمْسَةَ أَشْهُرٍ بِذَنْبٍ أَذْنَبْتُهُ"

''امام سفیان الثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں پانچ مہینے ایک گناہ کی وجہ سے قیام اللیل سے محروم رہا۔''

"فَقِيلَ: وَمَا ذَاكَ الذَّنْبُ؟"

''پوچھا گیا: وہ کون سا گناہ تھا؟''

"قَالَ: رَأَيْتُ رَجُلًا يَبْكِي، فَقُلْتُ فِي نَفْسِي هٰذَا مُرَاءٍ" (إحياء علوم الدين، ج١، ص ٣٥٦، بحواله: قيام الليل دأب الصالحين ا د. شريف فوزي سلطان)

''کہا: میں نے ایک شخص کو روتے ہوئے دیکھا تو دل ہی دل میں کہا کہ یہ تو دکھلاوا کر رہا ہے۔''

ہم اپنے اپنے گریبانوں میں جھانکیں اور جائزہ لیں کہ دن میں ہم سے شاید بیسیوں گناہ سرزد ہوتے ہوں گے، بالخصوص زبان کے حوالے سے، مگر ہم کسی ایک کا اثر بھی محسوس نہیں کر پاتے۔

گناہوں کے اثرات بہت زیادہ ہیں، گناہ کی وجہ سے آدمی نیکی سے محروم ہوتا ہے، گناہ دوسرے گناہوں کا باعث بنتا ہے۔ گناہ سے عزم کمزور ہوتا ہے، توبہ سے دور ہوتا ہے، گناہ سے دل میں برائی کی اہمیت کم ہو جاتی ہے، گناہ سے دل سیاہ ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا أَذْنَبَ ذَنْبًا كَانَتْ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ فِي قَلْبِهِ، فَإِنْ تَابَ، وَنَزَعَ، وَاسْتَغْفَرَ صُقِلَ مِنْهَا، وَإِنْ زَادَ زَادَتْ حَتّٰى يُغَلَّفَ بِهَا قَلْبُهُ، فَذٰلِكَ الرَّانُ الَّذِي ذَكَرَ اللّٰهُ فِي كِتَابِهِ: ﴿كَلَّا بَلْ ۜ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رَانَ عَلٰی قُلُوبِهِمْ ﴾)) . (الترغيب والترهيب : ٤٧٥٢)

’’جب کوئی مؤمن گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نکتہ بن جاتا ہے، پھر جب وہ توبہ کرلیتا ہے اوراس سے باز آجاتا ہے اور استغفار کرتا ہے تو اس کا دل قلعی ہوجاتا ہے اور اگر مزید گناہ کرتا ہے تو وہ سیاہ دھبہ بھی بڑھ جاتا ہے حتیٰ کہ پورے دل کا احاطہ کرلیا جاتا ہے یہی وہ زنگ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے: ﴿ كَلَّا بَلْ سكتة رَانَ عَلٰی قُلُوبِهِمْ ﴾ (المطففين : ١٤) ’’بلکہ ان لوگوں کے دلوں پر ان کے برے اعمال کا زنگ چڑھ گیا ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ دین کی سمجھ اور عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

’’ محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ‘‘

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دنیا سے رخصت ہونے کے بعد ذکرِ خیر کی اہمیت

﴿وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴾ (الشعراء : ٨٤)

انسان اس دنیا میں آتا ہے اور اوسطاً ساٹھ ستر سال زندگی گزار کے چلا جاتا ہے، ان ساٹھ، ستر یا اسی سالوں میں وہ کیا کچھ کرتا ہے، کیا کیا گل کھلاتا ہے، کیا کیا پاپڑ بیلتا اور اچھل کود کرتا ہے، محنت و مشقت اور دوڑ دھوپ کرتا ہے، سعی جہدو جہد کرتا ہے، بڑے بڑے منصوبے بناتا ہے۔ اکڑتا اور اتراتا ہے۔ مسلز دکھاتا ہے، ہم چو ما دیگرے نیست کا نعرہ لگاتا ہے کہ مجھ جیسا کوئی نہیں، بڑے بڑے دعوے اور چیلنجز کرتا ہے، طاقت کے نشے میں مدہوش ہوکر ظلم و زیادتی کرتا ہے، دوسروں کو حقیر جانتا ہے، لوٹ کھسوٹ کرتا ہے، دھوکہ دہی کرتا ہے، لڑائی جھگڑا کرتا ہے، حق تلفی کرتا ہے اور بدزبانی کرتا ہے اور اس مختصر سی زندگی کو آرام دہ بنانے کے لیے زندگی بھر بے آرام رہتا ہے، بے چین و بے قرار رہتا ہے اور بالآخر وہ دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔

اور آدمی جب دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو وہ دو حالتوں میں سے کسی ایک حالت میں ہی رخصت ہوتا ہے، یا تو وہ مستریح ہوتا ہے یا مستراح منہ ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے:

((أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ مُرَّ عَلَيْهِ بِجَنَازَةٍ فَقَالَ مُسْتَرِيحٌ وَمُسْتَرَاحٌ مِنْهُ))

”آپ ﷺ کے پاس سے ایک جنازہ گزرا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ مستریح ہے یا مستراح منہ ہے۔“

((قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا الْمُسْتَرِيحُ وَالْمُسْتَرَاحُ مِنْهُ))

”لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ مستریح اور مستراح منہ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

کیا ہے؟''

((قَالَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ يَسْتَرِيحُ مِنْ نَصَبِ الدُّنْيَا وَأَذَاهَا إِلَى رَحْمَةِ اللَّهِ))

''فرمایا: بندۂ مؤمن دنیا کی مشقتوں اور تکلیفوں سے اللہ کی رحمت کی طرف راحت پاتا ہے۔''

((وَالْعَبْدُ الْفَاجِرُ يَسْتَرِيحُ مِنْهُ الْعِبَادُ وَالْبِلَادُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ)) (بخاري : ٦١٤٧)

''جبکہ فاجر آدمی کے دنیا سے رخصت ہونے سے لوگ، شہر، درخت اور جانور راحت اور آرام پاتے ہیں۔''

یہ دنیا دکھوں، تکلیفوں، مشقتوں اور پریشانیوں کا گھر ہے، یہاں کوئی انسان مکمل اور مسلسل راحت اور سکون پا ہی نہیں سکتا، جزوی اور وقتی راحت اگرچہ انسان کو گاہے بگاہے میسر آتی رہتی ہے مگر وہ بھی کامل اور مکمل ہرگز نہیں ہوتی۔

حقیقی، کامل اور مکمل راحت اس لیے نہیں ہوسکتی کہ اس دنیا میں ہر نعمت، ہر سہولت اور راحت کے ساتھ غم، پریشانی اور انجانے خوف کی آمیزش بھی موجود ہوتی ہے، حقیقی راحت صرف اور صرف جنت میں حاصل ہوگی کہ جہاں:

﴿وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾﴾ (البقره : ٦٢)

''نہ ڈر اور خوف ہوگا اور نہ غم اور حزن ہوگا۔''

اور پھر اس دنیا میں حقیقی راحت اس لیے بھی نہیں ہوسکتی کہ انسان کی تخلیق ہی اس انداز سے ہوئی ہے کہ اسے ہمیشہ مشقت میں رہنا ہے۔

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي كَبَدٍ ﴿٤﴾﴾ (البلد : ٤)

''درحقیقت ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے۔''

لہٰذا ہر انسان اس دنیا میں مشقت کی زندگی ہی گزارتا ہے، البتہ مشقت کے انداز مختلف

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

ہوتے ہیں، یوں تو زندگی کے ہر کام اور ہر شعبے میں مشقت کا ایک پہلو موجود ہوتا ہے، چاہے وہ کتنا ہی خوش کن اور من پسند کیوں نہ ہو، البتہ مشقت کے کچھ کاموں کا انتخاب انسان اپنی مرضی اور اپنی خواہش نفس سے کرتا ہے، جیسا کہ دین کے کاموں میں مشقت ہے، سب جانتے ہیں اور حدیث میں بھی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ وَحُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ))

(مسلم : ٥١٧٨)

''جنت کو ناپسندیدہ اور نفس پر ناگوار گزرنے والے کاموں سے گھیر دیا گیا ہے اور جہنم کو خواہشات نفس سے گھیر دیا گیا ہے۔''

مشقت، مشقت ہی ہوتی ہے، چاہے مزاج پر ناگوار گزرے یا جسم پر گراں گزرے بلکہ حقیقت میں مزاج پر گراں گزرنے والی مشقت زیادہ شدید ہوتی ہے۔تو دین کے کاموں میں یقیناً مشقت ہے۔

((وَإِنَّهُ لَيَسِيرٌ عَلَى مَنْ يَسَّرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ .)) (ترمذي : ٢٦١٦)

''البتہ اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے آسان بھی بنا دیتا ہے۔''

مگر دین کس کے لیے اور کب آسان بنایا جاتا ہے یہ ایک دوسرا موضوع ہے۔

تو دین کا راستہ مشقت کا راستہ ہے، مگر دوسری طرف دنیا کا راستہ بھی، جو کہ بظاہر بڑا خوش کن، پرکشش اور راحت بخش نظر آتا ہے جو بڑا میٹھا اور سرسبز ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ:

((اِنَّ الدُّنْيَا حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ)) (مسلم : ٢٧٤٢)

''دنیا بڑی شیریں اور سرسبز ہے۔''

حقیقت میں بڑا مشکل، کٹھن، بامشقت، تکلیف دہ اور جسم و جاں کو جھنجھوڑ کے رکھ دینے والا ہے۔دنیا حاصل کرنے کے لیے بھی انسان کو خوب مشقت اٹھانا پڑتی ہے۔مزدور کو دیکھ لیں، کاریگر کو دیکھ لیں، دوکاندار کو دیکھ لیں، ٹرک ڈرائیور کو دیکھ لیں، پولیس آفیسر کو دیکھ لیں،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حتی کہ صدر اور وزیر اعظم کو دیکھ لیں، ہر طرف مشقت ہی مشقت ہے اور سراسر مشقت ہے۔ اگر کہیں جسمانی مشقت نہیں ہے تو وہاں ذہنی مشقت ضرور ہے اور اگر اور کچھ نہیں تو کاروبار اور مال و دولت کے نقصان اور چھن جانے کا ڈر اور خوف ضرور موجود ہوتا ہے۔

تو بات ہو رہی تھی کہ دنیا کے ہر کام، ہر معاملے اور ہر شعبے میں مشقت ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق ہی ایسی فرمائی ہے کہ وہ زندگی بھر مشقت میں رہے گا، البتہ مشقت والے کاموں کا انتخاب انسان اپنی مرضی سے کرتا ہے، کوئی آخرت کی کامیابی کا راستہ اختیار کرتا ہے اور کوئی دنیا کی کامیابی کا راستہ۔ مشقت دونوں میں ہے، آسان کوئی نہیں ہے۔

اور جہاں یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان اپنی مرضی سے مشقت والے راستے کا انتخاب کرتا ہے۔ وہاں یہ بھی اک حقیقت ہے کہ جس طرح دولت اللہ کی تقسیم ہے اسی طرح دین بھی اللہ کی تقسیم ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ قَسَمَ بَيْنَكُمْ أَخْلَاقَكُمْ ، كَمَا قَسَمَ بَيْنَكُمْ أَرْزَاقَكُمْ))

(صحيح الترغيب والترهيب : ١٥٧١)

''اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان تمہارے اخلاق تقسیم کیے جس طرح تمہارے درمیان تمہارے رزق تقسیم کیے۔''

((وَإِنَّ اللّٰهَ يُؤْتِي الْمَالَ مَنْ يُحِبُّ وَمَنْ لَا يُحِبُّ، وَلَا يُؤْتِي الْإِيْمَانَ إِلَّا مَنْ أَحَبَّ))

''اور اللہ تعالیٰ دنیا جسے پسند کرتا ہے اسے دیتا ہے اور جسے پسند نہیں کرتا اسے بھی دیتا ہے، مگر ایمان صرف اسے دیتا ہے جسے پسند کرتا ہے۔''

تو جس کے حصے میں ایمان اور اخلاق نہیں آئے، اسے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ نہیں جانا چاہیے بلکہ ان کے حصول کے لیے مقدور بھر کوشش کرنی چاہیے، جس طرح کہ وہ رزق کے لیے کوشش کرتے ہیں، کوئی شخص یہ جان کر کہ رزق تو اللہ نے تقسیم کر رکھا ہے، محنت و مشقت اور جدوجہد ترک نہیں کر دیتا، بلکہ ضرورت سے زیادہ محنت کرتا ہے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہاں جو لوگ آئے ہیں تو رزق کی تلاش ہی میں آئے ہیں، انہوں نے محنت کی، حالات بہتر ہوئے اور اب وہ دوسروں کے لیے بہتری کا ذریعہ بن رہے ہیں۔

تو بات یہاں سے شروع ہوئی تھی کہ دنیا سے رخصت ہونے والا ہر انسان ان دو حالتوں میں سے کسی ایک میں ضرور ہوتا ہے، ایک وہ جو اس دنیا سے رخصت ہو کر، فوت ہو کر دنیا کی تنگیوں، تکلیفوں، مصیبتوں اور پریشانیوں سے چھٹکارا حاصل کر کے اللہ کی رحمت میں آرام وسکون اور راحت پاتا ہے اور دوسرا وہ کہ جس کے جانے سے دنیا والے سکھ کا سانس لیتے ہیں، انسان تو انسان، شہر، محلے اور گلی کوچوں کی رونق اور امن و امان واپس آجاتا ہے۔ درخت بھی ان کی نحوست سے چھٹکارا پاتے ہیں حتی کہ جانوروں کو بھی امان مل جاتی ہے اور راحت پاتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ المستریح یعنی راحت پانے والا سے مراد کون لوگ ہیں، کیونکہ دنیا کی تنگیوں، تکلیفوں، مصیبتوں پریشانیوں اور مشقتوں کا سامنا تو سبھی کو کرنا پڑتا ہے، نیک ہو، بد ہو، مسلم ہو، کافر ہو، اس لیے اس سے یقیناً کچھ خاص لوگ ہی مراد ہیں، مگر وہ کون ہیں؟ وہ ہے بندۂ مؤمن، یعنی ایک ایسا مسلمان جو حقیقی معنوں میں دیندار ہو، جو فرائض و واجبات کا پابند ہو۔ سنتوں کو بھی حتی المقدور بجالانے کی کوشش کرتا ہو اور حرام سے اجتناب کرتا ہو، تو وہ اللہ کی رحمت میں راحت پاتا ہے۔

اور وہ راحت کیسی ہوتی ہے؟ اب اسے دنیا والوں کی طرف سے کوئی تکلیف اور اذیت پہنچنے کا ڈر نہیں ہوتا۔ دنیا میں کچھ بھی ہوجائے، اب اسے کوئی غم نہیں پہنچنے والا، کوئی افسوس نہیں ہونے والا، اور قبر میں اس کے ساتھ معاملہ کچھ یوں ہوتا ہے کہ جب وہ منکر اور نکیر کے سوالوں کے صحیح صحیح جواب دے لے گا تو

((يُفْسَحُ لَهُ فِي قَبْرِهِ سَبْعُونَ ذِرَاعًا فِي سَبْعِينَ))

''اس کی قبر ستر ہاتھ فی ستر ہاتھ کشادہ کر دی جاتی ہے۔''

اور ایک ہاتھ یعنی ایک ذراع تقریباً ۴۸ سینٹی میٹر کا ہوتا ہے، یعنی تقریباً ۳۳ میٹر فی ۳۳

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میٹر اس کی قبر کشادہ کر دی جاتی ہے۔

((ثُمَّ يُنَوَّرُ لَهُ فِيهِ))

''پھر اس کی قبر منور کر دی جاتی ہے۔''

((ثُمَّ يُقَالُ لَهُ: نَمْ))

''پھر اس سے کہا جاتا ہے: سو جاؤ۔''

تو آدمی یہ سارا پروٹوکول دیکھ کر، یہ عزت واحترام اور راحت وآرام دیکھ کر کہتا ہے:

((فَيَقُوْلُ: أَرْجِعُ إِلَي أَهْلِي فَأُخْبِرُهُمْ))

''تو وہ کہتا ہے: میں اپنے گھر والوں کے پاس جا کر ان کو بتاتا ہوں۔''

یعنی اللہ کی رحمت اور اس کے انعام واکرام کے بارے میں بتاتا ہوں جو مجھے ملا ہے۔

((فَيَقُولَانِ نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوسِ))

''تو منکر نکیر اس سے کہتے ہیں، اب تو دلہن کی طرح سو جاؤ۔''

((الَّذِي لَا يُوقِظُهُ إِلَّا أَحَبُّ أَهْلِهِ إِلَيْهِ)) (ترمذي : ١٠٧١)

''کہ جسے اس کے گھر والوں میں سے سب سے عزیز ترین شخص ہی آکے جگاتا ہے۔''

تو اندازہ کریں! دنیا کے جھنجٹوں اور جھمیلوں سے، دکھوں اور تکلیفوں سے پائی جانے والی راحت کو دلہن کی نیند سے تشبیہ دی گئی ہے۔

گویا کہ انتہائی خوشی اور بے فکری کی نیند ہوگی، ایسی راحت والی نیند دنیا میں کب کسی کو نصیب ہوتی ہے، دنیا میں خوشی اور سکون کی نیند تو کیا نصیب ہوگی، سرے سے نیند کا وقت ہی نہیں ملتا، کچھ لوگوں پر کام کی ایسی دھن سوار ہے کہ بمشکل تین چار گھنٹے سوتے ہیں اور پھر چل سو چل، کام، کام اور کام اور کچھ دوسرے ہیں کہ سونا چاہتے ہیں مگر کاروبار کی فکر سونے نہیں دیتی، ایک دوست بتاتے ہیں کہ ساری رات بستر پر لیٹے حساب کرتے کرتے گزر جاتی ہے اور سو نہیں پاتا۔

تو دنیا میں پرسکون نیند کا تصور نہیں ہے اور کچھ نہ ہو تو رات بھر پراگندہ خواب اسے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پریشان کرتے رہتے ہیں اور سونے نہیں دیتے مگر بندۂ مومن کو دنیا سے رخصت ہو کر، دنیا کی تکلیفوں اور اذیتوں سے نجات پانے کے بعد ایسی راحت نصیب ہوتی ہے جسے دلہن کی نیند سے تشبیہ دی گئی ہے۔

تو ہمیں اس گفتگو سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ دنیا سے رخصت ہو کر دنیا کی تکلیفوں اور اذیتوں سے اللہ کی رحمت میں راحت پانے والے کون لوگ ہیں۔

اب رہے وہ لوگ کہ جو جب دنیا سے رخصت ہوتے ہیں تو دنیا ان سے راحت پاتی ہے، لوگ ان کی اذیتوں سے نجات پاتے اور سکھ کا سانس لیتے ہیں، وہ کون لوگ ہیں!

اس سے پہلے کہ ہم ان لوگوں کے بارے میں جانیں اور پھر اپنے اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھیں کہ ہمارا شمار کس گروہ میں ہوتا ہے، اس بات پر غور کرتے ہیں کہ اس حدیث میں آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ لوگ کہ جن کے جانے سے دنیا خوش ہوتی ہے، سکھ کا سانس لیتی ہے، وہ بھی دنیا کی مصیبتوں سے چھٹکارا پا لیتے ہیں، جبکہ دنیا تکلیفوں اور مشقتوں کا گھر تو سب کے لیے ہے، تو اس کی ایک وجہ تو شاید یہ ہے کہ دنیا کی اذیتیں کچھ تو غربتوں، بیماریوں اور قدرتی آفات کی صورت میں ہوتی ہے اور کچھ وہ ہوتی ہیں جو معاشرے کے طاقتور افراد کی طرف سے آتی ہیں، لوگ عموماً اپنی قوت و طاقت، اپنی قدرت وصلاحیت اور اپنے اختیارات کا ناجائز فائدہ اٹھا کر معاشرے کے کمزور طبقے کو ظلم وستم کا نشانہ بناتے ہیں اور اس میں لذت اور سرور پاتے ہیں، تو اس لحاظ سے دنیا میں دو قسم کے لوگ ہی ہوئے، ایک اذیت پہنچانے والے اور دوسرے اذیت سہنے والے، تو چونکہ ان کا نام اذیت پہنچانے والوں میں آتا ہے اس لیے اس کا ذکر نہیں کیا گیا۔

اور مرنے کے بعد ان کے راحت پانے اور نہ پانے کا ذکر اس لیے نہیں کیا گیا کہ دنیا میں ان کے طرزِ عمل کے نتیجے میں مرنے کے بعد ان کا انجام واضح ہے۔

اب آیئے ذرا ان لوگوں کے بارے میں جانتے ہیں کہ جن کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد دنیا والے سکھ کا سانس لیتے اور راحت پاتے ہیں، ذرا اندازہ کیجیے کہ وہ کس قدر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بدنصیب، بدبخت، ظالم، شریر اور سرکش قسم کے لوگ ہوں گے، وہ گویا کوئی اس طرح کے لوگ ہوں گے کہ:

((قُلُوبُهُمْ قُلُوبُ الشَّيَاطِينِ فِي جُثْمَانِ إِنْسٍ)) (مسلم: ۱۸٤۷)

''کہ انسانی جسموں میں شیطان کا دل رکھنے والے۔''

کہ ان کے دنیا سے جانے سے نہ صرف انسان راحت پاتے ہیں، بلکہ شہر، درخت اور جانور بھی راحت پاتے ہیں۔ انہوں نے کس طرح دنیا میں تہلکہ مچا رکھا ہوگا اور فتنہ وفساد برپا کر رکھا ہوگا، ان کے ظلم وستم اور گناہوں کی نحوست نے کس طرح پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہوگا کہ بے جان مخلوقات بھی ان کے شر سے محفوظ نہ رہ سکیں۔

تو وہ لوگ کون ہیں؟ آپ ﷺ نے ان کی پہچان کچھ یوں بیان فرمائی کہ:

((وَالْعَبْدُ الْفَاجِرُ))

''اور فاجر انسان۔''

اور لفظ فاجر کی تعریف یہ ہے کہ ایسا شخص جو کبیرہ گناہوں کا بے دریغ، بے جھجک اور علی الاعلان ارتکاب کرتا ہو، وہ ہاتھ اور پاؤں سے ہوں، آنکھوں اور کانوں سے ہوں یا زبان سے ہوں، فاجر کہلاتا ہے، وہ گناہ کسی بھی نوعیت کے ہو سکتے ہیں، مگر اذیت رسانی کے حوالے سے تو اک واضح اشارہ حدیث میں موجود ہے۔

اب آیئے اپنے اپنے گریبانوں میں جھانکیں اور دیکھیں کہ ہمارا شمار کس گروہ میں ہوتا ہے اور ایمانداری سے اس کا جائزہ لیں، کیونکہ ڈنڈی مارنے سے صرف اور صرف اپنے آپ کو ہی نقصان پہنچا سکتے ہیں اور دوسرے یہ کہ یہ جاننا ضروری بھی ہے، کیونکہ دنیا سے رخصت ہونے والے ہر انسان کی ان دو حالتوں میں سے کوئی ایک حالت ضرور ہوتی ہے، آپ کون سی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہونا چاہتے ہیں؟ فیصلہ کیجیے، جائزہ لیجیے اور اصلاح کیجیے۔

یقیناً ہر انسان چاہے گا کہ اس کا شمار راحت پانے والے لوگوں کی قسم میں ہو اور یہ ایک فطری خواہش ہے اگرچہ طرزِ عمل اس کے برعکس بھی ہو۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ جانتے ہیں کہ آدمی جب دنیا میں آتا ہے تو خالی ہاتھ آتا ہے مگر جب جاتا ہے تو بہت کچھ ساتھ لے کے جاتا ہے اور بہت کچھ پیچھے چھوڑ کے جاتا ہے۔

پیچھے کیا چھوڑ کے جاتا ہے؟ غیر منقولہ جائیداد۔ آپ دنیا کی اصطلاح میں منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد کا مطلب تو سمجھتے ہیں۔ منقولہ جائیداد سے مراد وہ جائیداد ہے جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کی جا سکتی ہے۔ جیسے غلہ، زیور، نقدی اور دیگر ساز و سامان وغیرہ ہے اور غیر منقولہ وہ جائیداد ہے جو ایک جگہ سے دوسری جگہ ٹرانسفر نہ کی جا سکتی ہو جیسے زمین اور مکان وغیرہ۔ مگر دینی اصطلاح میں تمام منقولہ جائیداد اور اثاثے بھی غیر منقولہ ہی ہوتے ہیں اور اس کی جگہ معنوی اثاثے اور جائیداد منقولہ جائیداد ہوتے ہیں۔

تو دینی اصطلاح میں انسان اپنی تمام غیر منقولہ جائیداد یہیں چھوڑ کر جاتا ہے جس میں نقدی بھی ہے، زیور بھی ہے، غلہ بھی ہے، گاڑیاں اور کوٹھیاں بھی ہیں، زمینیں بھی ہیں، فارم ہاؤسز بھی ہیں اور کاروبار بھی ہیں، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ تَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ﴾ (الانعام: ٩٤)

''لو اب تم ویسے تنِ تنہا ہمارے سامنے حاضر ہو گئے، جیسا ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ اکیلا پیدا کیا تھا، جو کچھ ہم نے تمہیں دنیا میں دیا تھا، وہ سب تم پیچھے چھوڑ آئے ہو!''

تو انسان تمام غیر منقولہ جائیداد یہیں چھوڑ جاتا ہے اور صرف منقولہ جائیداد ساتھ لے کر جاتا ہے اور وہ کیا ہے؟ وہ ہے تقویٰ، خلوص، للّٰہیت، حسنات اور اعمال صالحہ۔

﴿لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ۭ﴾

(الحج: ٣٧)

''نہ ان کے گوشت اللہ کو پہنچتے ہیں اور نہ خون، مگر اسے تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔''

یہ ہے منقولہ جائیداد جو انسان اپنے ساتھ لے کر جا سکتا ہے اور منقولہ جائیداد میں اچھے

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

اعمال بھی ہیں اور برے اعمال بھی۔

تو منقولہ جائیداد اگرچہ انسان اپنے ساتھ لے کے جاتا ہے، مگر اس کا اک اثر پیچھے بھی رہ جاتا ہے اور وہ ہے اچھی شہرت یا بری شہرت، نیک نامی یا بدنامی، لوگوں کی دعائیں یا بددعائیں۔ اور ہر آدمی یقیناً اچھی شہرت، نیک نامی اور لوگوں کی دعائیں ہی چاہے گا، مگر ان کے حصول کے لیے خواہش اور عمل میں مطابقت ضروری ہے، ورنہ ڈر یہ ہے کہ کہیں زبانِ خلق، قول وعمل میں تضاد کا پردہ چاک نہ کردے۔

اور یہ اک حقیقت ہے کہ لوگ ایک دوسرے کے حق میں یا ان کے خلاف زمین پر اللہ کے گواہ ہیں، جیسا کہ حدیث میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

((أَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِي الْأَرْضِ)) (مسلم: ٩٤٩)

"تم زمین پر اللہ کے گواہ ہو۔"

اور کسی شاعر (ذوق) نے اس حقیقت کو اپنے الفاظ میں یوں بیان کیا:

بجا کہے جسے عالَم اسے بجا سمجھو
زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو

دنیا سے رخصت ہونے کے بعد ذکر خیر کی اہمیت کیا ہے، یہ اک تفصیل طلب بات ہے، مگر اس ایک بات سے اس کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے خصوصی طور پر دعاء کرتے ہیں کہ:

﴿وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴾ (الشوریٰ: ٨٤)

"اور بعد کے آنے والوں میں مجھے سچی ناموری اور ذکر خیر عطا فرما۔"

لہٰذا ضروری ہے کہ ہم بھی اس کی اہمیت کو سمجھیں کہ کسی نے کیا خوب کہا ہے،

سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا
کہتی ہے تجھ کو خلقِ خدا غائبانہ کیا

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زندگی وہ جو دوسروں کے لیے بامنفعت ہو

﴿وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ﴾ (الرعد : ۱۷)

دنیا میں انسان کا وُرُود، اس کا قیام اور رخصت و رحلت اک نہایت ہی سنجیدہ اور قابل غور وفکر معاملہ ہے، اگرچہ دنیا والے اسے چنداں قابل التفات نہیں سمجھتے، مگر حقیقت یہ ہے کہ اسے کسی صورت نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔

انسان کے اس دنیا میں وارد ہونے کو مختلف پیرائیوں، مختلف پہلوؤں اور مختلف مفاہیم میں بیان کیا گیا ہے اور اس کا ہر پہلو اور ہر مفہوم نہایت ہی اہمیت کا حامل ہے۔

جیسا کہ اس دنیا میں انسان کی آمد کو کبھی اس انداز میں ذکر کیا گیا ہے کہ:

﴿هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ①﴾

(الدھر : ۱)

''کیا انسان پر زمانے کا ایک ایسا وقت بھی گزرا ہے جب وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا یعنی یقیناً ایک ایسا وقت بھی گزرا ہے۔''

اور کبھی یوں ذکر ہوا کہ:

﴿اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ⑪⑤﴾

(المؤمنون : ۱۱۵)

''کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم نے تمہیں فضول ہی پیدا کیا ہے اور تمہیں ہماری طرف کبھی پلٹنا ہی نہیں ہے۔''

اور کبھی یوں فرمایا گیا:

﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ㊳﴾ (الدخان : ۳۸)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''اور آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزیں ہم نے کچھ کھیل کے طور پر نہیں بنا دی ہیں۔''

اور کبھی یوں بیان ہوا کہ:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴿٥٦﴾﴾ (الذاریات : ٥٦)

''میں نے جنوں اور انسانوں کو اس کے سوا کسی کام کے لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔''

تو قرآن پاک میں انسان کی تخلیق اور اس دنیا میں اس کی آمد کی حکمت اور مقصدیت جا بجا بیان کی گئی ہے، اسی طرح دیگر متعدد مقامات پر اس کے اس دنیا میں قیام کی مدت، کیفیت اور حیثیت کا ذکر بھی کیا گیا ہے اور پھر آخر میں اس کے اس دنیا سے کوچ کی حقیقت اور اس کا منظر بھی بیان کیا گیا ہے۔

تو معنی یہ ہوا کہ انسان کا اس دنیا میں آنا، یہاں ٹھہرنا اور پھر رخصت ہونا بہت ہی اہمیت کے پہلو ہیں جو اپنے اندر حکمت و مقصدیت رکھتے ہیں اور دعوتِ غور و فکر دیتے ہیں۔

دو جمعے پہلے ہم نے انسان کے اس دنیا سے رخصت ہونے کے بارے میں جانا کہ دنیا سے کوچ کرتے وقت انسان دو حالتوں میں سے کسی ایک حالت میں ضرور ہوتا ہے، تیسری کوئی حالت اور صورت نہیں ہوتی، یا تو وہ مستریح ہوتا ہے یا مستراح منہ ہوتا ہے اور یہ دونوں حالتیں دنیا میں اس کے قیام کے حوالے سے ہوتی ہیں کہ دنیا میں اس کا قیام کیسا رہا۔

دنیا میں انسان کا قیام کیسا ہونا چاہیے، اس کے کئی ایک پہلو ہیں، اس کا ایک پہلو تو مدت کے لحاظ سے ہے کہ مدت کے حوالے سے کس انداز سے رہنا چاہیے۔

دنیا میں انسان کے قیام کی مدت اگرچہ اللہ تعالیٰ کے ہاں معین و مقرر ہے، مگر انسان کو اس کے تعین کا علم نہ ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت مختصر بھی ہے، بالخصوص آخرت کی دائمی زندگی کے مقابلے میں تو اس کی کوئی ریشو بنتی ہی نہیں، تو پھر ایسی صورت میں انسان کا قیام اس دنیا میں کیسا ہونا چاہیے، یقیناً ایسا ہی جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ)) (بخاري: ٦٤١٦)

''دنیا میں اس طرح زندگی گزارو گویا کہ تم اجنبی ہو بلکہ مسافر ہو۔''

اور ایسا طرز زندگی انسان کو حقیقت اور مقصدیت کے قریب تر کر دیتا ہے، جبکہ طول الامل والی سوچ کے ساتھ زندگی گزارنا، یعنی دل میں لمبی لمبی امیدیں بسا کر زندگی گزارنا انسان کو حقیقت اور آخرت سے دور کر دیتا ہے، اور اک مصنوعی اور سراب والی زندگی بسر کرواتا ہے جو کہ سراسر خسارہ ہی خسارہ ہے۔

دنیا میں قیام کے حوالے سے لوگ مختلف خیالات ونظریات اور افکار وآراء رکھتے ہیں، ایک جو بہت مشترک اور مشہور خیال، نظریہ اور سوچ ہے، وہ یہ ہے کہ دنیا عیش ومستی کا مقام ہے۔ چنانچہ کھاؤ پیو اور خوب عیش ومستی کرو، اچھلو کودو، ناچو گاؤ، مزے اڑاؤ اور جو جی میں آئے کرتے جاؤ۔

جیسا کہ سلطنت مغلیہ کے بانی، مغل بادشاہ ظہیرالدین بابر نے کہا تھا:

''بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست''

''بابر! عیش ومستی کی سعی وجہد میں لگا رہ کہ یہ دنیا دوبارہ ملنے والی نہیں ہے۔''

تو دنیا میں قیام کے حوالے سے یہ نظریہ اور سوچ صرف بابر کی حد تک محدود نہیں ہے، بلکہ لوگوں کی غالب اکثریت اسی سوچ کی حامل ہے اور اسی پر عمل پیرا ہے اور ان کی تمام کوششیں اسی سوچ کی عکاسی کرتی ہیں، چنانچہ شاعر حضرات اپنے شعروں میں، میڈیا اپنے پروگراموں میں اور عوام اپنے طرز عمل میں اس کا اظہار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، جبکہ یہ نظریہ انتہائی سطحی، بے مقصد اور جہالت ونادانی پر مبنی ہے اور ٹیڑھی سوچ کا حامل ہے، اس نظریئے کی بنیاد حقیقت میں مادہ پرستی اور نفس پرستی ہے، کوئی سلیم الفطرت انسان کبھی بھی اس نظریے کا قائل نہیں ہوسکتا، کیونکہ انسان کی تخلیق اور کائنات کا وجود میں آنا بے مقصد نہیں ہے، انسان کو زندگی عطا ہونا اور ایک مدت کے لیے اس کا دنیا میں بسایا جانا بے معنی نہیں ہے۔

تو خیر! بات ہو رہی تھی کہ دنیا میں انسان کا قیام کیسا ہونا چاہیے، تو اس کے متعدد

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

پہلوؤں میں سے ایک پہلو مقصدیت اور افادیت کے حوالے سے ہے، جو کہ ہمارا آج کا اصل موضوع ہے۔

بامقصد اور مفید زندگی گزارنا مطلوب ومقصود بھی ہے اور انسان کی عقلمندی، دور اندیشی، وسعتِ ظرفی، کامیابی اور عظمت کی دلیل بھی ہے۔

بامقصد زندگی کا مطلب تو آپ سمجھتے ہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی زندگی کا جو مقصد بیان فرمایا ہے اس کے مطابق زندگی گزارنا اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا، عبادت کا مفہوم بہت وسیع ہے اور وہ زندگی کے تمام معاملات اور شعبوں کو محیط ہے۔

مفید زندگی گزارنا بھی اگرچہ عبادت کے مفہوم میں شامل ہے مگر اس سے ایک مخصوص معنی بھی مراد ہے، اور وہ ہے کہ لوگوں کے لیے مفید ہونا، ان کے کام آنا، ان کے لیے فائدہ مند ہونا۔

ان معنوں میں مفید زندگی گزارنا اسلام کے امتیازی محاسن اور خوبیوں میں سے ایک ہے، کہ جس قدر اسلام اس بات کی تاکید کرتا اور ترغیب دیتا ہے، اس کا اجر وثواب بتلاتا ہے اور انعامات سے نوازتا ہے کسی اور دین و مذہب میں نہیں ملتا۔

یہ افادیت جہاں ایک طرف معاشرتی زندگی کی ضرورت ہے، وہاں دوسری طرف آدمی کی خوبیوں میں نکھار پیدا کرتی اور معاشرے میں اسے بلند مقام عطا کرتی ہے اور اللہ کے ہاں بڑے بڑے اجر و انعامات کا مستحق بھی ٹھہراتی ہے اور ایک بہت بڑے اعزاز کا مستحق بناتی ہے اور وہ ہے اللہ کی محبت کہ اللہ کی محبت کا حقدار بناتی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((أَحَبُّ النَّاسِ إِلَى اللّٰهِ أَنْفَعُهُمْ لِلنَّاسِ)) (صحيح الترغيب : ٢٦٢٣)

”اللہ کے ہاں سب سے پسندیدہ اور محبوب لوگ وہ ہیں جو لوگوں کے لیے سب سے زیادہ فائدہ مند ہوتے ہیں۔“

لوگوں کے لیے فائدہ مند ہونا ضروری کیوں ہے، نفع پہنچانے کی کیا کیا صورتیں ہوسکتی

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ہیں اور آدمی کو اس کے مقابل دنیا و آخرت میں کیا کیا فوائد حاصل ہو سکتے ہیں، جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

لوگوں کو نفع پہنچانے کی بہت سی صورتوں سے تو ہر شخص اپنے معاشرتی تجربات و مشاہدات اور معاملات کی روشنی میں بہت حد تک آگاہ ہے اور قرآن و حدیث میں بھی ان کا جا بجا ذکر ملتا ہے اور ان کی تاکید کی گئی ہے، ان میں سے آج کی گفتگو میں ان شاء اللہ چند ایک کا ذکر کریں گے۔

مگر سب سے پہلے لوگوں کو فائدہ پہنچانے کی سب سے بنیادی، سب سے اہم اور کم از کم صورت اور شکل کے بارے میں جانتے ہیں کہ جس سے شاید اکثر لوگ واقف نہ ہوں اور وہ یہ ہے کہ کسی کو تکلیف نہ پہنچانا۔

کسی مسلمان کا آپ کے شر سے محفوظ رہنا، اسے فائدہ پہنچانے کے مترادف ہے اور یہ ایک مسلمان کی بنیادی خوبی ہے اور معاشرتی زندگی میں اُس سے کم از کم مطلوب چیز ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ)) (مسلم: ٤١)

"مسلمان وہ ہے کہ دوسرے مسلمان جس کی زبان اور ہاتھ سے محفوظ رہیں۔"

اور تکلیف نہ پہنچانا باقاعدہ اک عمل ہے، یعنی اک سچا مسلمان اس بات کا اہتمام کرتا ہے کہ کسی کو اس سے تکلیف نہ پہنچے اور تکلیف کی دو معروف صورتیں تو یہی ہیں جن کا حدیث میں ذکر ہوا ہے کہ زبان سے یا ہاتھ سے، یعنی زیادہ تر تکلیف انہی دو ذرائع سے پہنچائی جاتی ہے، مگر ان کے علاوہ کچھ اور صورتیں بھی ہیں، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ أَكَلَ مِنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ الثُّومِ وَالْبَصَلِ وَالْكُرَّاثِ فَلَا يَقْرَبْنَا فِي مَسَاجِدِنَا))

"جو کوئی لہسن پیاز اور گندنا (ہرا پیاز) کھائے تو ہماری مسجدوں میں ہمارے پاس نہ آئے۔"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَتَأَذَّى مِمَّا يَتَأَذَّى مِنْهُ الْإِنْسُ .)) (نسائی : ۷۰۷)

''کہ جس چیز سے انسانوں کو اذیت پہنچتی ہے اس سے فرشتوں کو بھی تکلیف پہنچتی ہے۔''

اور ایک روایت میں ہے کہ:

((وَلْيَقْعُدْ فِي بَيْتِهِ .))

''وہ اپنے گھر میں بیٹھا رہے۔''

اب اندازہ کریں، لوگوں کو اذیت سے بچانے کے لیے کس قدر شدید الفاظ میں ممانعت کی گئی ہے۔ حالانکہ یہ وہ چیزیں ہیں جو کہ انسان کی ضرورت کی چیزیں ہیں، کھانے کی چیزیں ہیں، جائز اور حلال ہیں چہ جائیکہ کہ کوئی شخص سگریٹ پی کر مسجد میں آجائے اور سگریٹ کی بدبو کس قدر تکلیف دہ اور اذیت ناک ہوتی ہے۔ یہ صرف وہی لوگ جان سکتے ہیں جو سگریٹ نہیں پیتے۔

بلکہ ایک صاحب کو جانتا ہوں جو کبھی چین سموکر تھے اور ایک لمبا عرصہ سگریٹ نوشی کرتے رہے، اب جو انہوں نے سگریٹ نوشی چھوڑی تو ان کا کہنا ہے کہ اب مجھے احساس ہوا ہے کہ سگریٹ کتنی بدبودار چیز ہے۔

اور یہاں اس مسجد میں میں نے کئی بار مشاہدہ کیا ہے کہ ایک صاحب جو سگریٹ نوشی کرتے ہیں، جب لوگ ان کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہیں، وہ بعد میں بدبو کی شکایت کرتے ہیں اور کئی بار تو ایسے بھی ہوا کہ لوگ ان کے پاس سے اٹھ کر دوسری جگہ جا بیٹھتے ہیں۔

تو کسی کو فائدہ پہنچانے کے حوالے سے کم از کم اور سب سے پہلی بات یہ ہے کہ کسی کو تکلیف نہ پہنچائیں، بلکہ اس سلسلے میں یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ کا ایک خوبصورت اور زریں قول یہ ہے کہ:

''لِيَكُنْ حَظُّ الْمُؤْمِنِ مِنْكَ ثَلَاثَةٌ''

''تمہاری طرف سے کسی بھی مسلمان کے نصیب میں یہ تین چیزیں ہونی چاہیں۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"إِنْ لَمْ تَنْفَعْهُ فَلَا تَضُرَّهُ."

"اگر تم اسے فائدہ نہیں پہنچا سکتے تو نقصان بھی نہ پہنچاؤ۔"

"وَإِنْ لَمْ تُفْرِحْهُ فَلَا تَغُمَّهُ"

"اگر تم اسے خوشی نہیں پہنچا سکتے تو غمزدہ بھی نہ کرو۔"

"وَإِنْ لَمْ تَمْدَحْهُ فَلَا تَذُمَّهُ" (جامع العلوم والحكم، لا تحاسدوا ، ص : ٧٣٠)

"اور اگر تم اس کی مدح اور تعریف نہیں کر سکتے تو اس کی مذمت اور برائی بھی نہ کرو۔"

اور ایسے ہی فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وَاللَّهِ مَا يَحِلُّ لَكَ أَنْ تُؤْذِي كَلْبًا وَلَا خِنْزِيرًا بِغَيْرِ حَقٍّ فَكَيْفَ تُؤْذِي مُسْلِمًا" (مكارم الأخلاق للخرائطي : ٤٧٢)

"اللہ کی قسم تمہارے لیے جائز نہیں ہے کہ تم کسی کتے یا خنزیر کو ناجائز تکلیف پہنچاؤ پھر کسی مسلمان کو کیسے تکلیف پہنچاتے ہو۔"

کسی مسلمان کو اذیت پہنچانے پر کس قدر شدید وعید احادیث میں وارد ہوئی ہے، ملاحظہ کیجیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ آذَى الْمُسْلِمِيْنَ فِيْ طُرُقِهِمْ وَجَبَتْ عَلَيْهِ لَعْنَتُهُمْ))

(السلسلة الصحيحة : ٢٢٩٤)

"جس نے مسلمانوں کو ان کے راستوں میں تکلیف پہنچائی، اس پر ان کی لعنت واجب ہو گئی۔"

اس حدیث کی روشنی میں ہم اپنے طرز عمل پر غور کریں، اپنے معاشرتی رویوں کو دیکھیں تو تعجب ہوتا ہے کہ لوگ کس طرح احتجاج کے نام پر کئی کئی ہفتے اور کئی کئی مہینے راستے بلاک کیے رکھتے ہیں، کسی مسلمان کو نیکی اور خیر خواہی کے جذبے کے تحت بھی اذیت اور تکلیف سے دوچار کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اب نماز جمعہ کے لیے پہلی صفوں میں آ کر بیٹھنا یقیناً ایک اچھا عمل ہے، مگر لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے آنا اذیت دینا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے:

((أَنَّ رَجُلًا دَخَلَ الْمَسْجِدَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَخْطُبُ، فَجَعَلَ يَتَخَطَّى النَّاسَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِجْلِسْ فَقَدْ آذَيْتَ وَ آنَيْتَ.)) (ابن ماجة: ١١١٥)

"ایک شخص جمعہ کے روز مسجد میں داخل ہوا، اور آپ ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، اور وہ گردنیں پھلانگتا جا رہا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ، اذیت دے رہے ہو اور لیٹ آئے ہو۔"

نیکی کے جذبے سے تکلیف نہ پہنچانے کا ایک اور حکم ملاحظہ فرمایئے، حضرت عکرمۃ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ، ابوجہل کے بیٹے اور ابوجہل نے آپ ﷺ کو کیا کیا اذیتیں نہیں پہنچائی تھیں، آپ جانتے ہیں، چنانچہ بعض صحابہ کرام حضرت عکرمۃ رضی اللہ عنہ کو ابن عدو اللہ کہا کرتے تھے، چنانچہ انہوں نے آپ ﷺ کے حضور اس بات کا شکوہ کیا، تو آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

((لَا تُؤْذُوْا مُسْلِمًا بِشَتْمِ كَافِرٍ)) (صحيح الجامع: ٧١٩١)

"کسی کافر کو برا بھلا کہہ کر مسلمان کو اذیت نہ دو۔"

تو کسی بھی مسلمان کو اپنے شر اور اذیت سے بچانے کا اہتمام کرنا ہر مسلمان سے مطلوب ہے اور یہ فائدہ پہنچانے کی پہلی صورت ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مفید زندگی وہ جو دوسروں کے لیے مفید ہو

﴿ وَ اَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ ﴾ (الرعد : ۱۷)

اللہ تعالیٰ نے کائنات بنائی اور اس کا ایک ایک ذرہ نہایت ہی مناسب اور موزوں اور متناسب ومتوازن بنایا، کوئی ایک ذرہ بھی بے مقصد، بے کار، بے محل، فضول اور عبث نہیں بنایا، کہیں کوئی کجی اور ٹیڑھ نہیں، خامی اور خلل نہیں، انسان کی تخلیق ہو یا دیگر مخلوقات کا وجود، ہر ایک چیز کو کامل، مکمل، بامقصد اور اک مضبوط نظام کے تحت بنایا اور اس حقیقت کو واضح، دو ٹوک اور واشگاف الفاظ میں بیان فرمایا، اور کہیں چیلنج کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ③ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّ هُوَ حَسِیْرٌ ④ ﴾

(الملك : ۳، ٤)

''تم رحمٰن کی تخلیقات میں کسی قسم کی بے ربطی نہ پاؤ گے، پھر پلٹ کر دیکھو، کہیں تمہیں کوئی خلل نظر آتا ہے؟ بار بار نگاہ دوڑاؤ، تمہاری نگاہ تھک کر نامراد پلٹ آئے گی۔''

تو جب کائنات کی کوئی ایک چیز، حتیٰ کہ کوئی ایک ذرہ بھی بے مقصد نہیں بنایا گیا تو پھر انسان جو کہ اشرف المخلوقات ہے کس طرح بے مقصد، مہمل اور بے نظم چھوڑا جا سکتا ہے۔

انسان کی دنیوی زندگی، اس دنیا میں اس کا قیام، کس قدر اہمیت کا حامل ہے اور اس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ کس قدر گراں بہا اور بیش قیمت ہے اس کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ اس کا ہر ہر قول اور ہر ہر فعل قابل احتساب ومواخذہ ہے، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ﴿٣٦﴾﴾

(الاسراء: ٣٦)

''یقیناً آنکھ، کان اور دل سب ہی کی باز پرس ہونی ہے۔''

اسی طرح اس حقیقت کو دیگر آیات اور احادیث میں مزید وضاحت اور تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، جیسا کہ فرمایا:

﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ﴿٧﴾ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ﴿٨﴾﴾

(الزلزال: ٧، ٨)

''پھر جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا۔''

یعنی اس دنیا کی زندگی میں انسان سے سرزد ہونے والے ذرات کے برابر اعمال کو بھی نظر انداز نہیں کیا جائے گا بلکہ انہیں بھی سامنے لایا جائے گا۔

اور اس حقیقت کو نظر انداز کرنے والوں اور اس معاملے میں تساہل اور لاپروائی سے کام لینے والوں کا قیامت کے دن حال یہ ہوگا کہ:

﴿وَوُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ﴾ (الکہف: ٤٩)

''اور نامۂ اعمال سامنے رکھ دیا جائے گا، اس وقت تم دیکھو گے کہ مجرم لوگ اپنے نامۂ اعمال کے مندرجات سے ڈر رہے ہوں گے۔''

﴿وَيَقُولُونَ يَا وَيْلَتَنَا مَالِ هَٰذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا﴾ (الکہف: ٤٩)

''اور کہہ رہے ہوں گے: ہائے ہماری کم بختی، یہ کیسی کتاب ہے کہ ہماری کوئی چھوٹی بڑی حرکت ایسی نہیں رہی جو اس میں درج نہ کی گئی ہو۔''

اسی طرح احادیث میں بھی اس حقیقت کو بڑی تفصیل اور وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، جس کا معنی یہ ہے کہ اس دنیا میں انسان کا زندگی گزارنا نہایت ہی سنجیدہ عمل ہے،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس کا ایک ایک پل، ایک ایک لمحہ نہایت ہی قیمتی اور قابل مؤاخذہ ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَزُولُ قَدَمُ ابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهِ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ .))

"قیامت کے دن کسی بھی انسان کے قدم اپنے رب کے پاس سے اس وقت تک ہل نہ سکیں گے جب تک اس سے پانچ چیزوں کے بارے میں سوال نہیں کرلیا جائے گا۔"

((عَنْ عُمُرِهِ فِيمَ أَفْنَاهُ))

"اس کی عمر کے بارے میں کہ اس نے کن کاموں میں صرف کی۔"

((وَعَنْ شَبَابِهِ فِيمَ أَبْلَاهُ))

"اور اس کی جوانی کے بارے میں کہ اسے کن کاموں میں گھسا دیا اور بوسیدہ کردیا۔"

((وَمَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَ أَنْفَقَهُ))

"اور اس کے مال کے بارے میں کہ کہاں سے حاصل کیا اور کن کاموں میں خرچ کیا۔"

((وَمَاذَا عَمِلَ فِيْمَا عَلِمَ .)) (ترمذي : ٢٤٤٩)

"اور جو علم حاصل کیا اس کے مطابق عمل کیا کیا۔"

تو کیا یہ سب کچھ جان کر بھی زندگی کے اک سنجیدہ معاملہ ہونے کا یقین نہیں آتا! زندگی یقیناً اسی قدر سنجیدہ ہے کہ اس کا ایک ایک لمحہ قابل استفسار ہے، انسان کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، کھانا پینا، سونا جاگنا، ملنا جلنا، لینا دینا، کاروبار کرنا، شادی بیاہ کرنا، دوستی اور دشمنی اور خوشی اور غمی اور ہر چھوٹی سے چھوٹی چیز کے بارے میں باز پرس ہوگی، حتی کہ جسے لوگ عموماً کوئی قابل ذکر چیز ہی نہیں سمجھتے، اس کے بارے میں بھی سوال ہوگا، جیسا کہ حدیث میں ہے،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ أَوَّلَ مَا يُسْأَلُ عَنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَعْنِي الْعَبْدَ مِنَ النَّعِيمِ أَنْ يُقَالَ لَهُ أَلَمْ نُصِحَّ لَكَ جِسْمَكَ وَنُرْوِيكَ مِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ))

(ترمذي : ۳۳۵۸)

''قیامت کے دن بندے سے نعمتوں میں سے سب سے پہلے جس چیز کا سوال ہوگا وہ یہ کہ کیا ہم نے تمہیں جسمانی صحت وتندرستی نہیں دی تھی، اور کیا ہم نے ٹھنڈے پانی سے تمہاری پیاس نہیں بجھائی تھی۔''

تو عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس حقیقت کو سمجھا جائے کہ یہ دنیا کھیل تماشا نہیں ہے، اسے بیہودہ، فضول، بے کار اور بے مقصد کاموں میں، اچھل کود، ناچ گانوں، خوش گپیوں اور آوارگی میں ضائع نہیں کیا جا سکتا کہ یہ زندگی بہت قیمتی ہے، بہت مختصر ہے، اور بہت حساس ہے کہ اس کا گزرا ہوا ایک ایک پل اللہ کے حضور حساب کے لیے پیش کیا جانے والا ہے۔

لہٰذا اسے نہایت سنجیدگی اور حزم و احتیاط کے ساتھ، تفکر و تدبر کرتے ہوئے اور ہر قدم پھونک پھونک کر رکھتے ہوئے گزارنے کی ضرورت ہے اور مطلوب ومقصود بھی ہے۔

بامقصد اور سنجیدہ زندگی گزارنے کے لیے یقیناً بامقصد زندگی کے اصول وضوابط اور قواعد وآداب سے آگاہی ضروری ہے۔

پاکیزہ، خوشگوار اور بامقصد زندگی کے اصول وقواعد اور اخلاق وآداب میں سے جس ایک ادب اور قاعدے کا آج ہم ذکر سننے جا رہے ہیں وہ یہ ہے کہ ہم مفید زندگی کیسے گزاریں کہ گذشتہ دو جمعوں سے جس کے بارے میں کچھ جاننے کی کوشش کر رہے ہیں۔

مفید زندگی کا مطلب گذشتہ خطبے میں آپ جان ہی چکے ہیں کہ ہم دوسروں کے لیے مفید ثابت ہوں، ورنہ اپنے لیے تو ہر شخص کسی نہ کسی شکل میں، کسی نہ کسی حد تک مفید ہوتا ہی ہے، مگر اپنے لیے مفید ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا، بلکہ خود غرضی اور Selfishness کہلاتا ہے۔

دوسروں کو نظر انداز کر کے محض اپنے لیے مفید ہونا دنیا کے لحاظ سے تو معیوب ہے ہی مگر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آخرت کے لحاظ سے کہیں زیادہ شدت کے ساتھ معیوب ہے، قرآن و حدیث میں اس کے بہت سے دلائل ہیں، مگر چونکہ یہ ہمارا آج کا اصل موضوع نہیں ہے، اس لیے صرف ایک حدیث پر اکتفا کرتے ہیں، حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ كَتَمَ عِلْمًا يَعْلَمُهُ، جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُلَجَّمًا بِلِجَامٍ مِنْ نَارٍ)) (ترمذي: ٢٦٤٩)

''جس شخص نے علم دین چھپایا کہ جسے وہ جانتا تھا، تو قیامت کے دن وہ آگ کی لگام پہنا ہوا آئے گا۔''

یعنی آخرت کے حوالے سے جو وہ کسی کا فائدہ کر سکتا تھا، مگر اس نے بخل اور بے اعتنائی سے کام لیا، تو اس خود غرضی اور بے پروائی کی وجہ سے اتنی بڑی سزا کا سامنا کرنا پڑے گا۔

دوسروں کے لیے مفید ہونا اگرچہ بہت سے لوگوں پر گراں گزرتا ہے، لیکن اگر گہرائی میں جا کر دیکھیں تو حقیقت میں یہ بھی بالواسطہ خود ان کا اپنے لیے ہی مفید ہونا ہے، کیونکہ اس کے بدلے میں انہیں دنیا و آخرت میں جن انعامات و اکرامات اور اعزازات سے نوازا جاتا ہے وہ یقیناً بہت بڑے بڑے انعامات و اعزازات ہیں۔

اور یہ ایک بڑی حقیقت ہے کہ بڑے بڑے اعزازات پانے کے لیے بڑی بڑی مشقتوں اور تکلیفوں سے گزرنا پڑتا ہے، دین ہو یا دنیا، پیسہ ہو یا علم ہو، سہل پرستی کے ذریعے، جسم کو راحت دے کر کبھی حاصل نہیں ہو سکتا۔

دوسروں کا فائدہ کر کے انسان کو دنیا میں عزت ملتی ہے اور دنیا میں عزت کا نعم البدل کوئی چیز نہیں ہے، نہ پیسہ، نہ شہرت اور نہ عہدہ و منصب، کوئی چیز اس کے پائے کی نہیں ہے۔

اور عزت فری میں مل جائے، ممکن نہیں ہے، اس کے لیے یقیناً محنت و مشقت درکار ہوتی ہے۔

صرف پیسہ آنے سے عزت نہیں آتی، غربت کے مارے لوگ کسی دولت مند کی صرف اس کی دولت کی وجہ سے عزت کرتے ہیں تو وہ اک مصنوعی عزت ہوتی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آپ خود ہی غور کریں، آپ کے پاس پیسہ ہو، جس کا فائدہ صرف آپ کی ذات تک ہی محدود ہو، تو کیا دوسرا پاگل ہے کہ وہ یونہی خوش ہوتا پھرے اور آپ کی عزت کرے۔

دوسروں کے کام آنے کے اس دنیا میں بہت سے فائدے ہیں جس کا ذکر ان شاء اللہ کبھی پھر کریں گے۔

دوسروں کے کام آنے کے جس طرح دنیا میں بہت فائدے ہیں اسی طرح آخرت میں بھی ہیں، ان میں سے ایک ملاحظہ کیجیے۔

حضرت بشیر بن الخصاصیۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

((أَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لِأُبَايِعَهُ عَلَى الْإِسْلَامِ))

''میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ آپ کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کروں۔''

((فَاشْتَرَطَ عَلَيَّ: تَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ، وَتُصَلِّي الْخَمْسَ، وَتَصُومُ رَمَضَانَ وَتُؤَدِّي الزَّكَاةَ وَتَحُجُّ الْبَيْتَ وَتُجَاهِدُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ))

''تو آپ ﷺ نے میرے سامنے اسلام کی شرطیں رکھیں کہ تم اس بات کی گواہی دو گے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، پنجگانہ نمازیں ادا کرو گے، رمضان کے روزے رکھو گے، زکاۃ ادا کرو گے، حج بیت اللہ کرو گے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو گے۔''

((قَالَ: قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ! أَمَّا اِثْنَتَانِ فَلَا أُطِيْقُهُمَا))

''کہتے ہیں، میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول ﷺ! مگر یہ دو باتیں میں نہیں کرسکتا۔''

((أَمَّا الزَّكَاةُ فَمَا لِي إِلَّا عَشْرُ ذَوْدٍ، هُنَّ رُسُلُ أَهْلِي وَحَمُوْلَتُهُمْ))

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''جہاں تک زکاۃ کا تعلق ہے تو وہ میرے پاس صرف دس اونٹ ہیں جو کہ میرے گھر والوں کی خوراک اور سواری کا سامان ہیں۔''

((وَأَمَّا الْجِهَادُ فَيَزْعُمُونَ أَنَّهُ مَنْ وَلَّى فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِنَ اللّٰهِ، فَأَخَافُ إِذَا حَضَرَنِيْ قِتَالٌ كَرِهْتُ الْمَوْتَ ، خَشَعَتْ نَفْسِيْ .))

''اور رہا جہاد تو لوگ کہتے ہیں کہ جو لڑائی کے وقت میدان جنگ سے بھاگ نکلے تو اس پر اللہ کا غضب نازل ہو جاتا ہے اور میں ڈرتا ہوں کہ جب جہاد کا وقت آئے تو میں موت کو ناپسند کرنے لگوں اور میرا نفس ڈر جائے یعنی میں ڈرتا ہوں کہ کہیں اللہ کے غضب کا شکار نہ ہو جاؤں۔''

((قَالَ: فَقَبَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَدَهُ))

''کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا، مٹھی بند کر لی۔''

((ثُمَّ حَرَّكَهَا ، ثُمَّ قَالَ: لَا صَدَقَةَ وَلَا جِهَادَ فَبِمَ تَدْخُلُ الْجَنَّةَ))

''پھر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ کو ہلاتے ہوئے فرمایا: نہ صدقہ نہ جہاد، جنت میں کیسے جاؤ گے۔''

((قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ! أُبَايِعُكَ ، فَبَايَعَنِيْ عَلَيْهِنَّ كُلِّهِنَّ)) (المستدرك على الصحيحين : ٢٤٢١)

''کہا: میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! بیعت لیجیے، پس آپ نے سب باتوں پر بیعت لی۔''

تو اندازہ کیجیے کہ لوگوں کو فائدہ پہنچانے کی آخرت کی کامیابی کے حوالے سے کتنی بڑی اہمیت ہے، کہ صدقہ و خیرات نہ کر کے جنت میں درجات کی بلندی سے محروم ہونا تو ایک طرف، سرے سے جنت کا داخلہ ہی مشکوک ہو جاتا ہے۔

اور کچھ ایسے ہی قرآن پاک میں بھی اس کی اہمیت کچھ یوں بیان ہوتی ہے کہ جب جنت والے جہنم والوں سے مخاطب ہو کر پوچھیں گے کہ:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ۝٤٢﴾ (المدثر : ٤٢)

''تمہیں کیا چیز جہنم میں لے گئی۔''

﴿قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ۝٤٣﴾ (المدثر : ٤٣)

''تو وہ کہیں گے کہ ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے۔''

﴿وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ ۝٤٤﴾ (المدثر : ٤٤)

''اور مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔''

غور فرمایا آپ نے کہ لوگوں کے لیے مفید ہونا کتنا بڑا اور کتنا اہم معاملہ ہے۔

لہٰذا اس سے پہلے کہ لوگوں کو فائدہ پہنچانے کے طریقے اور سلیقے جانیں، اس کا اجر و ثواب اور انعامات و اعزازت کے بارے میں جانیں، ہم اس بات کی اہمیت کو سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ انسان کی زندگی میں لوگوں کے لیے مفید ہونا کیا اہمیت رکھتا ہے اور کتنا ضروری ہے۔

لوگوں کو فائدہ پہنچانے کی اہمیت اس پہلو سے بھی جانیے کہ لوگوں کو فائدہ پہنچانے کا ایک بہت بڑا ذریعہ کسی کا مالی تعاون کرنا ہوتا ہے، اور کسی کا مالی تعاون کرنا یقیناً ایک بہت مشکل کام ہے، مگر یہ اس وقت نسبتاً آسان ہو جاتا ہے جب ہم آپ ﷺ کا یہ فرمان سنتے ہیں کہ:

((إِنَّمَا تُرْزَقُوْنَ وَتُنْصَرُوْنَ بِضُعَفَائِكُمْ)) (النسائی : ٣١٧٩)

''تمہیں صرف اور صرف تمہارے کمزوروں کی وجہ سے رزق دیا جاتا ہے اور تمہاری مدد کی جاتی ہے۔''

تو آپ ﷺ کے اس فرمان سے معاشرے میں مفید کردار ادا کرنے کی ضرورت و اہمیت سمجھ میں آتی ہے اور دل میں اس کا شوق اور اس کی اہمیت پیدا ہوتی ہے اور تجوریاں بھرنے کے جذبے میں بھی ذرا کمی واقع ہو جاتی ہے۔

معاشرے میں مفید زندگی گزارنا صرف انسانوں کے فائدے تک ہی محدود نہیں ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بلکہ دیگر جاندار مخلوقات کے لیے بھی کچھ ایسا ہی جذبہ ہونا چاہیے، کتے کو پانی پلانے کے اجر و ثواب سے تو آپ واقف ہی ہیں، دیگر جانوروں کو فائدہ پہنچانے کا اجروثواب بھی حدیث میں مذکور ہے۔

ایک حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا أَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا فَيَأْكُلُ مِنْهُ طَيْرٌ أَوْ إِنْسَانٌ أَوْ بَهِيمَةٌ إِلَّا كَانَ لَهُ بِهِ صَدَقَةٌ)) (بخاري : ٢٣٢٠)

''جو کوئی مسلمان کوئی پودا لگاتا ہے یا کھیتی اگاتا ہے اور اس سے کوئی پرندہ، کوئی انسان یا کوئی جانور کھاتا ہے تو اس کے ذریعے وہ اس کے لیے صدقہ بن جاتا ہے۔''

ہمارے معاشرے میں لوگ دین سے لاعلمی کی بناء پر اس اجر وثواب سے محروم رہتے ہیں، پرندوں کو بھگانے کے لیے پٹاخے چھوڑے جاتے ہیں یا بندوق سے فائر کیے جاتے ہیں۔ اور اگر کسی کا جانور کھیت میں گھس جائے تو بسا اوقات بڑی لڑائی چھڑ جاتی ہے اور قتل تک نوبت پہنچ جاتی ہے، گویا کہ لوگوں کے لیے فائدہ مند بن کر زندگی گزارنا تو شاید ہمارے تصور میں بھی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں دین کو سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لوگوں کے لیے مفید ہونے کے دنیوی اور اخروی فوائد

﴿وَ اَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْكُثُ فِی الْاَرْضِ﴾ (الرعد: ۱۷)

گذشتہ خطبے میں بات ہورہی تھی کہ زندگی اک سنجیدہ معاملہ ہے اور اسے سنجیدگی سے ہی گزارنا ہوگا، کھیل کود، ہنسی مزاح، تفریح وتسلیہ اور عیش وعشرت کی زندگی گزارنا مقصدِ زندگی کے منافی طرزِ عمل ہے اور لاعلمی اور نادانی ہے۔

مقصدِ حیات کے برعکس زندگی گزارنا یقیناً نادانی بھی ہے اور گھاٹے کا سودا بھی ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا کوئی شخص اتنا نادان بھی ہوسکتا ہے کہ اپنے فائدے کو نظر انداز کرکے نقصان کو ترجیح دے!

جی ہاں! عملی طور پر تو ایسے ہی ہے کہ لوگوں کی غالب اکثریت نے یہی طرزِ زندگی اپنا رکھا ہے، مگر ایسا کیوں ہوتا ہے اسے کیا نام دیا جانا چاہیے، یہ بات ابھی قابل تحقیق ہے۔

اصولی طور پر تو یہ اک حقیقت ہے کہ اگر کوئی شخص نادانی والے کام کرے گا تو اسے نادان ہی کہا جائے گا، چاہے وہ اپنے تئیں اور دوسرے لوگ بھی اسے عقلمند ہی سمجھ رہے ہوں۔

اب جو شخص کھوٹے اور کھرے میں فرق نہ کر سکے، صحیح اور غلط میں تفریق نہ کر سکے، پائیدار اور ناپائیدار میں، اچھے اور برے میں، عارضی اور دائمی میں امتیاز نہ کر سکے تو وہ اپنے آپ کو چاہے کتنا ہی دانشمند کیوں نہ سمجھتا ہو حقیقت میں تو اسے نادان ہی کہا جائے گا۔

لیکن اس سے زیادہ سنگین اور باعث تعجب بات یہ ہوگی کہ کوئی شخص ان صلاحیتوں کا دعویٰ بھی کرے کہ وہ صحیح اور غلط میں، اچھے اور برے میں، پائیدار اور ناپائیدار میں فرق کرنے کی صلاحیت تو رکھتا ہے مگر وہ اپنی مرضی کی اور آزادانہ زندگی گزارنا چاہتا ہے، وہ خواہشِ نفس کی تسکین چاہتا ہے اور ﴿بَلْ یُرِیْدُ الْاِنْسَانُ لِیَفْجُرَ اَمَامَهٗ﴾ (القیامہ: ۵) کے مصداق وہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فسق و فجور کی کھلی چھوٹ چاہتا ہے۔وہ روک ٹوک پسند نہیں کرتا، وہ ڈکٹیشن لینا نہیں چاہتا، وہ وہی کرنا چاہتا ہے جو اس کا جی چاہے، چاہے اس میں نقصان ہی کیوں نہ ہو اور اس طرح کی سوچ کے پیچھے آپ جانتے ہیں جو نظریہ کارفرما ہے وہ یہ کہ:

بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

تو ایسا شخص نہ صرف یہ کہ نادان ہے، بلکہ اس کی شخصیت کے لیے جو الفاظ زیادہ مناسب اور موزوں ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ احمق ہے، جو شخص اپنے نفع ونقصان کو سمجھنے کے باوجود نقصان کو ترجیح دے اور وہ بھی اک نہایت ہی سطحی اور طفلانہ خواہش کی تسکین کے لیے تو اس کے احمق ہونے میں کیا شک رہ جاتا ہے۔

دوسری طرف تعجب ہوتا ہے شدتِ کشش خواہشاتِ نفس پر، اور آدمی سوچنے لگتا ہے کہ وہ کیسی اور کون سی خواہش نفس ہوگی کہ جس میں اس قدر شدید کشش ہو کہ وہ انسان کو احمق بننے پر مجبور کر دے! مگر کس کس خواہش کا نام لیں کہ یہاں تو ''ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے'' والا معاملہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان کا یہ فطری میلانِ طبع ہے کہ وہ قطع نظر اس بات کے کہ کون سی چیز پائیدار ہے اور کون سی ناپائیدار، کون سی عارضی ہے اور کون سی دائمی، وہ تو بس ہر اس چیز کی طرف مائل ہو جاتا ہے جو اس کے دل کو اچھی لگے، جس کو جی چاہے اور وہ نسبتاً جلدی حاصل ہو جانے والی بھی ہو، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا ہے:

﴿ كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ ﴿٢٠﴾ وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ ﴿٢١﴾ ﴾ (القیامہ : ۲۰، ۲۱)

''ہرگز نہیں! اصل بات یہ ہے کہ تم لوگ جلدی حاصل ہونے والی چیز (یعنی دنیا) سے محبت رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑ دیتے ہو۔''

دنیا کا بے وفا ہونا، عارضی اور ناپائیدار ہونا کسی بھی انسان پر مخفی نہیں ہے، ہر شخص کو اپنے اپنے مشاہدات و تجرباتِ زندگی سے یہ بات عین الیقین کی حد تک معلوم ہے، لیکن پھر بھی وہ اسی کی طرف لپکتا ہے، اس سے آپ دنیا کی شدتِ کشش کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اگر کوئی چاہے کہ انسان کے دل سے دنیا کی محبت ختم کر دے تو یہ ممکن نہیں ہے، البتہ کچھ کم ضرور کی جاسکتی ہے اور وہ بھی جزوی اور وقتی طور پر، کچھ دیر بعد دنیا کے تعلق کے حوالے سے وہی کیفیت پھر لوٹ آتی ہے کیونکہ دل کسی ایک حالت پر قائم نہیں رہتا، بلکہ مسلسل متقلب رہتا ہے، کروٹیں بدلتا رہتا ہے۔

لہٰذا حل اس کا صرف یہی ہے کہ بار بار یاددہانی کرائی جاتی رہے اور یاددہانی انسان کی ایک ایسی ضرورت ہے کہ کوئی بھی انسان زندگی میں کبھی بھی اس سے بے نیاز اور مستغنی نہیں ہوسکتا، زندگی بھر انسان کو اس کی ضرورت رہتی ہے اور اس کی متعدد وجوہات میں سے ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ بھول جانا انسان کی فطری کمزوری ہے، جیسا کہ ہمارے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ نسیان کا معاملہ ہوا جس کے بارے میں اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَلَقَدْ عَهِدْنَآ إِلَىٰٓ ءَادَمَ مِن قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُۥ عَزْمًا ﴿١١٥﴾﴾

(طٰهٰ: ۱۱۵)

''اور ہم نے اس سے پہلے آدم کو ایک حکم دیا تھا، مگر وہ بھول گیا اور ہم نے اس میں عزم نہ پایا۔''

گویا عزم وارادے کی پختگی نہ ہونا بھول جانے کا ایک سبب ہے۔

تو یاددہانی کی انسان کو اشد ضرورت ہے اور وہ اسے فائدہ دیتی ہے بالخصوص اہل ایمان کو، کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَذَكِّرْ فَإِنَّ ٱلذِّكْرَىٰ تَنفَعُ ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿٥٥﴾﴾ (الذاريات: ۵۵)

''اور نصیحت کرتے رہو کہ نصیحت اور تذکیر و یاددہانی اہل ایمان کے لیے نفع مند ہوتی ہے۔''

تذکیر وموعظت کا خصوصی طور پر اہل ایمان کے لیے نفع مند ہونے کا ذکر فرمایا کیونکہ وہ اس نعمت تذکیر کے قدر شناس ہوتے ہیں، اور تذکیر و یاددہانی کسی ایک مخصوص وقت کے لیے نہیں بلکہ بار بار اس کی ضرورت ہوتی ہے اور زندگی بھر ضرورت رہتی ہے، کیونکہ انسان بار بار

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بھولتا ہے بہت جلد بھولتا ہے، اور زندگی بھر بھولتا ہے۔

نصیحت وموعظت اور تذکیر و یاد دہانی کی ضرورت و اہمیت اور افادیت کے حوالے سے ان شاء اللہ پھر کبھی بات ہوگی، اس وقت زندگی کو سنجیدگی سے گزارنے کے حوالے سے بات کرتے ہیں جو کہ ہمارا گذشتہ سے پیوستہ موضوع ہے۔

اور زندگی کو سنجیدگی سے گزارنے کا مطلب ہے کہ وہ بامقصد اور مفید ہو اور مفید ہونا اپنے وسیع معنوں میں مراد ہے جس میں دوسروں کے لیے مفید ہونا بھی شامل ہے اور اسلام میں اس افادیت اور ایسی مفید زندگی گزارنے کی بڑی ترغیب دی گئی ہے، بڑی تاکید کی گئی ہے، اسے سراہا گیا اور قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے اور کسی کو فائدہ پہنچانے کی کم از کم صورت یہ ہے کہ اسے تکلیف نہ پہنچائی جائے، کہ تکلیف نہ پہنچانا بھی بالواسطہ فائدہ پہنچانا ہے اور اس میں اپنا فائدہ بھی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

((قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ))

”کہتے ہیں، میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سب سے افضل عمل کون سا ہے؟“

((قَالَ اَلْاِيْمَانُ بِاللّٰهِ وَالْجِهَادُ فِي سَبِيْلِهِ))

”تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ پر ایمان اور اس کی راہ میں جہاد۔“

((قَالَ قُلْتُ أَيُّ الرِّقَابِ أَفْضَلُ))

”کہا: میں نے عرض کیا، کون سی گردن آزاد کرنا زیادہ افضل ہے؟“

یعنی کس قسم کے غلام کو آزاد کرنا زیادہ فضیلت والا عمل ہے؟

((قَالَ أَنْفَسُهَا عِنْدَ أَهْلِهَا وَأَكْثَرُهَا ثَمَنًا))

”فرمایا: جو اپنے گھر والوں کے ہاں زیادہ نفیس ہو اور قیمت میں مہنگا ہو۔“

غلاموں میں بھی آپ جانتے ہیں کہ دوسرے انسانوں کی طرح خوبیوں اور صلاحیتوں میں فرق ہوتا ہے، کچھ تو نکمے اور نکھٹو ہوتے ہیں بلکہ مالک کے لیے دردِ سر بنے رہتے ہیں، جیسا

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ۭ﴾ (النحل : ٧٦)

''اللہ تعالیٰ ایک مثال بیان کرتا ہے، دو آدمی ہیں، ایک گونگا بہرا ہے، کوئی کام نہیں کر سکتا، اپنے آقا پر بوجھ بنا ہوا ہے، وہ اسے جدھر بھی بھیجے، کوئی خیر کا کام اس سے نہ بن پائے۔''

تو اس قسم کے غلام کی اس کے آقا کے ہاں کیا قدر و قیمت ہوگی، وہ اسے کتنا محبوب ہو سکتا ہے، وہ اسے جب بیچنا چاہے گا تو سستے داموں بیچ دے گے، کیونکہ وہ اس سے جان چھڑانا چاہے گا۔

دوسری طرف کوئی غلام صحت مند اور طاقتور ہو، عقلمند اور سمجھدار ہو، محنتی ہو اور کسی نہ کسی کام میں مہارت رکھتا، یا "Handyman" یعنی ہر فن مولا ہو تو ایسا شخص اپنے مالک کے ہاں بڑی قدر و قیمت رکھتا ہے، وہ اگر کبھی اسے بیچنا چاہے گا تو مہنگے داموں بیچے گا، کیونکہ وہ اس کے لیے بہت مفید اور کام کا آدمی ہے۔

چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: اس قسم کا غلام آزاد کرانا زیادہ فضیلت والا عمل ہے۔

((قَالَ قُلْتُ فَإِنْ لَّمْ أَفْعَلْ))

''حضرت ابوذر کہتے ہیں، میں نے عرض کیا: اگر میں یہ نہ کر پاؤں تو؟''

((قَالَ تُعِينُ صَانِعًا أَوْ تَصْنَعُ لِأَخْرَقَ))

''فرمایا: کسی کام کرنے والے کا ہاتھ بٹا دو۔ یا کسی اناڑی کو اس کام کام درست طریقے سے کرنے میں مدد دو۔''

((قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَرَأَيْتَ إِنْ ضَعُفْتُ عَنْ بَعْضِ الْعَمَلِ))

''کہا، میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ اگر میں کچھ عمل کرنے سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عاجز وقاصر رہوں تو؟''

((قَالَ تَكُفُّ شَرَّكَ عَنِ النَّاسِ))

''فرمایا: تو تم اپنے شر کو لوگوں سے روک لو'' کہ تمہاری طرف سے تمہارے ہاتھ اور زبان سے انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے۔

((فَإِنَّهَا صَدَقَةٌ مِنْكَ عَلٰى نَفْسِكَ)) (مسلم : ۸٤)

''وہ تمہاری طرف سے تمہارے اپنے لیے صدقہ ہوگا۔''

تو کسی کے لیے مفید ہونے کی اولین اور لازمی شرط یہ ہے کہ آپ اس کو تکلیف نہ پہنچائیں، اذیت نہ دیں۔

لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ رکھنا دین و دنیا کے لحاظ سے کتنا ضروری ہے، اس پر تو بہت تفصیل سے گفتگو کرنے کی ضرورت ہے مگر یہاں ہم اسے اصل موضوع کی تمہید کے طور پر ذکر کرنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

کسی بھی انسان کا دوسروں کے لیے کارآمد اور مفید ہونا آسان کام نہیں ہے، اپنے آپ پر جبر کر کے اور صبر کر کے یہ کام کرنا پڑتا ہے، کیونکہ یہ انسان کی فطرت کے خلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی آزمائش اور امتحان کے لیے اس کی فطرت میں جو خامیاں، کمزوریاں اور کوتاہیاں رکھ رکھی ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ:

﴿ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ﴾ (المعارج : ۱۹)

''انسان تھڑدلا پیدا کیا گیا ہے۔''

یعنی یہ بات اس کی فطرت میں ہے۔

﴿ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ۝ وَّ اِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ﴾ (المعارج : ۲۰، ۲۱)

''جب اس پر مصیبت آتی ہے تو گھبرا اٹھتا ہے اور جب اسے خوشحالی نصیب ہوتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے۔''

﴿ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ﴾ (المعارج : ۲۲)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

”سوائے ان لوگوں کے جو نماز پڑھنے والے ہیں۔“

یعنی جو حقیقی معنوں میں نمازی ہوتا ہے، اس میں اس طرح کی اخلاقی کمزوریاں نہیں ہوتیں وہ دل کا کھلا ہوتا ہے، لوگوں کا ہمدرد اور خیر خواہ ہوتا ہے، ان کے کام آتا ہے۔

لوگوں کے کام آنا اسلام میں سب سے بڑے نیک اعمال میں سے ہے، انبیاء علیہم السلام کی صفات میں سے ہے اور لوگوں کے کام آنے والوں کو دنیا و آخرت میں عزت سے نوازا جاتا ہے، اور ذلت و رسائی سے بچایا جاتا ہے۔

وہ واقعہ آپ کو معلوم ہے کہ پہلی بار جب جبریل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس غار حراء میں وحی لے کر آئے اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ کر دبوچا اور فرمایا:

﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ ﴾ (العلق : ١)

”پڑھو اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا۔“

تو اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے پلٹے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھے چادر اوڑھا دو، چادر اوڑھا دی گئی اور جب خوف جاتا رہا تو فرمایا: مجھے تو اپنی جان کا ڈر لگتا ہے۔

تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

((كَلَّا وَاللّٰهِ مَا يُخْزِيكَ اللّٰهُ أَبَدًا))

”ہرگز نہیں، اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز رسوا نہ کرے گا۔“

((إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ وَتَقْرِي الضَّيْفَ وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ)) (بخاري : ٣)

”اس لیے کہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، درماندوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، تہی دستوں کا بندوبست کرتے ہیں، مہمان کی میزبانی کرتے ہیں اور حق کے مصائب پر اعانت کرتے ہیں۔“

لوگوں کے ساتھ نیکی اور خیر خواہی کرنے کا آخرت میں جو اجر و ثواب ہے وہ اپنی جگہ پر

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

مگر دنیا میں اس کے فوائد میں سے مصیبتوں اور پریشانیوں سے محفوظ رہنا، لوگوں کے دلوں میں عزت اور محبت پانا اور اللہ تعالیٰ کے غضب کو ٹھنڈا کرنا ہے۔

جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((صَنَائِعُ الْمَعْرُوْفِ تَقِي مَصَارِعَ السُّوْءِ، وَصَدَقَةُ السِّرِّ تُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ.)) (صحيح الجامع : ٣٧٩٧)

"نیکی کے کام برے انجام سے بچاتے ہیں اور چھپا کر صدقہ کرنا اللہ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے۔"

قرآن و حدیث میں نیکی کے کاموں کی بڑی ترغیب دی گئی ہے اور سلف صالحین کے اس ضمن میں واقعات بھی مثالی واقعات ہیں جو کہ پھر کبھی ان شاء اللہ سنیں گے، سردست نیکی اور خیر خواہی کے چند فضائل جانتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

((أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: يَا جِبْرِيْلُ لِمَ اتَّخَذَ اللّٰهُ إِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا؟))

"آپ ﷺ نے جبریل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اے جبریل! اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا دوست کس بناء پر بنایا؟"

((قَالَ: لِإِطْعَامِهِ الطَّعَامَ يَا مُحَمَّدُ)) (الدر المنثور : ٢/ ٧٠٦)

"تو انہوں نے فرمایا: لوگوں کو کھانا کھلانے کی وجہ سے اے محمد ﷺ!"

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مہمان نوازی کا واقعہ قرآن پاک میں مذکور ہے کہ انہوں نے مہمانوں سے پوچھا بھی نہیں کہ کیا کھائیں گے، بس کھانا لے کر آ گئے۔

اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کا خدمتِ خلق کے حوالے سے واقعہ قرآن پاک میں مذکور ہے۔

﴿وَ لَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۬ وَ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ؕ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ٜ وَ اَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿۲۳﴾ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰۤى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴿٢٤﴾ (القصص : ٢٣، ٢٤)

''اور جب وہ مدین کے کنویں پر پہنچے تو دیکھا کہ بہت سے لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں اور ان سے الگ ایک طرف دو عورتیں اپنے جانوروں کو روک رہی ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان عورتوں سے پوچھا، تمھیں کیا پریشانی ہے؟ انھوں نے کہا ہم اپنے جانوروں کو پانی نہیں پلا سکتیں جب تک یہ چرواہے اپنے جانور نہ نکال لے جائیں اور ہمارے والد ایک بہت بوڑھے آدمی ہیں۔ یہ سن کر موسیٰ علیہ السلام نے ان کو پانی پلا دیا، پھر ایک سائے کی جگہ جا بیٹھے اور دعا کی اے میرے رب جو خیر بھی تو مجھ پر نازل کر دے میں اس کا محتاج ہوں۔''

اور آپ نے دیکھا کہ وہ دعا فوراً قبول ہوئی۔

ایسے ہی عیسیٰ علیہ السلام گود میں جو گویا ہوئے تو اپنے بارے میں ایک بات یہ بھی بیان فرمائی:

﴿وَّ جَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۪﴾ (مریم : ٣١)

''اور اس نے مجھے بابرکت کیا جہاں بھی میں رہوں۔''

جس کا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ:

((جَعَلَنِيْ نَفَّاعًا لِلنَّاسِ أَيْنَمَا اِتَّجَهْتُ)) (الدر المنثور : ٥١٥٠٩)

''میں جہاں کہیں بھی رہوں مجھے لوگوں کو فائدہ پہنچانے والا بنایا گیا ہے۔''

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رمضان المبارک کے استقبال کے لیے ہم کتنے پُر جوش ہیں؟

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴾ (البقرہ : ۱۸۳)

رمضان المبارک کی آمد میں آج سے تقریباً گیارہ دن رہ گئے ہیں، اس سے پہلے کہ ہم رمضان المبارک کی فضیلت، اس کے اجر و ثواب اور آداب و احکام کے بارے میں جانیں مناسب ہوگا کہ ہم رمضان المبارک کے ساتھ اپنے تعلق و نسبت کے بارے میں جانیں تا کہ اندازہ ہو سکے کہ ہم کس قدر رمضان المبارک کی برکتوں اور سعادتوں سے مستفید ہو سکتے ہیں۔

تو آیئے جانتے ہیں کہ رمضان المبارک کی آمد ہمارے لیے کیا معنی رکھتی ہے، ہم کس قدر اس کی آمد کے منتظر اور اس کے لیے بے چین و بے قرار ہیں، دل میں کس قدر اس کا ذوق و شوق اور تڑپ رکھتے ہیں، اور اس کے استقبال کے لیے کتنے پر جوش ہیں، کہ کسی چیز کی سچی لگن کے یہ مظاہر ہوتے ہیں۔

تو یہ جاننے کے لیے ہم اپنے آپ سے ایک سوال کرتے ہیں کہ کیا رمضان المبارک کی آمد کا مطلب ہمارے نزدیک یہ ہے کہ یہ ایک رونق افروز اور فرحت افزا موسم ہے، تفریح و نشاط اور کھانے پینے کا مہینہ ہے، دعوتوں اور تقریبات کا مہینہ ہے، یا عبادت کا مہینہ ہے، بخشش و مغفرت کا مہینہ ہے، تلافیٔ مافات کا مہینہ ہے، تجدیدِ ایمان کا مہینہ ہے، توبہ و استغفار کا اور اک نئی زندگی کے آغاز کا مہینہ ہے۔

اگر الفاظ میں جواب چاہیں تو پھر تو ہم سب کا ایک ہی جواب ہوگا کہ یہ مہینہ عبادت کا مہینہ ہے مگر چونکہ الفاظ میں مصلحت آمیزی بھی ہوتی ہے، اس لیے ہمیں جواب صرف اپنے اپنے ضمیر سے چاہیے کہ ضمیر کے جواب میں مصلحت آمیزی نہیں ہوتی، ضمیر ہمیشہ سچ بولتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ضمیر جھوٹ نہیں بولتا، دھوکہ نہیں دیتا، بشرطیکہ وہ زندہ ہو، مر نہ چکا ہو، ضمیر اک باطنی قوت ہے جو انسان کو سب کچھ سچ سچ بتاتی ہے، لگی لپٹی نہیں کرتی، خوشامد نہیں کرتی، طرفداری نہیں کرتی، مصلحت سے کام نہیں لیتی، چنانچہ انسان کو اپنے بارے میں سب کچھ ٹھیک ٹھیک معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ فرماتا ہے:

﴿بَلِ الْإِنسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ ﴿١٤﴾ وَلَوْ أَلْقَىٰ مَعَاذِيرَهُ ﴿١٥﴾﴾

(القيامه : ١٤، ١٥)

''انسان اپنے آپ کو خوب جانتا ہے، چاہے وہ کتنی ہی معذرتیں پیش کرے۔''

لہٰذا رمضان المبارک کے بارے میں اپنے تعلق ونسبت اور وابستگی کے حوالے سے بات کرتے ہوئے اپنے ضمیر کے مطابق بتائیں کہ رمضان المبارک کی آمد آپ کے نزدیک کیا اہمیت رکھتی ہے، آپ اسے کس نظر سے دیکھتے ہیں، اس سے مستفید ہونے کے حوالے سے آپ کتنے سنجیدہ ہیں، یاد رہے! آپ جو کچھ بتائیں گے اس کے ساتھ دلیل کا ہونا ضروری ہے اور دلیل آپ کا رویہ اور طرز عمل ہوگا۔

مثلاً آپ رمضان المبارک کے ساتھ اپنے روحانی اور قلبی تعلق کے بارے میں زبان سے تو کہیں کہ رمضان المبارک کی آمد سے مجھے بڑی خوشی ہو رہی ہے، میں اس کے لیے بڑا بے تاب ہوں، مگر عملی لحاظ سے آپ اس کو کوئی اہمیت نہ دیں تو یہ ایک جذباتی تعلق تو ہوسکتا ہے مگر حقیقی ہرگز نہیں ہوسکتا۔ رمضان المبارک سے حقیقی تعلق کی دلیل یہ ہوگی کہ آپ اس کو وقت دیں، کم از کم ایک تہائی حصہ اس پر صرف کریں، ہر روز چوبیس گھنٹوں میں سے آٹھ گھنٹے رمضان المبارک کی برکتیں اور سعادتیں حاصل کرنے کے لیے صرف کریں تو کہا جا سکتا ہے کہ آپ کے نزدیک رمضان المبارک کی اک اہمیت ہے، آپ اس کی قدر و منزلت سے واقف اور اس کے معترف ہیں اور آپ رمضان المبارک سے مستفید ہونے کے حوالے سے سنجیدہ ہیں۔

لیکن اگر اس کے برعکس ''وہی چال بے ڈھنگی جو پہلے تھی سو اب بھی ہے۔'' والا معاملہ

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

ہو کہ وہی محنت و مشقت، وہی دنیا داری، وہی لالچ اور ہوس، وہی "تکاثر فی الاموال" دولت اکٹھی کرنے میں ایک دوسرے پر مسابقت، تو پھر رمضان المبارک کی کیا اہمیت اور اس کی برکتیں سمیٹنے کے دعوے میں کیا صداقت اور اس کی سعادتیں حاصل کرنے میں سنجیدگی کیا معنی رکھتی ہے! یہ تو محض اپنے آپ کو دھوکہ ہے۔

اور اگر آپ اپنے آپ کو دھوکے میں ہی رکھنا چاہتے ہیں تو پھر یہ جان کر دھوکے میں رہیے کہ آپ خود ہی دھوکے میں رہنا چاہتے ہیں، اور یہ بھی جان لیجیے کہ آپ نے رمضان المبارک کی قدر نہیں پہچانی، آدمی رمضان المبارک کی قدر پہچانتا ہو اور پھر اس کو وقت نہ دے، یہ کیسے ہوسکتا ہے، وہ جس چیز کی قدر پہچانتا ہے اس کے پیچھے بھاگتا ہے، اسے آٹھ دس گھنٹے وقت دیتا ہے۔

یہ باتیں شاید اس وقت سمجھ نہ آرہی ہوں مگر قیامت کے دن خوب سمجھ آئیں گی، مگر اس وقت آدمی حسرت وندامت کے سوا کچھ نہ کر پائے گا۔

رمضان المبارک اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت، اس کے فضل و کرم اور اس کی عنایتوں کا مہینہ ہے، بخشش و مغفرت کا مہینہ ہے، خصوصی بخشش کا مہینہ ہے، شیاطین کے قید کیے جانے کا مہینہ ہے، جنت کے دروازے کھول دیئے جانے کا مہینہ ہے، جہنم کے دروازے بند کیے جانے کا مہینہ ہے، لیلۃ القدر کا مہینہ اور نزول قرآن کا مہینہ ہے۔

ایک ایسے عظیم، بابرکت اور فضیلتوں والے مہینے کی اہمیت سمجھ نہ آنا اور اس کی توفیق نہ ہونا بہت ہی بدنصیبی ہے، چنانچہ کچھ اسی بناء پر آپ ﷺ نے رمضان المبارک کے ایک حصے، لیلۃ القدر کی سعادتوں سے محروم رہنے والے کو ہر قسم کی خیر سے محروم قرار دیا، جیسا کہ فرمایا:

((إِنَّ هَذَا الشَّهْرَ قَدْ حَضَرَكُمْ وَفِيهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِنْ اَلْفِ شَهْرٍ))

"یہ مہینہ جو تم پر آیا ہے اس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔"

((مَنْ حُرِمَهَا فَقَدْ حُرِمَ الْخَيْرَ كُلَّهُ))

"جو اس کی خیر اور بھلائی سے محروم رہا وہ تمام خیر سے محروم رہا۔"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((وَلَا يُحْرَمُ خَيْرَهَا إِلَّا مَحْرُوْمٌ)) (ابن ماجة : ١٦٤٤)

''اور اس کی بھلائی سے سے ایک بدنصیب ہی محروم رہتا ہے۔''

تو جب تک رمضان المبارک کی اہمیت سمجھ میں نہیں آتی، اس سے قلبی تعلق استوار نہیں ہوتا، اس کی ضرورت سمجھ میں نہیں آتی، دل میں اس کا ذوق اور شوق پیدا نہیں ہوتا، اس سے مستفید ہونے کا جذبہ دل میں پیدا نہیں ہوسکتا۔

اور میں حیران ہوں کہ ہمارے دلوں میں دنیا کی محبت کس طرح کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے کہ اس قدر کثرت سے اور تاکید سے قرآن و حدیث میں رمضان المبارک کی فضیلت، ضرورت اور اہمیت بیان کی گئی ہے مگر ہم لوگ ٹس سے مس نہیں ہوتے اور اپنے دنیوی معاملات میں ذرہ برابر کمی کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔

آپ شاید اس کا سبب جاننا چاہیں گے، اسے قسوتِ قلبی کہتے ہیں، سنگدلی کہتے ہیں، دلوں کا سخت ہوجانا، پتھر کی طرح سخت ہوجانا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ﴾

(البقرہ : ٧٤)

''مگر طرح طرح کی نشانیاں دیکھنے کے بعد بھی آخر کار تمہارے دل سخت ہو گئے پتھروں کی طرح سخت بلکہ سختی میں کچھ ان سے بھی بڑھے ہوئے۔''

﴿وَ اِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝﴾ (البقرہ : ٧٤)

''کیونکہ پتھروں میں سے تو کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جس میں سے چشمے پھوٹ بہتے ہیں، کوئی پھٹتا ہے اور اس میں سے پانی نکل آتا ہے اور کوئی اللہ کے خوف سے لرز کر گر بھی پڑتا ہے، اللہ تعالیٰ تمہارے کرتوتوں سے بے خبر نہیں ہے۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور دل سخت ہونے کا مطلب آپ جانتے ہیں کہ احساس ختم ہوجاتا ہے، کوئی آیت، کوئی حدیث، کوئی نصیحت اثر نہیں کرتی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سخت دلوں کی نہایت سخت الفاظ میں سرزنش کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ أَفَمَنْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِّن رَّبِّهِ ﴾ (الزمر : ۲۲)

''کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا اور وہ اپنے رب کی طرف سے ایک روشنی پر چل رہا ہے۔''

یعنی کیا اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جس کا دل سخت ہو گیا ہو۔

﴿ فَوَيْلٌ لِّلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُم مِّن ذِكْرِ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٢٢﴾ ﴾

(الزمر : ۲۲)

''تباہی ہے ان لوگوں کے لیے جن کے دل اللہ کی نصیحت سے اور زیادہ سخت ہو گئے وہ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔''

آیئے ہم اپنے اپنے دلوں کی کیفیت کا جائزہ لیں کہ ہمارے دل سخت ہیں یا نرم۔

نرم دلوں کی علامات قرآن و حدیث میں جا بجا بیان ہوئی ہیں، جن میں سے ایک اس آیت کریمہ میں ہے، اللہ فرماتے ہیں:

﴿ اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ﴿٢٣﴾ ﴾ (الزمر : ۲۳)

''اللہ نے بہترین کلام اتارا ہے، ایک ایسی کتاب جس کے تمام اجزاء ہم رنگ ہیں، اور جس میں بار بار مضامین دہرائے گئے ہیں، اسے سن کر ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، جو اپنے رب سے ڈرنے والے ہیں، اور پھر ان کے جسم اور ان کے دل نرم ہوکر اللہ کے ذکر کی طرف راغب ہو جاتے ہیں، یہ اللہ کی ہدایت ہے جس سے وہ راہ راست پر لے آتا ہے جسے چاہتا ہے اور جسے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اللہ ہی ہدایت نہ دے اس کے لیے پھر کوئی ہادی نہیں ہے۔"

تو جس دل میں اللہ کا ڈر اور خوف ہوتا ہے، وہی دل نرم ہوتا ہے، اسی پر نصیحت کا اثر ہوتا ہے، وہی نیکی کی طرف راغب ہوتا ہے، اس کو نیکی کی توفیق حاصل ہوتی ہے۔

اللہ کا کلام سن کر، اس کی عظمت اور اس کے جلال کی جو ہیبت انسان پر طاری ہوتی ہے اور ڈر اور خوف جو دل میں پیدا ہوتا ہے، اس سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور یہ ڈر اور خوف وہ نہیں ہوتا جس سے انسان دور بھاگتا ہے، بلکہ اس سے قریب ہوتا ہے جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۚ﴾ (الذاریات: ۵۰)

اللہ تعالیٰ رسول کریم ﷺ کی زبان مبارک سے کہلوا رہے ہیں:

"کہ پھر دوڑو اللہ کی طرف۔ میں تمہارے لیے اس کی طرف سے صاف صاف خبردار کرنے والا ہوں۔"

تو یہ اللہ کا ڈر ہے کہ اس سے ڈر کر اسی کی طرف بھاگنا ہے۔ تو اس ڈر کے نتیجے میں دل بھی نرم ہو جاتے ہیں اور جسم بھی نرم پڑ جاتے ہیں، ان میں اکڑ اور تکبر نہیں رہتا، نخوت اور انانیت نہیں رہتی، بلکہ جھک جاتے ہیں، سرِ تسلیم خم کر دیتے ہیں، اطاعت و فرمانبرداری کے لیے اپنے آپ کو پیش کر دیتے ہیں اور دلوں کی اس نرمی کو دوسری جگہ اطمینانِ قلب بھی کہا گیا ہے، جیسا کہ فرمایا:

﴿وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ﴾ (الرعد: ۲۸)

"اہل ایمان کے دلوں کو اللہ کی یاد سے اطمینان نصیب ہوتا ہے۔"

تو ایک طرف اس طرح کے دل ہیں کہ جو اللہ کے ذکر سے نرم ہو جاتے ہیں اور دوسری طرف کچھ ایسے ہیں کہ جو پتھروں کی طرح سخت ہیں جن پر کسی نصیحت کا اثر نہیں ہوتا، انہیں کہا جائے کہ اللہ کی طرف بھاگو تو کوئی اثر نہیں ہوتا، انہیں کہا جائے کہ:

﴿سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

أُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ﴾ (الحدید : ٢١)

”دوڑو اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو، اپنے رب کی مغفرت اوراس کی جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان وزمین جیسی ہے، جو مہیا کی گئی ہے ان لوگوں کے لیے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہوں۔“

تو کوئی اثر نہیں ہوتا۔ انہیں کہا جائے کہ:

﴿وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝﴾ (آل عمران : ١٣٣)

”دوڑ کر چلو اس راہ پر جو تمہارے رب کی بخشش اور اس کی جنت کی طرف جاتی ہے، جس کی وسعت زمین اور آسمانوں جیسی ہے، جو متقین کے لیے تیار کی گئی ہے۔“

تو کوئی اثر نہیں ہوتا، ٹس سے مس نہیں ہوتے۔

ہم اگر جاننا چاہیں کہ ہمارے دل، دلوں کی کس قسم میں سے ہیں تو یقیناً کچھ مشکل نہیں ہونی چاہیے، لیکن اگر پھر بھی سمجھ نہ آئے تو اس کا مطلب ہوگا کہ دل کی حالت نہایت نازک ہے، فوری طور پر اصلاح کی فکر کرنی چاہیے۔

اس کی اصلاح کے لیے یوں تو بہت سے آسان آسان کام کیے جا سکتے ہیں، مگر چونکہ دل کی حالت بہت نازک ہے اس لیے ہلکا اور آسان کام بھی دل پر گراں گزرے گا۔

سب سے پہلا کام تو ٹی وی سے مکمل طور پر دور رہنا ہوگا، مگر شاید یہ کام اکثر لوگوں کے لیے سب سے مشکل ہو۔

دوسرا کام: نمازوں کی پابندی کے ساتھ ساتھ کثرت سے استغفار کیا جائے اور اللہ تعالیٰ سے خصوصی طور پر دل کو نرم کر دینے کی دعاء کی جائے اور اطاعت وفرمانبرداری کی طرف پھیر دینے کی درخواست کی جائے، جیسا کہ آپ ﷺ نے دعاء سکھلائی ہے۔

((اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوبِ صَرِّفْ قُلُوبَنَا عَلَى طَاعَتِكَ))

(مسلم : ٢٦٥٥)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

”اے اللہ! دلوں کو پھیر دینے والے، میرے دل کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے۔“

اور تیسرا یہ ہے کہ دلوں کو نرم کرنے والے کاموں کی طرف توجہ دیں، جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((فَأَكْثِرُوا مِنْ ذِكْرِ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتِ)) (ابن ماجة : ٤٢٥٨)

”لذتوں کو توڑ دینے والی چیز موت کا ذکر کیا کرو۔“

دل کو سخت کرنے والے اور خراب کرنے والے امور سے اجتناب کریں اور ان میں سے چند ایک یہ ہیں جیسا کہ علماء کرام نے تتبع اور استقراء کے بعد معلوم کیے ہیں۔

ان میں سے کثرت اختلاط سے بچنا ہے، بالخصوص برے دوستوں کے ساتھ زیادہ میل جول رکھنے میں احتیاط کریں۔

کثرتِ طعام سے پرہیز کریں کہ اس سے سستی پیدا ہوتی ہے بالخصوص نیکی کے کام کو تو بالکل ہی جی نہیں چاہتا۔

کثرتِ نوم سے دل مردہ ہوتا ہے، جسم بوجھل ہوتا ہے، سستی اور کاہلی اور غفلت کو جنم دیتی ہے۔

اللہ کے سوا کسی سے امیدیں لگانا دل کی تباہی کا بہت بڑا سبب ہے، کہ جو غیر اللہ پر توکل کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے اسی کے حوالے کر دیتا ہے۔

چنانچہ کچھ اسی حوالے سے آپ ﷺ نے دعاء سکھلائی ہے:

((اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ أَرْجُو فَلَا تَكِلْنِي إِلَى نَفْسِي طَرْفَةَ عَيْنٍ وَأَصْلِحْ لِي شَأْنِي كُلَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ)) (ابوداود : ٥٠٩٠)

”اے اللہ! میں تیری رحمت ہی کی امید رکھتا ہوں، پس تو پلک جھپکنے کے برابر بھی مجھے میرے نفس کے حوالے نہ کرنا، اور میرے لیے میرے سب کام سنوار دے تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔“

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

تو اللہ ہی سے ہر قسم کی امیدیں رکھنا چاہییں کہ غیر اللہ سے امیدیں وابستہ کرنے میں سراسر رسوائی ہے۔

اور آخری بات یہ ہے کہ اپنی خواہشات اور تمناؤں اور آرزؤں کو سمیٹیں، دنیا کی تمنا رکھنے والا دل دین کی طرف مائل نہیں ہوسکتا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں دین کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰه رب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رمضان المبارک ماہِ تزکیہ وتربیت

﴿ يَآيُّهَا الَّذِينَ امَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١٨٣﴾ ﴾ (البقرہ : ۱۸۳)

رمضان المبارک اہل ایمان کے لیے اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا انعام واحسان ہے، کتنی بڑی خوش بختی اور سعادت ہے اور کتنا بڑا موقعِ غنیمت ہے، اس کا اندازہ تو آپ کو ہوگا ہی، کیونکہ ہم سب بچپن سے اس کی فضیلت اور اجر وثواب کے بارے میں سنتے چلے آرہے ہیں، تاہم از راہ تذکیر و یاددہانی چند باتیں ایک بار پھر سن لیتے ہیں۔

رمضان المبارک کی بہت سی برکتوں، سعادتوں، فضیلتوں اور عظمتوں میں سے صرف ایک لیلۃ القدر کے فضل وشرف اور قدر ومنزلت کو ہی یاد کرلیں تو اندازہ ہوجاتا ہے کہ رمضان المبارک کس قدر عظیم المرتبت اور فضل وشان والا مہینہ ہے۔

لیلۃ القدر مختلف پہلوؤں سے خصوصی فضیلتوں کی حامل رات ہے۔ لیلۃ القدر رمضان المبارک کی راتوں میں سے ایک نہایت ہی بابرکت، باسعادت اور بافضیلت رات ہے، اس کی ایک فضیلت اور خصوصیت یہ ہے کہ اس میں قرآن پاک کی باقاعدہ اک سورت نازل کی گئی ہے اور ایک فضیلت یہ ہے کہ اس کو ایک ہزار مہینے کی عبادت سے بہتر قرار دیا گیا ہے جو کہ ۸۳ سال اور ۴ مہینے بنتی ہے اور ایک فضیلت یہ ہے کہ اس میں جبریل علیہ السلام سمیت یا ان کی سربراہی میں بکثرت فرشتوں کا نزول ہوتا ہے اور اس کی ایک فضیلت یہ ہے کہ یہ رات سلامتی والی رات ہے اور ایک فضیلت یہ ہے کہ اس کی سعادت حاصل کرنے سے محروم رہنے والا شخص ہر خیر سے محروم رہتا ہے۔

تو رمضان المبارک کی دوسری بہت سی فضیلتوں سے قطع نظر صرف لیلۃ القدر کی فضیلتوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کو سامنے رکھنے سے ہی رمضان المبارک کی قدر و منزلت اور عظمت وشان اور خیر و برکت کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے۔

لیلۃ القدر کی فضیلتوں کی اگر ذرا تفصیل جانیں تو زبان سے بے ساختہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کا ورد جاری ہوجاتا ہے، دل اس کی رحمت اور فضل وکرم کو دیکھ کر جذبۂ شکر سے سرشار ہوجاتا ہے اور جبیں اس کے حضور احسان مندی اور ممنونیت کے اظہار کے لیے سجدہ ریز ہونے کو بے تاب و بے قرار ہوجاتی ہے۔

قدر کی رات کی شان وعظمت کو ذرا دل کی گہرائیوں سے جاننے کی کوشش کریں کہ اس ایک رات میں کی گئی عبادت ۸۳ سال اور ۴ مہینوں کی عبادت کے برابر نہیں بلکہ اس سے بہتر قرار دی گئی ہے اور اس سے کتنی زیادہ بہتر ہے، اللہ ہی کو معلوم ہے، مگر صرف تراسی سال کے عدد پر ہی غور کریں کہ وہ انسان کی اوسط عمر سے بھی زیادہ ہے اور اس امت کی اوساط عمریں ساٹھ اور ستر کے درمیان ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے اور وہ ساٹھ اور ستر کا عدد اور بھی کم ہوجاتا ہے، جب اس میں سے دنیوی اشغال ومصروفیات، بیماری کے ایام، اس کی نیند اور آرام اور بلوغت سے پہلے کا عرصہ جو کہ تقریباً ۱۵ سال ہے منہا اور تفریق کرلیا جائے۔

مثلاً آدمی کی اوسط عمر اگر ستر سال لگائی جائے، اس میں سے پندرہ سال بچپن کے نکال لیں یا دس نکال لیں، باقی ساٹھ سال رہ گئے، پھر ساٹھ کو تین حصوں میں تقسیم کرلیں، ایک حصہ نیند کا، ایک حصہ محنت ومزدوری کا اور ایک حصہ دیگر تمام کاموں کا، جس میں آرام بھی ہے، کھیل کود بھی ہے، بیماری بھی ہے، شادی بیاہ کی تقریبات بھی ہیں، سیاسی سرگرمیاں بھی ہیں، سیر وتفریح بھی ہے، شاپنگ کے لیے بازاروں میں گھومنا بھی ہے، دوست واحباب سے گپ شپ لگانا بھی ہے، مہمان نوازی بھی ہے اور عبادت بھی ہے۔

اب ان بیس سالوں میں کہ جن میں بڑے بڑے ٹائم کنزیومنگ (Time Consuming) کام بھی ہیں، آدمی عبادت کو کتنا وقت دے پاتا ہوگا، اگر کوئی آدمی بہت زیادہ عبادت گزار بھی ہو تو اپنی ستر سالہ زندگی میں زیادہ سے زیادہ سات آٹھ سال عبادت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں گزارتا ہے، آپ اس کو دس سال کرلیں، مگر سوچیں کہ کہاں ایک طرف بہت زیادہ محنت و مشقت کے بعد آدمی زیادہ سے زیادہ دس سال عبادت کر پاتا ہے اور کہاں دوسری طرف اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل و کرم سے محض ایک رات عبادت کرنے سے ۸۳ سال کی عبادت سے بھی زیادہ اجر وثواب پالیتا ہے۔

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا کوئی سمجھدار آدمی اللہ تعالیٰ کی اس رحمت اور فضل وکرم سے لبریز پیشکش کو ٹھکرا سکتا ہے! یقیناً نہیں! تو پھر سوال یہ ہے کہ اس کو نظرانداز کیوں کیا جاتا ہے، اس سے مستفید ہونے کے لیے دل میں شوق اور جذبہ کیوں پیدا نہیں ہوتا، طبیعت اس طرف مائل کیوں نہیں ہوتی، ہمت پیدا کیوں نہیں ہوتی، بے زاری، بے رغبتی اور سستی وکاہلی مزاج پر کیوں غالب ہوتی ہے، اس کی سعادت حاصل کرنے کی توفیق کیوں نہیں ہوتی، ہمیں اس کے اسباب تلاش کرنا ہوں گے اور اس بدنصیبی اور محرومی کی حالت سے نکلنا ہوگا کہ اخروی زندگی کے حوالے سے یہ بہت بڑے خطرات کی نشاندہی کرتی ہے، مگر افسوس کہ ہم میں سے اکثر لوگوں کو شاید اس بات کا احساس ہی نہیں ہے کہ ہم محرومی اور بدنصیبی کا شکار ہیں۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

حقیقت یہ ہے کہ سب سے بڑی بدنصیبی احساس زیاں کا ختم ہوجانا ہے، کوئی بڑے سے بڑا مرض اتنا خطرناک نہیں ہوتا جتنا خطرناک اس کے احساس کا فقدان ہوتا ہے۔

بظاہر یہ بات بڑی معمولی معلوم ہوتی ہے کہ کسی بیمار کو بیماری کا احساس نہ ہو، مگر حقیقت میں یہ کیفیت خود اس بیماری سے ایک بڑی بیماری ہے۔

اگر کوئی آدمی کسی خطرناک کینسر میں مبتلا ہو اور وہ آدمی خود اس کینسر کو محسوس نہ کررہا ہو تو وہ خود تو چیک اپ کروانے کی زحمت گوارا نہیں کرے گا اور اگر کسی ماہر معالج کی اس پر نظر پڑ جائے اور وہ اس کی ظاہری علامات دیکھ کر جسم میں خطرناک کینسر کے وجود کی نشاندہی کردے اور آدمی اس پر بھی یقین کرنے کو تیار نہ ہو تو آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ ایسے شخص کا انجام کیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہو سکتا ہے، اس لیے سب سے پہلے اس بات کی سنگینی کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ ہمیں اپنی بدنصیبی کا احساس نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتنا بڑا انعام ہو، اتنی بڑی پیشکش ہو کہ:

((مَنْ يَقُمْ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ))

(بخاري : ٣٥)

جس شخص نے ایمان اور یقین کے ساتھ اور خالص اجر وثواب کی نیت سے لیلۃ القدر کا قیام کیا تو اس کے گذشتہ تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

اتنا بڑا اجر و انعام سن کر بھی جذبۂ ایمان میں کوئی تحریک اور جنبش پیدا نہ ہو، جوش و جذبہ اور گرمجوشی نہ آئے، اس کی طرف طبیعت مائل نہ ہو، تو یہ کس چیز کی علامت ہے!

یہ اس چیز کی علامت ہے کہ انسان توفیق سے محروم ہے، نہ صرف محروم ہے بلکہ محروم کر دیا گیا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ کوئی بھی کام چاہے دنیا کا ہو یا دین کا، اللہ کی توفیق کے بغیر ممکن نہیں ہوتا، دنیا کے کاموں میں اللہ تعالیٰ کی توفیق کا مطلب اس کی مشیّت اور ارادہ ہے اور دین کے کاموں میں اللہ کی توفیق کا مطلب اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔

ہم اس وقت یہاں دین کے حوالے سے توفیق کی بات کر رہے ہیں کہ نیکی کے کاموں میں کس کو توفیق دی جاتی ہے اور کون محروم کیا جاتا ہے۔

تو اس سلسلے میں بنیادی بات یہ ہے کہ جس کو توفیق کی چاہت ہوتی ہے اور وہ اس کے لیے مقدور بھر کوشش بھی کرتا ہے تو اس کو توفیق دے دی جاتی ہے، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ إِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ أَنَابَ ﴿٢٧﴾﴾ (الرعد : ٢٧)

”کہہ دیجیے! اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور وہ اپنی طرف آنے کا راستہ اس کو دکھاتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے۔“

جو خود اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کرتا، اسے زبردستی ہدایت اور توفیق نہیں دی جاتی۔

اللہ کی توفیق کا اہل ہونے کے لیے سچی طلب اور مخلصانہ کوششوں کا ہونا ضروری ہے،

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اگر کوئی شخص توفیق کا طلبگار ہی نہ ہو تو زبردستی ہدایت اور توفیق دینا اللہ تعالیٰ کا قانون ہی نہیں ہے، اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کے سب لوگوں کو ہدایت دے دیتا، مگر اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴾ (السجدہ : ١٣)

''اگر ہم چاہتے تو پہلے ہی ہر نفس کو اس کی ہدایت دے دیتے مگر میری وہ بات پوری ہوگئی جو میں نے کہی تھی کہ میں جہنم کو جنوں اور انسانوں سب سے بھر دوں گا۔''

تو ہدایت اور توفیق چاہنے سے ملتی ہے، جستجو سے ملتی ہے، مانگنے سے ملتی ہے، اللہ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ ﴾ (الفرقان : ٧٧)

''کہہ دیجیے کہ میرے رب کو تمہاری کیا حاجت پڑی ہے اگر تم اس کو نہ پکارو۔''

ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھیں کہ ہمارے دلوں میں ہدایت و توفیق کی کتنی طلب اور چاہت ہے، ہدایت کی ہمارے نزدیک کیا قدر و قیمت ہے، توفیق کی کیا حیثیت ہے، کبھی ہم نے دل میں اس کو چاہا، زبان سے اس کو مانگا؟ اور اگر جواب نفی میں آئے تو جان لیجیے کہ ہماری توفیق سے محرومی کا یہ ایک بنیادی سبب ہے۔

اور توفیق کے لیے صرف ہدایت مانگنا ہی کافی نہیں بلکہ اس پر ثابت قدمی کے لیے فکر مند ہونا اور دعاء مانگنا بھی ضروری ہے، چنانچہ ہمیں سکھایا گیا ہے کہ ہم ہر نماز اور ہر رکعت میں اللہ تعالیٰ سے راہ ہدایت کی اور اس پر ثابت قدمی کی دعاء مانگا کریں۔

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴾ (الفاتحہ : ٦)

''ہمیں سیدھی راہ کی راہنمائی فرما۔''

یعنی ہمیں زندگی کے ہر شعبے میں سیدھے راستے کی رہنمائی نصیب فرما، ایسا راستہ کہ جس میں ٹیڑھ نہ ہو اور اس پر قائم اور ثابت قدم رکھ۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو راہ ہدایت کی اور توفیق کی دل کی گہرائیوں سے مسلسل دعاء مانگتے رہنا ضروری ہے اور یہ دعاء اگرچہ ہم اللہ کے فضل اور اس کی توفیق سے مسلسل ہی مانگتے ہیں، مگر لگتا ہے کہ ہمارے دل اور ہماری زبانیں ہم آہنگ نہیں ہیں۔ زبان کچھ کہہ رہی ہوتی ہے دل کچھ اور چاہ رہا ہوتا ہے۔ جب دل زبان کی تصدیق نہیں کرتا تو زبان سے نکلے ہوئے الفاظ بے معنی ہو جاتے ہیں۔

اور دل اور زبان کا تضاد اور عدمِ موافقت منافقت اور ٹیڑھ پن ہے اور اس ٹیڑھ پن کے نتیجے میں دل ٹیڑھے کر دیئے جاتے ہیں اور توفیق سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ اعاذنا اللہ منھا

جیسا کہ فرمایا:

﴿فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝﴾

(الصف : ۵)

”جب انہوں نے ٹیڑھ اختیار کی تو اللہ نے ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے، اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔“

لہٰذا اس بات کی فکر ہونی چاہیے کہ کہیں اللہ ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر دے اور اس سے دعا مانگتے رہنا چاہیے کہ:

﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝﴾ (آل عمران : ۸)

”اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما، یقیناً تو ہی بہت بڑی عطا دینے والا ہے۔“

اور دلوں کو دین پر، ہدایت پر، نیکی کی توفیق پر ثابت کر دینے اور جما دینے کی دعاء مانگتے رہنا چاہیے، جیسا کہ حدیث میں ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

((كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُكْثِرُ أَنْ يَقُولَ يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ))

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

’’آپ ﷺ بکثرت یہ دعاء فرمایا کرتے تھے: اے دلوں کو الٹ پلٹ کر دینے والے، میرے دل کو اپنے دین پر ثابت کر دے اور جما دے۔‘‘

((فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ آمَنَّا بِكَ وَبِمَا جِئْتَ بِهِ فَهَلْ تَخَافُ عَلَيْنَا؟))

’’حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم آپ پر اور جو دین آپ لے کر آئے ہیں اس پر ایمان لائے ہیں، کیا آپ کو ہم پر کوئی اندیشہ ہے؟‘‘

((قَالَ نَعَمْ))

’’تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔‘‘

((إِنَّ الْقُلُوبَ بَيْنَ أُصْبُعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ اللّٰهِ يُقَلِّبُهَا كَيْفَ يَشَاءُ))

(ترمذي : ٢١٤٠)

’’لوگوں کے دل اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں، وہ انہیں جدھر چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔‘‘

اس لیے دل میں یہ ڈر اور خوف موجود رہنا چاہیے کہ ہماری کسی کوتاہی کی بنا پر کہیں ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر دیئے جائیں۔

اپنے دلوں کی کیفیت اور ایمان کے لیول کو قرآن وحدیث پر پیش کر کے گاہے بگاہے چیک کرتے رہنا چاہیے اور تجدید ایمان کرتے رہنا چاہیے کہ ایمان بڑھتا اور گھٹتا اور بوسیدہ بھی ہو جاتا ہے، گھس جاتا ہے، کہ عبادت جب آہستہ آہستہ عادت بن جاتی ہے تو اس کی چمک دمک ماند پڑ جاتی ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے اسے لباس سے تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا:

((إِنَّ الْإِيْمَانَ لَيَخْلَقُ فِي جَوْفِ أَحَدِكُمْ، كَمَا يَخْلَقُ الثَّوْبُ))

(صحيح الجامع : ١٥٩٠)

’’ایمان تم میں سے کسی کے سینے میں بوسیدہ ہو جاتا ہے جس طرح کپڑا بوسیدہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہو جاتا ہے۔''

رمضان المبارک کے جہاں بہت سے فوائد اور حکمتیں ہیں، وہاں یہ تجدید ایمان کا سالانہ پروگرام بھی ہے، اس لیے اس سے بھرپور استفادے کی کوشش کرنی چاہیے اور اپنا خصوصی اور قیمتی وقت نکال کر اس میں شریک ہونا چاہیے۔

اپنے دلوں میں جھانک کر اگر دیکھیں کہ رمضان المبارک کے استقبال کے لیے ہم کس حد تک پرجوش اور اس سے مستفید ہونے کے لیے کس حد تک پرعزم ہیں تو ہمیں اپنی ایمانی کیفیت کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا۔

لیلۃ القدر کی برکتوں اور سعادتوں سے مستفید ہونے کے لیے ہم لوگ کس حد تک تیار ہیں، اس کو اک معیار سمجھ لیجیے، کیونکہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ إِنَّ لَيْلَةَ الْقَدْرِ لَتَثْقُلُ عَلَى الْكَافِرِ وَالْمُنَافِقِ حَتّٰى كَأَنَّهَا عَلَى ظَهْرِهِ جَبَلٌ)) (تفسير ابن كثير ، سورة القدر)

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے لیلۃ القدر کافر اور منافق پر ایسی بھاری ہوتی ہے گویا کہ اس کی کمر پر پہاڑ ہو۔''

اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہِ رمضان المبارک اللہ کا اہل ایمان پر ایک عظیم احسان

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُتِبَ عَلَيْكُمُ ٱلصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴾ (البقرہ : ۱۸۳)

یوں تو اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں پر بے شمار انعامات واحسانات ہیں مگر رمضان المبارک اللہ تعالیٰ کا اپنے مؤمن بندوں کے لیے اک بہت بڑا اور خصوصی انعام ہے، البتہ اس بات کا احساس وادراک کہ یہ واقعی اللہ تعالیٰ کا اک بہت بڑا انعام ہے شاید ہر ایک کے لیے اتنا آسان کام نہ ہو اور اس کا سبب یہ ہے کہ اس نعمت کے نعمت ہونے کا ادراک اس شخص کو ہوتا ہے جسے آخرت کی فکر دامن گیر ہو، دنیا میں مگن اور اس کی دلدل میں پھنسے ہوئے آدمی کو اس کا احساس ہونا نہایت مشکل بات ہے، ہاں اللہ تعالیٰ کسی پر اپنا خصوصی رحم فرماتے ہوئے اسے یہ سمجھ عطا کر دے تو اور بات ہے مگر عام حالات میں دنیا کے طالب کو آخرت کی باتیں سمجھ میں نہیں آتیں۔

سوال یہ ہے کہ رمضان پیکیج کی صورت میں خصوصی انعام صرف اہل ایمان کے لیے ہی کیوں، تمام انسانوں کے لیے کیوں نہیں؟

تو اس کی وجہ یہ ہے کہ رمضان پیکیج اصل میں اسلام پیکیج کا حصہ ہے، جو اسلام پیکیج قبول کر لیتا ہے اسے رمضان پیکیج بھی مل جاتا ہے اور جو اسلام پیکیج ٹھکرا دیتا ہے، وہ رمضان پیکیج سے خود بخود محروم ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت سب کے لیے یکساں ہے، کوئی قبول کر لے یا ٹھکرا دے یہ خود اس پر منحصر ہے، اللہ فرماتے ہیں:

﴿ كُلًّا نُّمِدُّ هَٰٓؤُلَآءِ وَهَٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۚ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا ﴾

(الاسراء : ۲۰)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"ان کو بھی اور ان کو بھی، دونوں کو ہم اپنی عطا سے نوازتے ہیں اور تیرے رب کی عطا کو کوئی روکنے والا نہیں ہے۔"

تو جو دنیا مانگتا ہے اسے دنیا اور جو آخرت چاہتا ہے اسے آخرت دی جاتی ہے تو اسلام پیکیج کو ٹھکرا دینے والا، رمضان پیکیج سے محروم رہتا ہے، اس سے ہرگز مستفید نہیں ہوسکتا۔

اور جو لوگ رمضان پیکیج کے مستحق ہیں، یعنی مسلمان، وہ یقیناً اس سے مستفید ہو سکتے ہیں، مگر کیسے مستفید ہوسکتے ہیں، آیئے جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

گذشتہ جمعے ہم نے لیلۃ القدر کی سعادتوں سے مستفید ہونے کے حوالے سے بات کرتے ہوئے یہ جانا کہ کوئی بھی نیک کام اللہ کی توفیق کے بغیر ممکن نہیں ہوتا، لہٰذا سب سے پہلی چیز رمضان المبارک سے مستفید ہونے کے لیے اللہ کی توفیق کا شامل حال ہونا ہے۔

اور توفیق کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اپنی رضا اور خوشنودی اور جو کچھ بندوں سے مطلوب ہے اس کے لیے راہ ہموار کر دے، اسباب مہیا کر دے۔

اور یہ توفیق کسی کو کب حاصل ہوتی ہے اور کوئی کیوں محروم ہوتا ہے، یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس توفیق کے حصول کے اسباب تو یقیناً بہت زیادہ ہیں اور وہ یوں کہ ہر نیکی کا کام اک دوسری نیکی کی توفیق کا باعث بنتا ہے بشرطیکہ کوئی نیکی سے محروم کر دینے والا کام اس میں حائل نہ ہو جائے۔

اور نیکی کی توفیق پانے کے لیے ضروری نہیں کہ کوئی بہت بڑی نیکی کی جائے تو اک دوسری نیکی کی توفیق حاصل ہوگی بلکہ کوئی ہلکی سی نیکی بھی نیکی کی توفیق کا باعث بن سکتی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے:

((السِّوَاكُ مَطْهَرَةٌ لِلْفَمِ مَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ)) (النسائي : ٥)

"مسواک منہ کی صفائی اور اللہ کی رضا اور خوشنودی کا ذریعہ ہے۔"

یعنی مسواک کرنے سے اللہ راضی ہوتا ہے اور اللہ جس سے راضی ہوتا ہے اسے نیکی کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

توفیق دیتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، حدیث قدسی ہے، اللہ فرماتے ہیں:

((وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أُحِبَّهُ))

"میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرے قریب ہوتا رہتا ہے حتی کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔"

((فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا))

(بخاري: ٦٥٠٢)

"اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے کہ وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے کہ وہ دیکھتا ہے، اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔"

تو اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اسے توفیق دیتا اور ایسی توفیق دیتا ہے کہ جس کے لیے استعارہ استعمال کیا گیا ہے کہ اس کے کان بن جاتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ بندے کا ہر کام اللہ کی مرضی اور منشا اور اس کی پسند کے مطابق ہوتا ہے۔

تو بات ہو رہی تھی کہ رمضان المبارک سے مستفید ہونے کے لیے سب سے پہلے اللہ کی توفیق حاصل ہونا ضروری ہے اور اگر اللہ کی توفیق حاصل نہ ہو تو پھر نیکی کے چاہے تمام حسی اسباب موجود ہوں کہ آدمی تندرست اور صحت مند بھی ہو، فارغ البال بھی ہو، کسی قسم کی روکاوٹ اور ممانعت بھی نہ ہو، ہوش وحواس قائم ہوں، موسم خوشگوار ہو، کوئی ذمہ داری نہ ہو، کوئی پریشانی نہ ہو، مسجد قریب ہو، تو بھی وہ نیکی نہ کر پائے گا کیونکہ اللہ نے اسے توفیق ہی نہیں دی ہوگی، اسلام کے لیے اس کا سینہ نہیں کھولا ہوگا، اسے شرح صدر حاصل نہیں ہوا ہوگا، دل میں نیکی کے لیے تنگی اور انقباض پاتا ہوگا، نیکی کرتے ہوئے گھٹن سی محسوس کرتا ہوگا،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عبادت میں لذت نہیں پاتا ہوگا، یہ سب عدم توفیق کی علامات ہی ہیں اور توفیق سب سے اہم مسئلہ ہے، چنانچہ اس سے متعلق کسی نے کیا خوب بات کہی ہے کہ:

”حَتَّى تَتَيَقَّنَ أَنَّ الْمَسْأَلَةَ هِيَ مَسْأَلَةُ التَّوْفِيْقِ ، أُنْظُرْ إِلَى الذِّكْرِ ، مِنْ أَسْهَلِ الطَّاعَاتِ ، لَكِنْ لَا يُوَفَّقُ لَهُ إِلَّا قَلِيْلٌ“

”تاکہ آپ کو یقین ہو جائے کہ اصل مسئلہ توفیق ہی کا مسئلہ ہے، ذکر کو دیکھئے، اک سب سے آسان نیکی ہے، مگر اس کی توفیق بہت کم لوگوں کو ہوتی ہے۔“

اس لیے اگر کوئی شخص اس طرح کی کیفیت محسوس کرتا ہو تو اسے فکر مند ہونا چاہیے اور فوراً اس کے علاج کی طرف متوجہ ہونا چاہیے کہ اگر اس کا علاج نہ کیا جائے تو اس بیماری میں دن بدن اضافہ ہی ہوتا ہے، افاقہ نہیں ہوتا اور پھر انجام بالآخر ناپسندیدہ ہوتا ہے۔ اعاذنا اللّٰہ منه۔

تو رمضان المبارک سے مستفید ہونے کے لیے سب سے پہلی چیز توفیق ہے اور پھر اس کے بعد عملی جدوجہد، جو شخص جس قدر اس میں وقت لگائے، محنت کرے گا، اسی قدر اس سے مستفید ہوگا، یہ بالکل سیدھی سادھی اور سمپل سی حقیقت ہے۔

توفیق الٰہی کے بعد انسان اپنی ہمت، محنت اور کوشش کے مطابق اس سے مستفید ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے علم دین سمانے والے دلوں کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

﴿ أَنزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا ﴾ (الرعد : ١٧)

”اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا اور ہر ندی نالہ اپنے ظرف کے مطابق اسے لے کر بہہ نکلا۔“

یعنی جس طرح ندی نالوں میں ان کی وسعت اور کشادگی کے حساب سے پانی سماتا ہے، اسی طرح دلوں میں بھی ان کی وسعت کے مطابق علم سماتا ہے۔

تو کچھ ایسے ہی رمضان المبارک سے بھی آدمی اپنی ہمت، محنت اور کوشش کے مطابق مستفید ہوتا ہے، اور توفیق الٰہی کے بعد یقیناً ہمت، محنت اور کوشش والے لوگ ہی کامیاب

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ہوتے ہیں۔

دنیا اور آخرت کی کامیابی کے حوالے سے توفیق الٰہی کے بعد ہمت انسان کا سب سے بنیادی، سب سے بڑا اور سب سے اہم مسئلہ ہے مگر شاید اکثر لوگ اس کی حقیقت سے واقف نہ ہوں اور اس کی اہمیت کو سمجھتے نہ ہوں، لہٰذا اس کی اہمیت کے پیش نظر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہمت کی تھوڑی سی وضاحت ہو جائے۔

ہمت انسان کے اندر ایک ایسی قوت و طاقت کا نام ہے جو اسے کام کے کرنے پر ابھارتی، برانگیختہ کرتی اور اس میں جذبہ پیدا کرتی ہے اور اسے دوسرے الفاظ میں عزم مصمم، غیر متزلزل اور پختہ ارادہ بھی کہتے ہیں۔

ہمت انسان کے وجود کے ساتھ ہی موجود ہوتی ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کر کے دنیا میں اس کا نصیب تقسیم کر رکھا ہے، اس کا رزق، اخلاق، عقل، حسن و جمال، صلاحیتیں، خوبیاں اور دیگر حظوظ رکھے ہیں ایسے ہی انسان کو ہمت بھی دے رکھی ہے اور دوسرے اخلاق و صفات کی طرف لوگوں کی ہمتوں میں بھی بہت بڑا فرق و تفاوت پایا جاتا ہے، کوئی اتنا بلند ہمت ہوتا ہے کہ آسمان کی بلندیوں کو چھو رہا ہوتا ہے اور کوئی اتنا پست ہمت ہوتا ہے کہ زمین کے ساتھ چمٹ کے بیٹھا ہوتا ہے۔

ہمت جیسا کہ ہم نے ابھی جانا کہ عزم مصمم اور پختہ ارادے کو کہتے ہیں اور ہمت کی تعریف یہ ہے کہ ایسا عزم اور پختہ ارادہ کہ جو قابل شرف کام کی چوٹی پر پہنچنے سے کم پر راضی نہ ہو۔

اس کی مثال دیتے ہوئے امام ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

مثلاً نبوت اگر محنت اور کوشش سے حاصل ہونے والی چیز ہوتی تو کوئی بلند ہمت رکھنے والا شخص اس سے کسی کم مرتبے پر راضی نہ ہوتا، بلکہ اس کی تمام تر جدوجہد اور کوشش اسی مقام اور منصب کو حاصل کرنے میں صرف ہوتی، وہ ولی ہونے پر اکتفا نہ کرتا۔

چنانچہ آدمی اپنی ہمت سے پہچانا جاتا ہے، اس کے مقام و مرتبے اور اس کی حیثیت کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تعین اس کی ہمت سے ہوتا ہے اور اس کی ہمت اس کے مطلوب و مقصود سے پہچانی جاتی ہے اور کسی مطلوب کے اعلیٰ و ادانی ہونے کا معیار عقل سلیم اور دین ہے۔

بہت سی صورتوں میں بہت سے لوگ یقیناً بیک وقت دونوں چیزیں حاصل کر رہے ہوتے ہیں، اعلیٰ بھی اور ادنیٰ بھی، ایک منزل کے طور پر اور دوسری ذریعے کے طور پر، اب ایسے شخص کی ہمت کا اور اس کی حیثیت کا تعین کیسے ہوگا؟

اس کو ایک مثال کے ساتھ سمجھئے، اعلیٰ چیز کی مثال دین ہے اور ادنیٰ چیز کی مثال دنیا ہے۔

دین کے اعلیٰ ترین ہونے میں عقل اور دین کی رو سے کسی کو شک نہیں اور اس کے مقابلے میں دنیا کے ادنی ہونے میں بھی عقل اور دین کی رو سے کسی کو کوئی شک نہیں ہونا چاہیے کہ دنیا عارضی بھی ہے، فانی ہے، ناپائیدار بھی ہے اور بے وفا بھی ہے، جس کے مقابلے میں دین کہ جس پر چل کر آدمی اپنی آخری، حتمی اور حقیقی منزل پر کامیابی کے ساتھ پہنچتا ہے وہ ابدی بھی ہے، لازوال بھی ہے، پائیدار بھی ہے، اور باوفا بھی ہے۔

اب ایک آدمی دین پر چلنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کے اعلیٰ مقصود کے حصول کی کوششوں پر تو کوئی کلام نہیں کہ وہ درست سمت میں جا رہا ہے، کہ وہ اسے اپنی آخری اور حقیقی منزل سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہے، مگر ساتھ ہی وہ دنیا کے، یعنی ادنیٰ چیز کے حصول کے لیے بھی کوشش کر رہا ہے اور وہ اسے زندہ رہنے اور منزل تک پہنچنے کا ذریعہ سمجھ کر حاصل کر رہا ہے، اس پر بھی کوئی کلام نہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ ایسے آدمی کی حیثیت کا تعین کیسے ہوگا؟

بظاہر فیصلہ مشکل معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت میں نہایت ہی آسان ہے اور ہر شخص کے لیے آسان ہے، جو تھوڑا سا بھی اس پر غور کر لے۔

اور وہ یہ کہ جب تک وہ منزل کے حصول کے لیے کی جانے والی کوششیں، منزل کے حصول کے تقاضوں کے مطابق کرتا رہے اور ذریعے کے حصول کے لیے کی جانے والی کوششیں ذریعے کی حد تک ہی محدود رہیں تو وہ اعلیٰ اور بلند ہمت والا شخص ہوگا اور اس کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حیثیت ایک باہمت انسان کی ہوگی جو عقلمند اور دانا ہے اور بامقصد زندگی گزارتا ہے۔

لیکن اس کے برعکس اگر اس نے ذریعے کو زندگی کا مقصد اور منزل بنا لیا اور جو کوششیں منزل کے حصول کے لیے کی جانی چاہئیں تھیں، وہ اس نے ذریعے کے حصول کے لیے صرف کر دیں، تو ایسا شخص پست ہمت والا شخص ہوگا، جو اعلیٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ پر کفایت کر بیٹھا، وہ نادان ہے اور بے مقصد زندگی گزار رہا ہے۔

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیسے پتا چلے گا کہ آدمی منزل کو منزل سمجھ کر اور ذریعے کو ذریعہ سمجھ کر زندگی گزار رہا ہے یا اس نے ذریعے کو منزل بنا لیا ہے۔

تو میں اس کی وضاحت کرنے کے بجائے آپ کو یہ ہوم ورک دیتا ہوں اور میں خود بھی اس میں شامل ہوں کہ ہم اپنے اپنے بارے میں یہ جاننے کی کوشش کریں کہ ہم منزل کے حصول کے لیے کوشش کر رہے ہیں، یا ہم نے ذریعے کو منزل بنا لیا ہے، مگر یاد رہے کہ اس ہوم ورک پر مارکس ہم نے خود لگانے ہیں اور دیانت داری سے اپنے ضمیر کے مطابق لگانے ہیں۔

اسی موضوع پر ایک جمعے کے وقفے کے بعد ان شاء اللہ مزید گفتگو ہوگی۔

آخر میں رمضان المبارک سے استفادے کے حوالے سے نصیحت کے طور پر ایک دو حدیثیں سن لیتے ہیں:

((قَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ: يَأْمُرُ اللّٰهُ الصِّرَاطَ فَيُضْرَبُ عَلَى جَهَنَّمَ، فَيَمُرُّ النَّاسُ عَلَى قَدْرِ أَعْمَالِهِمْ زُمَرًا زُمَرًا))

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پل صراط نصب کرنے کا حکم دیں گے جسے جہنم پر لگا دیا جائے گا، لوگ اپنے اعمال کے حساب سے اس پر سے گزریں گے گروہ در گروہ۔''

((أَوَائِلُهُمْ كَلَمْحِ الْبَرْقِ، ثُمَّ كَمَرِّ الرِّيحِ، ثُمَّ كَمَرِّ الطَّيْرِ، ثُمَّ كَمَرِّ الْبَهَائِمِ))

''سب سے پہلے عبور کرنے والے بجلی کے جھپکنے کی طرح گزر جائیں گے، پھر ہوا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے چلنے کی طرح، پھر پرندے کے اڑنے کی طرح اور پھر جانوروں کی چال کی طرح۔''

((حَتَّى يَمُرَّ الرَّجُلُ سَعْيًا ، وَحَتَّى يَمُرَّ الرَّجُلُ مَشْيًا ، حَتَّى يَمُرَّ آخِرُهُمْ يَتَلَبَّطُ عَلَى بَطْنِهِ))

''حتی کہ کوئی آدمی دوڑتا ہوا گزرے گا اور کوئی چلتے ہوئے، حتی کہ سب سے آخر میں پیٹ کے بل گھسٹتا ہوا گزرے گا۔''

((فَيَقُوْلُ: يَا رَبِّ لِمَ بَطَّأْتَ بِي؟))

''تو وہ عرض کرے گا، اے میرے رب مجھے سست رفتار کیوں رکھا، یعنی سب سے پیچھے کیوں رکھا؟''

((فَيَقُوْلُ: إِنِّي لَمْ أُبْطِئْ لَكَ ، إِنَّمَا أَبْطَأَبِكَ عَمَلُكَ))

(جامع العلوم والحکم/ شرح حدیث : ٣٦)

''تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے تجھے پیچھے نہیں رکھا، بلکہ تمہارے عمل نے تجھے پیچھے رکھا ہے۔''

میں سمجھتا ہوں اور آپ بھی یقیناً محسوس کرتے ہوں گے کہ یہ حدیث اپنے معنوں میں اتنی واضح ہے کہ اس کی مزید تشریح، تفصیل اور وضاحت کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

اسی طرح وہ حدیث کہ جس میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آیت: ﴿ وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴾ (الشعراء : ٢١٤) ''اور اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈراؤ۔'' نازل ہونے کے بعد آپ ﷺ نے اپنے قریبی رشتہ داروں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

((يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ إِشْتَرُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ اللّٰهِ لَا أُغْنِى عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا يَا بَنِى عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَا أُغْنِى عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا يَا عَبَّاسَ بْنَ عَبْدِالْمُطَّلِبِ لَا أُغْنِى عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَيَا صَفِيَّةُ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

عَـمَّةَ رَسُـولِ الـلَّـهِ لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَيَا فَاطِمَةُ بِنْتَ رَسُـوْلِ الـلّٰـهِ سَـلِينِي مَا شِئْتِ مِنْ مَالِي لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا)) (مسلم : ٢٠٦)

''اے قریش کے لوگو! اپنی جانوں کو اللہ سے خرید لو، میں اللہ کے سامنے تمہارے کچھ کام نہیں آ سکتا، اے عبد المطلب کے بیٹو! میں اللہ کے سامنے تمہارے کچھ کام نہیں آ سکتا، اے عباس ابن عبد المطلب ! میں اللہ کے سامنے تمہارے کچھ کام نہیں آ سکتا، اے صفیہ رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی میں اللہ کے سامنے تمہارے کچھ کام نہیں آ سکتا، اے فاطمہ رسول اللہ کی بیٹی! میرے مال سے جو چاہے مانگ لے، میں اللہ کے سامنے کچھ کام نہیں آ سکتا۔''

اسی طرح اور بھی بہت سی آیات و احادیث ہیں جو ہمیں عمل کی ترغیب دلاتی ہیں، لہٰذا رمضان المبارک چونکہ مغفرت و بخشش حاصل کرنے اور برکتیں اور سعادتیں سمیٹنے کا ایک سنہری موقع ہے، اس لیے ہمیں اس سے مستفید ہونے کے لیے خود ہی کوشش کرنا ہوگی، اور اس بات کو مزید ذہن نشین کرنے کے لیے یہ حدیث ہمیشہ نظروں کے سامنے رکھیں کہ:

((وَمَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ ، لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ .)) (مسلم : ٦٨٥٣)

''جس کا عمل اس کو پیچھے چھوڑ دے، اس کا نسب (خاندان) اسے آگے نہیں بڑھا سکتا۔''

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رمضان المبارک کی برکتوں سے استفادہ اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر ممکن نہیں

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝١٨٣﴾ (البقرہ : ۱۸۳)

رمضان المبارک اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایتوں اور نوازشوں کا مہینہ ہے، اس میں کسی سچے مسلمان کو یقیناً شک نہیں ہوسکتا، رہی اس سے مستفید ہونے کی بات، تو وہ اللہ کی توفیق کے بعد ہر آدمی کی اپنی اپنی سعی و جہد، ہمت و استطاعت، شوق ولگن، اور جذبے اور ولولے پر منحصر ہے کہ وہ کس قوت و شدت اور سنجیدگی کے ساتھ اس سے مستفید ہونے کی کوشش کرتا ہے۔

گذشتہ جمعے توفیق کے حوالے سے بات ہوئی کہ اللہ کی توفیق کے بغیر کوئی نیکی ممکن نہیں ہوسکتی، اور توفیق ہر ایک کو حاصل نہیں ہوتی، کچھ لوگوں کو توفیق سے نوازا جاتا ہے اور کچھ دوسروں کو محروم کر دیا جاتا ہے اور ان سے چھین لی جاتی ہے، جن کو توفیق سے نوازا جاتا ہے وہ سعادت مند اور خوش نصیب ہوتے ہیں اور جن کو محروم کیا جاتا ہے، وہ بدبخت و بدنصیب ہوتے ہیں۔

رمضان المبارک سے مستفید ہونے کے لیے توفیق کی ضرورت و اہمیت کو سمجھنا نہایت ضروری ہے، کیونکہ جیسا کہ ہم نے پہلے سنا کہ اللہ کی توفیق کے بغیر کوئی چھوٹی سے چھوٹی نیکی بھی نہیں کی جاسکتی، تو جب توفیق کی ضرورت و اہمیت کا یہ عالم ہو تو پھر اس کے بغیر اتنی بڑی سعادت کیسے حاصل ہوسکتی ہے کہ انسان رمضان المبارک کی برکتوں کو سمیٹ سکے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

توفیق کے حوالے سے اگرچہ گذشتہ خطبے میں بھی تھوڑی سی بات ہوئی، مگر آج کے خطبے میں بھی کچھ مزید اس پر گفتگو کرتے ہوئے توفیق کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور توفیق کی تعریف جیسا کہ گذشتہ خطبے میں ہم نے جانی کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اپنی رضا اور خوشنودی اور جو کچھ اسے اپنے بندوں سے مطلوب ہے، اس کے لیے راہ ہموار کر دے، اسباب مہیا کر دے، اس کے لیے راستے کھول دے، دل میں محبت اور شوق پیدا کر دے، ہمت عطا کر دے اور کام آسان کر دے۔

توفیق کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے ہدایت عامہ اور حجت کی حقیقت کو سمجھنا بھی ضروری ہے تا کہ ان میں فرق جان کر توفیق کا مفہوم مزید واضح اور آسان ہو جائے۔

سب سے پہلے تو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام کی تمام مخلوقات کو ہدایت عامہ سے نواز رکھا ہے، ایک ہدایت عامہ دنیا میں ضروریات زندگی کے حوالے سے ہے، جیسا کہ فرعون نے جب موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ:

﴿قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ﴾ (طٰہٰ : ٤٩)

”اے موسیٰ! تم دونوں کا رب کون ہے؟“

﴿قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴾ (طٰہٰ : ٥٠)

”تو فرمایا: ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی ساخت بخشی پھر اس کو راستہ بتایا۔“

یعنی ہر چیز کو ایک خاص بناوٹ اور ساخت اور شکل وصورت عطا کی، قوت وصلاحیت دی اور صفت و خاصیت دی اور پھر اس نے اس کے استعمال اور اس سے استفادے کی رہنمائی بھی دی، راستہ بتایا اور طریقہ بھی سکھایا، جیسا کہ انسان کو چلنا سکھایا، مچھلی کو تیرنا اور پرندے کو اڑنا سکھایا وغیرہ۔

اور ایک ہدایت عامہ آخرت کے حوالے سے ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ نے انسان کو نوازا ہے اور وہی اس کے مخاطب ہیں کہ:

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

﴿ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ۝۳ ﴾ (الانسان : ۳)

''ہم نے اسے راستہ دکھایا، خواہ شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا۔''

یعنی حق و باطل اور صحیح اور غلط کی پہچان اس کی فطرت میں رکھ دی، اسے عقل عطا کی کہ جو اسے فعل کو دیکھ کر فاعل کے وجود کا پتا بتاتی ہے، قدموں کے نشانات کو دیکھ کر چلنے والے کے وجود کا احساس دلاتی ہے اور کائنات کو دیکھ کر خالق کے وجود کا یقین دلاتی ہے۔

اور پھر اس ہدایت عامہ کے بعد انسان کو ہدایت کے بلند درجے اور نسبتاً خصوصی مرتبے سے نوازا جاتا ہے کہ جس سے اخروی کامیابی کے لیے دنیا کی زندگی کا تفصیلی تعارف کرایا جاتا ہے، اس کی رہنمائی دی جاتی اور راستہ بتایا جاتا ہے اور وہ ہے انبیاء و رسل علیہم السلام کو مبعوث کر کے اور کتابیں نازل فرما کر لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کا بندوبست کیا جاتا ہے، اور اس ہدایت کے بعد جس جس شخص کے پاس انبیاء علیہم السلام کا پیغام ڈائریکٹ یا ان ڈائریکٹ اور آسمانی کتابوں کی تعلیمات پہنچ جائیں، تو پھر اس پر حجت قائم ہو جاتی ہے، جس کے بارے میں اللہ فرماتے ہیں:

﴿ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝۱۵ ﴾ (الاسراء : ۱۵)

''اور ہم عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ ایک رسول اور پیغام بر نہ بھیج دیں۔'' حجت تمام ہو گئی۔

اب حجت تمام ہو جانے کے بعد اصولی طور پر انسان کو مزید کسی ہدایت و راہنمائی کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل و کرم کی انتہا نہیں ہے، حجت تمام ہو جانے کے بعد بھی کہ جتنی اخروی کامیابی کے لیے ہدایت و راہنمائی کی ضرورت تھی عطا کر دینے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی نوازشات کے دروازے بند نہیں کیے، بلکہ اک خصوصی ہدایت کا سلسلہ جاری فرما دیا کہ جو لوگ اس بنیادی ہدایت سے مستفید ہوتے ہوئے اللہ کی طرف بڑھیں گے، انہیں اک خصوصی انعام سے نوازا جائے گا، کہ جو کوئی جس قدر اللہ کے قریب ہو گا اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ خود اس کے قریب ہو جائے گا، جیسا کہ حدیث

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قدسی ہے، اللہ فرماتے ہیں:

((وَمَنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا)) (مسلم : ٢٦٧٥)

"جو کوئی ایک بالشت میرے قریب ہوتا ہے، میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہوجاتا ہوں۔"

پوری حدیث آپ کو معلوم ہی ہے۔

تو اللہ تعالیٰ کی اس خصوصی رحمت، فضل وکرم اور لطف وعنایت کی اک صورت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کو توفیق سے نواز دیتے ہیں، اس کے لیے نیکی آسان کر دیتے ہیں۔

﴿فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۝﴾

(اللیل : ٥۔٧)

"جس نے اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا، تقویٰ اختیار کیا، اور نافرمانی سے پرہیز کیا اور بھلائی کی تصدیق کی اور اسے سچ مانا تو اس کو ہم آسان راستے کے لیے سہولت دیں گے۔"

گویا کہ اللہ تعالیٰ نیکی کے اسباب مہیا کریں گے تو انہیں اس کے لیے آسان بھی بنا دیں گے۔ رمضان المبارک اپنی برکتیں لے کر آئے گا تو ان کے دلوں میں اس سے مستفید ہونے کے لیے، اس کی برکتیں سمیٹنے کے لیے شوق اور لگن پیدا کر دیں گے، تڑپ پیدا کر دیں گے، پھر وہ رمضان المبارک کی سعادتوں سے مستفید ہونے کے لیے دل میں انقباض محسوس نہیں کرے گا، اسے شرح صدر عطا کر دیں گے، پھر وہ رمضان المبارک کے لیے خصوصی وقت نکالے گا۔

اللہ تعالیٰ کا یہ خصوصی فضل وکرم اور لطف وعنایت ان لوگوں کے لیے ہے جو نیکی کے لیے شوق، تڑپ، لگن اور چاہت کا عملی اظہار کرتے ہوئے نظر آئیں، اگر کوئی بے دلی، لاپرواہی، بے نیازی اور لاابالی پن کے ساتھ رمضان المبارک گزار رہا ہو تو اللہ کو کیا پڑی ہے کہ اسے زبردستی توفیق سے نوازے اور اس کے لیے رمضان المبارک سے استفادہ آسان کر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دے، اللہ کا یہ طریقہ نہیں ہے، اللہ کا طریقہ یہ ہے کہ جو قریب آتا ہے وہ اس کے قریب تر ہو جاتا ہے، اور جو بے نیازی دکھاتا ہے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔

﴿ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ ﴾ (النساء : ۱۱۵)

''جو جدھر جانا چاہتا ہے اسے ادھر ہی پھیر دیتا ہے۔''

﴿ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ ﴾ (الفرقان : ۷۷)

''اے پیغمبر ﷺ! ان سے کہہ دیجیے کہ میرے رب کو تمہاری کیا حاجت پڑی ہے، اگر تم اس کو نہ پکارو۔''

اللہ تعالیٰ کا مال تجارت سستا، بے وقعت اور بے حیثیت نہیں ہے کہ جو اس سے اعراض کرے اور بے نیازی دکھائے تو اللہ تعالیٰ اس کو پیش کرتا رہے۔

((أَلَا إِنَّ سِلْعَةَ اللّٰهِ غَالِيَةٌ))

''جان لو کہ اللہ تعالیٰ کا مال تجارت بہت مہنگا ہے۔''

((أَلَا إِنَّ سِلْعَةَ اللّٰهِ الْجَنَّةُ)) (ترمذي : ۲٤٥٠)

''اور اللہ تعالیٰ کا مال تجارت جنت ہے۔''

آپ دنیا داری میں پڑے رہیں، ساری محنت و مشقت اور سعی و جہد آپ کی دنیا کمانے کے لیے ہو اور تمام صلاحیتیں اسی کے لیے صرف ہوں اور چاہیں کہ جنت آپ کو فری میں مل جائے!

یہ انداز فکر اور طرز عمل قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔ یہ دنیا کی نعمتیں جو عارضی اور فانی ہیں، ادھوری، نا تمام اور ناقص ہیں اور پوری کی پوری دنیا کہ جس کو متاع قلیل کہا گیا ہے وہ اگر بغیر محنت اور بغیر عمل کے حاصل نہیں ہوتی تو جنت جو کہ اللہ کے دیدار کے بعد سب سے بڑی نعمت اور سب سے بڑی کامیابی ہے وہ بغیر عمل کے حاصل کرنے کی خواہش دل میں رکھنا کہاں کی دانائی ہے!

عمل کی ضرورت و اہمیت اور ترغیب و تاکید کے بیان میں قرآن و حدیث بھرے پڑے ہیں، جیسا کہ قرآن پاک میں ہے کہ اہل جنت جب جنت میں داخل ہو جائیں گے تو ان سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہا جائے گا:

﴿وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيٓ أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ (الزخرف : ٧٢)

''تم اس جنت کے وارث اپنے اعمال کی وجہ سے ہوئے ہو جو تم دنیا میں کرتے رہے۔''

اور وارث آپ جانتے ہیں کہ آدمی کسی چیز کا تب ہوتا ہے، جب کوئی اسے چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے رخصت ہو جائے اور اس کی واپسی کا امکان ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے۔ دنیا میں وراثت کسی فوت شدہ شخص کی جائیداد کی ہی ہوتی ہے جو زندہ حقدار کو ملتی ہے۔ مگر آخرت میں اس کی صورت یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَلَهُ مَنْزِلَانِ، مَنْزِلٌ فِي الْجَنَّةِ، وَمَنْزِلٌ فِي النَّارِ))

''تم میں سے ہر شخص کے لیے دو منزلیں ہیں، یعنی دو گھر اور رہائشیں ہیں، ایک جنت میں اور ایک جہنم میں۔''

((فَإِذَا مَاتَ فَدَخَلَ النَّارَ وَرِثَ أَهْلُ الْجَنَّةِ مَنْزِلَهُ))

(ابن ماجة : ٤٣٤١)

''اور جو آدمی فوت ہو کر جہنم میں چلا جاتا ہے تو جنت والے اس کے گھر کے وارث بن جاتے ہیں۔''

تو بات ہو رہی تھی عمل کی کہ دنیا کمانے کے لیے خوب محنت و مشقت اور عمل کرنا، اور جنت کے حصول کے لیے محض تمنا اور آرزو پر کفایت کر لینا، یہ ہماری زندگی میں کتنا بڑا تضاد ہے! اپنے اس انداز پر اگر ہم خود ہی غور کر لیں تو اپنی اس نادانی پر تنہائی میں سر شرم سے جھک جاتا ہے۔

کچھ ایسی ہی سوچ رکھنے والوں سے شاعر یوں مخاطب ہوتا ہے کہ:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تَرْجُو النَّجَاةَ وَلَمْ تَسْلُكْ طَرِيقَتَهَا
إِنَّ السَّفِينَةَ لَا تَجْرِيْ عَلَى الْيَبَسِ

''تم کامیابی اور نجات کی تمنا رکھتے ہو مگر اس کا طریقہ اختیار نہیں کرتے، کشتی کبھی خشکی پر نہیں چلا کرتی۔''

اور قرآن پاک اس انداز فکر کی یوں مذمت کرتا ہے، فرمایا:

﴿ لَيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ وَلَآ أَمَانِيِّ أَهْلِ الْكِتٰبِ ﴾ (النساء : ١٢٣)

''انجام کار نہ تمہاری آرزوؤں پر موقوف ہے نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر۔''

﴿ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ﴾ (النساء : ١٢٣)

''جو برائی کرے گا وہ اس کا پھل پائے گا۔''

﴿ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴾ (النساء : ١٢٣)

''اور اللہ کے مقابلے میں اپنے لیے کوئی حامی و مددگار نہ پا سکے گا۔''

﴿ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴾ (النساء : ١٢٤)

''اور جو نیک عمل کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ ہو وہ مؤمن تو ایسے ہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان کی ذرہ برابر حق تلفی نہ ہونے پائے گی۔''

اور ایک دوسرے مقام پر اللہ فرماتے ہیں:

﴿ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴾ (الکهف : ١١٠)

''پس جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو، اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور عبادت میں اپنے رب کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کرے۔''

رمضان المبارک سے استفادے کے حوالے سے ہمارا سب سے بڑا مسئلہ توفیق کا مسئلہ ہے، ہمیں غور کرنے کی ضرورت ہے کہ کیا ہمیں توفیق حاصل ہے یا نہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

توفیق کے ظاہری اور حسی اسباب تو موجود ہیں کہ ایک تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں رمضان المبارک سے مستفید کرنے کے لیے اتنی مہلت زندگی عطا کی کہ ہم رمضان المبارک کو پاسکیں، صحت و تندرستی بھی عطا کی، ہوش و حواس بھی قائم ہیں، وسائل دستیاب ہیں اور کسی قسم کی روکاوٹ بھی نہیں ہے۔

مگر کیا معنوی توفیق بھی حاصل ہے، معنوی توفیق کو سمجھنے کے لیے صحابہ کرام کی ایک بہترین مثال موجود ہے، اللہ تعالیٰ صحابہ کرام کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَ زَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَ كَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۙ﴾ (الحجرات : ۷)

”مگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ایمان کو محبوب بنا دیا اور اسے تمہارے دلوں کی زینت بنا دیا، دل پسند بنا دیا اور کفر و فسق اور نافرمانی سے تم کو متنفر کر دیا، ایسے ہی لوگ راست رو ہیں۔“

﴿فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝﴾ (الحجرات : ۸)

”یہ اللہ کا فضل و انعام ہے اور اللہ علیم و حکیم ہے۔“

نیکی کے ظاہری اسباب کے ساتھ اگر اس طرح کی دلی کیفیت نہ ہو تو توفیق حاصل نہیں ہوتی اور توفیق حاصل نہ ہونے کا مطلب بالکل واضح ہے، اس کو الفاظ کا جامہ آپ خود ہی پہنا لیں۔

ہم میں سے کس کو نیکی کی توفیق حاصل ہے اور کس کو نہیں، ہر آدمی اپنے اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھ لے کہ اس نے ان مبارک ایام میں دین کو کتنا وقت دیا اور دنیا کو کتنا۔

رمضان المبارک اک موقعِ غنیمت ہے، اسے غنیمت ہی جاننا چاہیے، مال و دولت کی محبت یقیناً انسان کے دل میں شدید ہے۔

﴿وَ اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝﴾ (العادیات : ۸)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

''اور وہ مال و دولت کی محبت میں شدید مبتلا ہے۔''

اور ایسی شدت کہ اس کے لیے انسان رمضان المبارک کی برکتوں اور سعادتوں کو بھی نظر انداز کر کے، اس موقعِ غنیمت کو قربان کر کے دنیا کمانے میں مگن ہو جاتا ہے، جبکہ انسان کو اپنی مہلت عمر کا بھی ذرا حساب لگانا چاہیے کہ شاید زندگی میں دوبارہ یہ موقع میسر نہ آئے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رمضان المبارک توبہ کا مہینہ

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾ (البقرہ : ۱۸۳)

اللہ تعالیٰ کا شکر، اس کا فضل وکرم اور انعام واحسان ہے کہ اس نے مہلت عمر عطا کرتے ہوئے رمضان المبارک تک ہماری زندگیوں کو بڑھا کر ہمیں ایک بار پھر اپنی لغزشوں، کوتاہیوں، خطاؤں اور گناہوں کی مغفرت وبخشش اور معافی حاصل کرنے کا موقع عطا فرمایا ہے، اس پر اس کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے۔

((اللهم لك الحمد كما ينبغي لجلال وجهك وعظيم سلطانك))

اللہ تعالیٰ کتنا رحیم وکریم ہے، اپنے بندوں پر کتنا مہربان ہے، اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا، اس کے کرم اور اس کے عفو ودرگزر کی چند جھلکیاں ملاحظہ کیجیے:

ملاحظہ کیجیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ سے خوش ہوتا ہے اور اتنا خوش ہوتا ہے کہ اس کی تشبیہ وتمثیل بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَلّٰهُ اَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهٖ حِينَ يَتُوبُ اِلَيْهِ مِنْ اَحَدِكُمْ كَانَ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ بِاَرْضِ فَلَاةٍ فَانْفَلَتَتْ مِنْهُ وَعَلَيْهَا طَعَامُهُ وَشَرَابُهُ فَاَيِسَ مِنْهَا فَاَتٰى شَجَرَةً فَاضْطَجَعَ فِي ظِلِّهَا قَدْ اَيِسَ مِنْ رَاحِلَتِهٖ فَبَيْنَا هُوَ كَذٰلِكَ اِذَا هُوَ بِهَا قَائِمَةً عِنْدَهُ فَاَخَذَ بِخِطَامِهَا ثُمَّ قَالَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ عَبْدِي وَاَنَا رَبُّكَ اَخْطَاَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ)) (مسلم : ۲۷٤۷)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''فرمایا: بندہ جب اللہ کے حضور توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کی توبہ سے اس شخص سے زیادہ خوشی ہوتی ہے جتنی خوشی کسی کو اس وقت ہوتی ہے جب وہ اپنی سواری پر سوار ہو کر ایک بے آب و گیاہ ویران اور بیابان علاقے سے گزر رہا ہو اور اس کا اونٹ اس سے چھوٹ جائے، کھو جائے، کہ جس پر اس کا کھانا اور پانی بھی تھا، جب وہ اس سے مایوس ہو گیا تو ایک درخت کے سائے تلے آ کر لیٹ گیا، وہ اپنی سواری سے مکمل طور پر مایوس ہو چکا تھا، گویا کہ وہ اپنی موت کا انتظار کرنے لگا، ابھی وہ اسی کیفیت میں تھا کہ اس کی سواری اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تو اس نے اس کی لگام تھام لی اور خوشی کی شدت میں مدہوش و سرشار اللہ کا شکر بجالاتے ہوئے کہنے لگا: "اَللّٰھُمَّ اَنْتَ عَبْدِی وَاَنَا رَبُّكَ" ''اے اللہ! تو میرا بندہ اور میں تیرا رب ہوں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: "اَخْطَاَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ" خوشی کی شدت کی وجہ سے اس سے خطا ہو گئی۔''

ایک ایسے صحرا میں جہاں پانی ہو نہ سبزہ، آدمی کی سواری گم ہو جائے اور اسی پر اس کا کھانا اور پانی ہو، آدمی مکمل طور پر مایوس ہو کر موت کا انتظار کر رہا ہو یعنی موت کا یقین ہو چکا ہو اور اچانک اس کی سواری اس کو مل جائے، پانی اور کھانا بھی مل جائے تو آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ اس کو کتنی خوشی ہوگی، یہ صرف وہی آدمی بتا سکتا ہے، کوئی دوسرا اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا، صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ ایسے موقع پر انسان کو بے انتہاء خوشی ہوتی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کی توبہ سے اس سے بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ ہماری عبادت اور ہماری توبہ کا محتاج نہیں ہے، سارے کے سارے انسان بھی اگر راہ راست پر آ جائیں اور کوئی غلطی، خطا اور گناہ نہ کریں، صرف اور صرف اچھے اعمال ہی کریں تو اللہ تعالیٰ کی بادشاہت میں کسی چیز اور کسی قسم کا کوئی اضافہ نہیں ہوگا، جیسا کہ حدیث میں ہے:

''اللہ خوش ہوتا ہے تو عفو و درگزر کر کے خوش ہوتا ہے، رحم و کرم کر کے خوش ہوتا ہے، انعامات سے نواز کر خوش ہوتا ہے۔''

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

اس کا خوش ہونا انسانوں کے خوش ہونے جیسا نہیں ہے، اس کی صفات انسانوں کی صفات جیسی نہیں ہیں۔

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴾ (الشوریٰ : ١١)

''کائنات کی کوئی چیز اس کے مشابہ نہیں ہے، وہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔''

تو اللہ تعالیٰ اس طرح خوش ہوتا ہے جس طرح اس کی شان کے لائق ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کتنا رحیم و کریم اور شفیق اور مہربان ہے، اس کا یقیناً حساب نہیں لگایا جا سکتا، ناپا اور تولا نہیں جا سکتا، گنا نہیں جا سکتا، اس کی نوازشیں، اس کی مہربانیاں، اس کے انعامات یقیناً بے شمار اور بے حد و حساب ہیں کہ:

﴿وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا ۗ﴾ (ابراھیم : ٣٤)

''اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے۔''

یہ مبارک مہینہ بہت سے پہلوؤں سے اک خصوصی مہینہ ہے، جن میں سے ایک پہلو توبہ کا بھی ہے، توبہ کا رمضان المبارک کے ساتھ اک گہرا اور خصوصی تعلق ہے۔

تو توبہ کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر نوازشات کی چند جھلکیوں کا ملاحظہ اور معاینہ کر رہے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لیے توبہ کا دروازہ کھلا رکھ دیا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَبْسُطُ يَدَهٗ بِاللَّيْلِ لِيَتُوبَ مُسِيءُ النَّهَارِ))

''اللہ تعالیٰ رات کو ہاتھ پھیلاتا ہے کہ جس نے دن کو گناہ کیے ہیں وہ توبہ کر لے۔''

((وَيَبْسُطُ يَدَهٗ بِالنَّهَارِ لِيَتُوبَ مُسِيءُ اللَّيْلِ))

''اور اللہ تعالیٰ دن کو ہاتھ پھیلاتا ہے کہ رات کو گناہ کرنے والا توبہ کر لے۔''

((حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا)) (مسلم : ٢٧٥٩)

''اور یہ سلسلہ جاری ہے حتی کہ سورج مغرب کی طرف سے طلوع ہو جائے۔''

اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم، فضل و احسان، عفو و درگزر اور حلم و بردباری کا اندازہ کیجیے کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قومیں نسل در نسل، سال در سال، صدیاں در صدیاں گناہ کرتی چلی جا رہی ہیں مگر اللہ نے غصے میں آ کر توبہ کا دروازہ بند نہیں کیا کہ کوئی سدھرنے کا نام ہی نہیں لیتا، کوئی توبہ کرنا چاہتا ہی نہیں، اس لیے دروازہ بند کر دیا جائے، اللہ کی رحمت نے یہ گوارا نہیں کیا اور قیامت تک توبہ کا دروازہ کھلا رکھنے کا فیصلہ فرمایا۔

اسی طرح افراد کے ساتھ بھی رحمت کا معاملہ ہی فرمایا کہ کسی بھی فرد کے فوت ہونے کے آخری لمحے تک توبہ کا موقع عطا فرمایا، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ يَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَالَمْ يُغَرْغِرْ)) (ترمذي: ٣٥٣٧)

''اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ اس وقت تک قبول کرتا ہے، جب تک اس کی روح حلق تک نہ پہنچ جائے۔''

یعنی جب تک جان کنی اور نزع کا وقت نہ آ جائے، سانسیں نہ اکھڑنے لگ جائیں، گلے سے غرغرے کی سی آواز نہ آنے لگے، موت کے آخری لمحات میں جب انسان اس طرح کی کیفیت کو پہنچتا ہے اور فرشتوں کو دیکھ لیتا ہے تو تب توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔

اندازہ کریں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کتنا مہربان ہے، اسے اپنے بندوں کی توبہ کتنی عزیز ہے، اور اس میں فائدہ بھی صرف اور صرف انسان ہی کا ہے، مگر تعجب ہے پھر بھی انسان اپنے رب کا شکر گزار نہیں بنتا، اللہ تعالیٰ اس حقیقت کو آشکار کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿ وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ ﴿١٣﴾ ﴾ (سباء: ١٣)

''میرے بندوں میں کم ہی شکر گزار ہیں۔''

انسان کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اپنے محسن رب کریم، رحمٰن و رحیم اور اپنے خالق و مالک کا شکر بجا نہیں لاتا، ناشکری اور احسان فراموشی کی روش اختیار کیے بیٹھا ہے۔

اللہ تجھ سے پوچھ رہا ہے کہ بتلا تو سہی، اس بے رخی، بے وفائی اور احسان فراموشی کا سبب کیا ہے، تجھے کون سی چیز نے ورغلایا اور اپنے رب سے بدگمان کیا اور دھوکے میں ڈال دیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿ يَاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۝ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۝ فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۝ ﴾ (الانفطار : ٦-٨)

''اے انسان تجھے کس چیز نے اپنے رب کریم کی طرف سے دھوکے میں ڈال دیا ہے، وہ تیرا محسن، تیرا خالق و مالک، تیرا پروردگار، جس نے تجھے پیدا کیا، تجھے عدم سے وجود میں لایا، تیری نوک پلک سنواری اور درست کیا، تجھے متناسب بنایا، اور جس صورت میں تجھے چاہا جوڑ کر تیار کیا۔''

تجھے اک قطرۂ مہین سے جیتا جاگتا انسان بنایا، تجھے ہاتھ پاؤں دیے، کان اور آنکھیں دیں، دل اور دماغ دیا، عقل سے نوازا، خوبیاں اور صلاحیتیں دیں، تیرے لیے کھانے پینے، رہنے سہنے اور جسم ڈھانپنے کا بندوبست فرمایا مگر تو اتنا احسان فراموش نکلا کہ آج تیرے پاس اس کا شکر ادا کرنے کے لیے وقت نہیں ہے، آج تم بہت مصروف ہو، آج تمہیں اپنی ذات پر بڑا بھروسہ اور گھمنڈ ہے، اپنی صلاحیتوں پر ناز اور اپنے سٹیٹس پر بڑا فخر ہے، آج تو اپنی دولت پر اکڑتا اور اتراتا ہے اور اسے اپنی صلاحیتوں کا ثمر اور نتیجہ سمجھتا ہے کہ جس طرح قارون نے کہا تھا:

﴿ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ﴾ (القصص : ٧٨)

''یہ سب کچھ تو مجھے اُس علم کی بنا پر دیا گیا ہے جو مجھے حاصل ہے۔''

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا ﴾ (القصص : ٧٨)

''کیا اس کو یہ علم نہ تھا کہ اللہ اس سے پہلے بہت سے ایسے لوگوں کو ہلاک کر چکا ہے جو اس سے زیادہ قوت اور جمعیت رکھتے تھے۔''

اے انسان تو نے کبھی اپنی حیثیت پر غور ہی نہیں کیا، تجھ پر ایک ایسا وقت بھی تھا کہ تو کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ①﴾

(الانسان : ١)

”کیا انسان پر ایک وقت ایسا بھی گزرا ہے جب وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔“

کیا وہ اپنی تخلیقی ترکیب اور اس کے مراحل سے آگاہ نہیں ہے، یقیناً ہے، تو پھر یہ انانیت اور نخوت، یہ اکڑ، یہ ناز، یہ گھمنڈ اور یہ تکبر اور غروہ چہ معنی دارد۔

یہ روش اور طریقہ، یہ ڈھنگ اور سلیقہ اور یہ انداز اور رویہ انسان کو زیب نہیں دیتا، اور اگر کوئی اس رویے میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کا سبب یہ ہے کہ اُس نے اپنے مالک کو پہچانا ہی نہیں۔

﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ﴾ (الانعام : ٩١)

اس کا حق، اس کی شان نہیں پہچانی، اس کی پہچان کا حق ادا نہیں کیا، صحیح معنوں میں اسے پہچانا ہی نہیں۔

وہ خالق و مالک ہے، وہ رب ہے، وہ محسن ہے، وہ رحمٰن اور رحیم ہے، وہ کریم ہے، وہ عظیم ہے، وہ حلیم ہے، وہ غفور رحیم ہے۔

وہ ہر رات وقتِ سَحَر کہ:

((حِيْنَ يَبْقٰى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرُ))

جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے، آسمان دنیا پر تشریف لا کر جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے، آواز لگاتا ہے کہ:

((مَنْ يَدْعُونِي فَأَسْتَجِيْبَ لَهُ))

”ہے کوئی مجھے پکارنے والا کہ میں اس کی پکار کو شرف قبولیت بخشوں۔“

((مَنْ يَسْأَلُنِي فَأُعْطِيَهُ))

”ہے کوئی جو میرے حضور دستِ سوال دراز کرے اور میں قبولیت کے ساتھ اس کا دامن بھر دوں۔“

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

((مَنْ يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرَ لَهُ)) (بخاري : ١١٤٥)

''ہے کوئی جو مجھ سے اپنے گناہوں کی بخشش اور مغفرت طلب کرے، میں اس پر اپنی رحمت کی بارش کر دوں اور اسے ردائے مغفرت میں ڈھانپ لوں۔''

مگر کہیں کوئی طلبگار نظر نہیں آتا، وہ تو صبح و شام تیری راہ تکتا ہے، ہاتھ پھیلا کر تیری واپسی کا انتظار کرتا ہے، مگر تو دور سے دور ہوتا چلا جاتا ہے، تجھے کس نے اس سے بدگمان کر دیا کہ اگر تو نماز پڑھنے کے لیے جائے گا تو وہ تیرے رزق میں کمی کر دے گا، تیرا مال کم ہو جائے گا، تو غریب، مفلس اور کنگال ہو جائے گا، وہ تو مال خرچ کرنے سے بھی اس میں کمی نہیں آنے دیتا، اس بات کی آپ ﷺ نے ضمانت دی ہے اور قسم کھا کر بات ارشاد فرمائی ہے کہ:

((مَا نَقَصَ مَالٌ مِنْ صَدَقَةٍ)) (مسلم : ٢٥٨٨)

''صدقہ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا۔''

پھر اس قدر بے رخی، بے اعتنائی، بے پروائی، لا ابالی پن اور بے نیازی کیوں؟

لہٰذا اپنے رب کو جانیں، اس کی عظمت کو پہچانیں، وہ بڑا مہربان ہے، نہایت مہربان اور نہایت ہی قدر دان ہے، اس کی ایک صفت شکور بھی ہے، وہ چھوٹی سے چھوٹی نیکی اور کاوش کی بھی قدر کرتا ہے، اسے گن گن کر اور سنبھال سنبھال کر رکھتا ہے، جیسا کہ حدیث قدسی ہے، اللہ فرماتے ہیں:

((يَا عِبَادِي ! إِنَّمَا هِيَ أَعْمَالُكُمْ أُحْصِيهَا لَكُمْ ، ثُمَّ أُوَفِّيكُمْ إِيَّاهَا)) (مسلم : ٢٥٧٧)

''اے میرے بندو! یہ تمہارے اعمال ہیں جنہیں میں گن گن کر رکھتا ہوں اور پھر ان کا پورا پورا بدلہ دوں گا یعنی یقیناً کوئی ایک ذرہ برابر نیکی بھی ضائع نہیں ہونے والی۔''

اور بالخصوص صدقے کی تو اللہ تعالیٰ یوں قدر کرتا ہے کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمْرَةٍ مِنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ ، وَلَا يَقْبَلُ اللّٰهُ إِلَّا الطَّيِّبَ))

''جو شخص پاک اور حلال کمائی سے ایک کھجور کے برابر بھی صدقہ کرتا ہے کہ اللہ صرف حلال اور پاک ہی قبول کرتا ہے۔''

((وَإِنَّ اللّٰهَ يَتَقَبَّلُهَا بِيَمِينِهِ ثُمَّ يُرَبِّيهَا لِصَاحِبِهِ كَمَا يُرَبِّي أَحَدُكُمْ فَلُوَّهُ حَتَّى تَكُونَ مِثْلَ الْجَبَلِ)) (بخاري : ١٤١٠)

''تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے دائیں ہاتھ میں لے کر بڑھاتا رہتا ہے، جس طرح کہ تم میں سے کوئی گھوڑے کے بچے کی دیکھ بھال اور پرورش کرتا ہے، حتی کہ وہ صدقہ پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔''

ہمارے اعمال میں سے ایک کھجور کے برابر صدقے کو بڑھا کر پہاڑ کے برابر کر دینے والا رب کتنا مہربان ہے، یہاں اس حدیث میں آپ ﷺ نے گھوڑے کے بچے کی پرورش اور دیکھ بھال کا اس لیے ذکر فرمایا کہ عرب اس کو بہت اہمیت دیتے تھے کہ انہیں اپنے نوکروں اور غلاموں کے سپرد نہیں کرتے تھے، بلکہ بذات خود ان کی پرورش کرتے تھے۔

تو ہمارا رب، ہمارا پروردگار اتنا مہربان اور اتنا قدر دان ہے، اندازہ کیجیے کہ اللہ کے ڈر اور خوف سے بہنے والے ایک آنسو کی اس کے ہاں اتنی قدر اور پزیرائی ہے کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((عَيْنَانِ لَا تَمَسُّهُمَا النَّارُ))

''دو آنکھیں ایسی ہیں کہ جنہیں جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی۔''

((عَيْنٌ بَكَتْ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ، وَعَيْنٌ بَاتَتْ تَحْرُسُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ)) (ترمذي : ١٦٣٩)

''ایک وہ آنکھ کہ جس سے اللہ کے ڈر سے آنسو ٹپک پڑا اور ایک وہ آنکھ جو اللہ کی راہ میں پہرہ دیتے ہوئے جاگتی رہی۔''

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

تو ایسے مشفق و مہربان اور رحیم و کریم رب کی ناشکری، احسان فراموشی، اس کے ذکر سے غفلت اور اعراض، اے انسان تجھے کس طرح زیب دیتی ہے اور تو اس کی جرأت کس طرح پاتا ہے، بالخصوص ان بابرکت اور باسعادت دنوں میں کہ جس کی اس نے ہماری تمام تر لغزشوں، کوتاہیوں اور خطاؤں کے باوجود ہمیں ہدایت اور رہنمائی بخشی ہے۔

آیئے اب بھی وقت ہے کہ ہم ان باقی ماندہ دنوں میں اپنی اس کوتاہی کی تلافی کر لیں کہ اللہ کا در وہ در ہے کہ جہاں ہر شخص کو ہر وقت، چاہے وہ کتنا ہی دور نکل گیا ہو، واپس آنے پر خوش آمدید کہا جاتا ہے۔

الٰہی! ہم نادان ہیں، جلد باز ہیں، کمزور اور ضعیف ہیں، دنیا کی آب و تاب اور چمک دمک سے متأثر ہو کر ہم اس کے جال میں پھنس جاتے ہیں، الٰہی دنیا کی بے ثباتی ہم پر واضح کر دے اور آخرت کی حقیقت آشکارا کر دے، دنیا کے بہکاوے سے بچا اور شیطان کے شر سے محفوظ فرما۔

الٰہی! ہمیں اعتراف ہے کہ ہمیں مانگنے کا سلیقہ نہیں آتا، گڑگڑانے اور بلبلانے کا طریقہ نہیں آتا، دستِ سوال دراز کرنے کے آداب سے ناواقف، مانگنے کی لذت سے ناآشنا، دل کی آرزوئیں اور تمنائیں تیرے حضور پیش کرنے کا شعور اور تمیز نہیں رکھتے، گر اور ہنر نہیں رکھتے، دلوں کو تڑپنا نہیں آتا، پھڑکنا نہیں آتا، مگر اے رب کریم تو تو علیمٌ بذات الصدور ہے، تو تو جانتا ہے کہ ہم کیا چاہتے ہیں، تیری رحمت اس پر موقوف نہیں ہے کہ جس کو مانگنا آتا ہو صرف اسی پر برَسے۔

اے اللہ! تو عظیم ہے، تو حلیم ہے، تو غفور ہے، تو رحیم ہے، اپنی تسبیح و تقدیس اور حمد و ثنا کے کلمات ہمارے دلوں میں ڈال دے اور ہماری زبانوں پر جاری کر دے، ہماری جبینوں کو اپنے حضور سجدہ ریز ہونے کی لذت سے آشنا کر دے۔

الٰہی! ہمارے دلوں کو نرم کر دے اور ان کی مٹی زرخیز کر دے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

يَـا مَـنْ يَـرَى مَـدَّ الْبَعُـوْضِ جَنَـاحَهَـا
فِـيْ ظُـلْـمَةِ الـلَّيْـلِ البَهِيْـمِ الألْيَـلِ

''اے مچھر کے پھیلے ہوئے پروں کو رات کی شدید تاریکی میں دیکھنے والے۔''

وَيَـرَى نِيَـاطَ عُـرُوْقِهَـا فِـيْ نَـحْـرِهَـا
وَالْـمُـخَّ فِـيْ تِـلْـكَ الْـعِـظَـامِ الـنُّـحَّـلِ

''اس کے سینے میں پھیلی ہوئی رگوں اور باریک ہڈیوں میں موجود دماغ کو دیکھنے والے۔''

أُمْـنُـنْ عَـلَـيَّ بِتَـوْبَةٍ تَـمْـحُـوْبِهَـا
مَـا كَـانَ مِـنِّـي فِـي الـزَّمَـانِ الْأَوَّلِ

''ایسی توبہ کی توفیق کا ہم پر احسان فرما جو گذشتہ زندگی کی تمام خطاؤں کو مٹا ڈالے۔''

اقول قولی هذا واستغفر الله العظيم لي ولكم ولسائر المسلمين من كل ذنب انه هو الغفور الرحيم .

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبہ عید الفطر

اللّٰہ اکبر ، اللّٰہ اکبر ، اللّٰہ اکبر ، اللّٰہ اکبر ، اللّٰہ اکبر ، اللّٰہ اکبر ، اللّٰہ اکبر ، اللّٰہ اکبر ، اللّٰہ اکبر ، اللّٰہ اکبر کبیرا والحمد للّٰہ کثیرا ، وسبحان اللّٰہ بکرۃ واصیلا .

ان الحمد للّٰہ ، نحمدہ و نستعینہ ونستغفرہ ، ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ، ومن سیئات اعمالنا ، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ، ومن یضلل فلا ھادی لہ ، واشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریك لہ ، واشھد انَّ محمداً عبدہ ورسولہ

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴾

(آل عمران : ۱۰۲)

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ﴾ (النساء : ۱)

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۙ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴾

(الاحزاب : ۷۰، ۷۱)

اما بعد!

فان خیر الحدیث کتاب اللّٰہ ، وخیر الھدی ھدی محمد ﷺ ، وشر الامور محدثاتھا ، وکل محدثۃ بدعۃ ، وکل بدعۃ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ضلالة، وکل ضلالة فی النار وبعد فاعوذ باالله من الشیطان الرجیم، بسم الله الرحمن الرحیم۔

﴿وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾﴾

البقرہ: ۱۸۵)

آج عید الفطر کا دن ہے،خوشی اور مسرت کا دن ہے،خوشی ایک جذباتی احساس ہے جو کسی مثبت عمل کا ردعمل ہوتا ہے جس کا ادراک وشعور انسان کی فطرت میں موجود ہے۔

تو خوشی اک حقیقت ہے، زندگی کے لوازمات میں سے ہے،انسان کی زندگی میں بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے،خوشی کے فوائد بھی ہیں اوراس کے نقصانات بھی ہیں، اس کے حدود و قیود بھی ہیں،اوراس کا اک خاص معنیٰ ومفہوم بھی ہے۔لہٰذا خوشی کو سمجھنا اوراس کی حقیقت سے آگاہی حاصل کرنا نہایت ضروری ہے۔

خوشی کے متعلق جانتے ہوئے سب سے پہلے اس بات کا جاننا ضروری ہے کہ ایک قسم کی خوشی عارضی اور وقتی ہےاور دوسری اصلی اور حقیقی ہے جوکہ مستقل اور مستمر ہے۔

عارضی اور وقتی خوشی دنیا کی مادی چیزوں کے ذریعے حاصل ہوتی ہے، جبکہ اصلی، دائمی اور حقیقی خوشی ان امور کے ذریعے حاصل ہوتی ہے جن کا تعلق آخرت سے ہے۔

مثلاً، اچھا کھانا کھانے،اچھا مشروب پینے، اچھا لباس پہننے،اچھی سواری رکھنے،اچھا گھر اوراچھا بزنس ملنے سے خوشی ہوتی ہے،کوئی کام خیریت سے مکمل ہوجانے سے خوشی ہوتی ہے،کوئی ڈگری اور کوئی کامیابی حاصل ہونے سے خوشی ہوتی ہے، رشتہ دار اور دوست و احباب سے ملنے سے خوشی ہوتی ہے،بیوی اور اولاد ملنے سے،مال و دولت سے، معاشرے میں کوئی اچھا عہدہ اورمقام حاصل ہونے سے خوشی ہوتی ہےاورجسم کوآرام دینے والی چیزوں سے خوشی حاصل ہوتی ہے۔

غرضیکہ اس قسم کی جتنی بھی خوشیاں ہیں، وہ سب مادی ہیں، عارضی اور وقتی ہیں، دیرپا نہیں ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس قسم کی تمام خوشیاں عارضی اور وقتی ہوتی ہیں، مثلاً: آدمی کوئی مہنگی ترین کوٹھی خریدتا ہے،تو تقریباً ایک ہفتہ تک تو خوشی سے مغلوب ہوکراس کا دماغی توازن ہی ٹھیک نہیں رہتا، وہ اپنے آپ کو گویا ایک دوسری مخلوق سمجھنے لگتا ہے،خود کو ہوا میں اڑتا ہوامحسوس کرتا ہے، اس کی چال ڈھال، گفتگو، اٹھنا بیٹھنا اور ہر انداز بدل جاتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ وہ کیفیت نارمل ہوجاتی ہے، اور اب وہی کوٹھی اس کے لیے اک عام گھر بن جاتا ہے، الا یہ کہ کبھی کوئی مہمان آجائے اور وہ اس کوٹھی کی تعریف کردے،تو کچھ دیر کے لیے پھر ویسی ہی کیفیت لوٹ آتی ہے۔

اسی طرح دنیا کی دوسری نعمتیں ہیں، گاڑی ہے، شادی ہے، اچھا لباس اوراچھا کھانا پینا وغیرہ ہے، ان سے بھی اک وقتی خوشی حاصل ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ کے تحت ان میں مسلسل اور لگاتار خوشی نہیں رکھی، بلکہ تدریجاً اس میں کمی واقع ہوتی رہتی ہے، اور اگر وہ خوشی کسی گناہ اور معصیت کے ذریعے حاصل ہوئی ہو جیسے لوٹ مار، دھوکہ دہی اور فراڈ کے ذریعے تو اس کے ساتھ اک غم، پریشانی اور ذہنی دباؤ بھی ہوتا ہے۔

اس کے مقابلے میں حقیقی، دیرپا اور دائمی خوشی ہے اور وہ وہ خوشی ہے جو دین، نیکی اور اطاعت وفرمانبرداری کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔

چنانچہ عید کی صورت میں اہل ایمان کے لیے خوشی کے دو دن مقرر فرمائے گئے ہیں کہ عید کی خوشی وہ خوشی ہے جو عبادت کے ذریعے حاصل ہوتی ہے اور یہی حقیقی خوشی ہے، پائیدار اور دائمی خوشی ہے۔اسی خوشی کے ساتھ عمومی طور پر خوش ہونے کا حکم بھی ہے، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝۵۸﴾

(یونس : ۵۸)

’’کہہ دیجیے کہ بس لوگوں کو اللہ کے اس انعام اور رحمت پر خوش ہونا چاہیے، یہ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اس سے بہتر ہے جسے وہ سمیٹ رہے ہیں۔‘‘

اور دوسری طرف خصوصی طور پر عید کی خوشی کا ذکر کیا گیا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ يَفْرَحُهُمَا))

’’روزے دار کے لیے دو خوشیاں ہیں کہ جن سے وہ خوش ہوتا ہے۔‘‘

((إِذَا أَفْطَرَ فَرِحَ))

’’جب وہ روزہ افطار کرتا ہے تو افطاری سے خوش ہوتا ہے۔‘‘

((وَإِذَا لَقِيَ رَبَّهُ فَرِحَ بِصَوْمِهِ)) (بخاري : ١٩٠٤)

’’اور جب وہ اپنے رب سے ملاقات کرے گا تو اپنے روزے سے خوش ہوگا۔‘‘

تو روزہ افطار کرنے کی ایک خوشی روزانہ کی بنیاد پر ہوتی ہے اور دوسری خوشی ماہ رمضان کے اختتام پر ہوتی ہے، جو کہ بڑی خوشی ہے اور خوشی کے اس موقعے پر باقاعدہ ایک تقریب کا اہتمام کیا جاتا ہے، اس کے آداب اور طریقہ اور سلیقہ اسلام کی طرف سے طے شدہ ہوتا ہے، جسے عید الفطر کہا جاتا ہے۔

اور عید الفطر ایک طرف خوشی اور مسرت کا دن ہے اور دوسری طرف یہ یوم تشکر بھی ہے کہ رمضان المبارک جو کہ ایک طرف نعمت صیام کا مہینہ ہے تو دوسری طرف نزول قرآن کا مہینہ بھی ہے کہ جس کی توفیق اور ہدایت و رہنمائی میسر آنے پر اللہ تعالیٰ اہل ایمان سے اس کی بڑائی بیان کرنے اور اس نعمت پر اس کا شکر بجالانے کی امید رکھتے ہیں، جیسا کہ فرمایا:

﴿ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿١٨٥﴾ ﴾

البقرہ : ١٨٥)

اور جس ہدایت سے اللہ نے تمہیں سرفراز کیا ہے، اس پر اس کی کبریائی کا اظہار و اعتراف کرو اور شکر بجالاؤ۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

تو عید کا دن حقیقی خوشی کا دن ہے کہ اس دن اسلام کے ایک رکن کی تکمیل کی توفیق کے بعد اللہ کا شکر ادا کرنے اور اس کی عظمت و کبریائی کا اظہار واعتراف کرنے کا دن ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق بخشے اور قبول فرمائے۔ آمین

اللّٰہ اکبر ، اللّٰہ اکبر ، اللّٰہ اکبر ، لا الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر ، اللّٰہ اکبر وللّٰہ الحمد ، اللّٰہ اکبر کبیرا والحمد للّٰہ کثیرا ، وسبحان اللّٰہ بکرۃ واصیلا .

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رمضان المبارک سے کون کتنا مستفید ہوا؟

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴿١٠٢﴾ ﴾

(آل عمران : ۱۰۲)

اللہ تعالیٰ کا شکر اور احسان ہے کہ اس نے ہمیں رمضان المبارک کی برکتوں اور سعادتوں سے مستفید ہونے کا ایک بار پھر موقع عطا فرمایا۔ ہم اس سے کہاں تک مستفید ہو پائے ہیں، ہر شخص اپنے بارے میں بہتر اندازہ کرسکتا ہے اور صرف اندازہ ہی کرسکتا ہے، کیونکہ حقیقی مستفید تو وہ ہے کہ جس کا عمل اور جس کی کوششیں رنگ لائی ہوں، شرف قبولیت سے نوازی گئی ہوں اور یہ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ رمضان المبارک کے آخری روز فرمایا کرتے تھے:

"يَا لَيْتَ شِعْرِي مَنِ الْمَقْبُولُ فَنُهَنِّيهِ، وَمَنِ الْمَحْرُومُ فَنُعَزِّيهِ"

لطائف المعارف، ص: ۳۷۷.

"اے کاش ہمیں معلوم ہو کہ کون قبول ہوا ہے کہ ہم اسے مبارک باد دیں اور کون محروم رہا ہے کہ اس سے تعزیت و افسوس کریں۔"

اور اسی طرح حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی فرمایا کرتے تھے۔ (مختصر قیام اللیل وقیام رمضان، ص: ۲۱۳)

گویا کہ اللہ تعالیٰ نے رمضان المبارک کی صورت میں توبہ و استغفار کا اور تلافیٔ مافات کا موقع عطا کر کے جو ہم پر احسان فرمایا ہے، اس کے اختتام پر ہمیں غور وفکر کرنا چاہیے اور نفع و نقصان کا جائزہ لینا چاہیے کہ ہمیں کوئی فائدہ حاصل ہوا ہے، یا خسارے میں رہے ہیں۔

دنیا کے کاروبار میں سال کے اختتام پر نفع و نقصان کا جائزہ لینے کی ضرورت و اہمیت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے ہم لوگ اچھی طرح واقف ہیں مگر آخرت کے کاروبار میں ہم میں سے اکثر لوگ اس معاملے میں کوئی دلچسپی رکھتے نظر نہیں آتے اور سبب اس کا یہ ہے کہ آخرت کے نفع ونقصان کی اہمیت اور سنگینی سے کماحقہ واقف نہیں ہیں، حالانکہ اصل خسارہ تو آخرت کا خسارہ ہے، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَ اَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴾ (الزمر : ۱۵)

''کہہ دیجیے کہ حقیقی زیاں کار اور خسارے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے قیامت کے روز اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو گھاٹے میں ڈال دیا، خوب جان لو! کہ یہی کھلا خسارہ اور نقصان ہے۔''

دنیا کے کاروبار میں اگر آدمی کم از کم سالانہ نفع ونقصان کا جائزہ نہ لے تو آدمی کو ناقابل برداشت اور ناقابل تلافی نقصان بھگتنا پڑ سکتا ہے، کہ اگر بغیر حساب کتاب کے مسلسل کئی سال تک کاروبار کرتا رہے اور آخر میں پتا چلے کہ وہ تو سارے کا سارا راس مال ہی ضائع کر چکا ہے، تو آدمی کو ایسا صدمہ پہنچتا ہے کہ بسا اوقات اس سے دل کا دورہ پڑ جاتا ہے جو کہ جان لیوا ثابت ہوسکتا ہے اور بسا اوقات آدمی اس صدمے کی وجہ سے خودکشی بھی کر لیتا ہے۔

مگر اس سب کے باوجود دنیا میں کاروبار کے خسارے اور نقصان کا انجام اتنا برا، سنگین اور ہولناک نہیں ہے جتنا آخرت کے خسارے کا انجام اور نتیجہ ہے اور وہ کیا ہے؟ جہنم، عذاب الیم، اعاذنا اللہ منہ۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ فرمائے۔ آمین

چنانچہ اللہ تعالیٰ اس انجام بد سے خبردار کرتے ہوئے ایک ایسی تجارت اور ایسے کاروبار کی دعوت دیتے ہیں جو اس خسارے اور اس کے انجام بد سے بچا سکتا ہے، فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ؕ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾ (الصف : ۱۰، ۱۱)

''اے ایمان والو! کیا میں تمہیں وہ تجارت بتلا دوں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچالے؟ اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کرو، تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو۔''

تو جس طرح دنیا میں تجارت کرتے ہوئے گاہے بگاہے نفع ونقصان کا جائزہ لینا پڑتا ہے، ایسے ہی اللہ کے ساتھ تجارت کرتے ہوئے بھی وقتاً فوقتاً نفع ونقصان کا جائزہ لینا پڑتا ہے کہ کہیں ہماری کسی غلطی، کوتاہی، غفلت اور غلط پالیسیوں کی وجہ سے نقصان تو نہیں ہو رہا، کیونکہ بہت ممکن ہے کہ ہم اپنے آپ کو سراسر فائدے میں سمجھ رہے ہوں جبکہ حقیقت میں سراسر خسارے میں جا رہے ہوں، مگر جب پتا چلے تو اس وقت بہت دیر ہو چکی ہو اور اس وقت اگر کوئی چاہے گا کہ کچھ دے دلا کر معافی تلافی ہو جائے تو نہیں ہو گی، اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَ لَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ﴾

(الزمر : ٤٧)

''اگر ان ظالموں کے پاس زمین کی ساری دولت بھی ہو اور اتنی ہی اور بھی تو یہ روز قیامت کے برے عذاب سے بچنے کے لیے سب کچھ فدیہ میں دینے کے لیے تیار ہو جائیں گے اور وہاں اللہ کی طرف سے ان کے سامنے وہ کچھ آئے گا جس کا انہیں کبھی گمان بھی نہ ہوا ہو گا۔''

یعنی وہ تو سمجھ رہے ہوں گے کہ ان کی وہاں بہت نیکیاں جمع ہو چکی ہیں، مگر معاملہ اس کے برعکس ہو گا چونکہ وہ نیکیاں بوجوہ شرف قبولیت نہ پا سکیں، اس لیے ان کا حشر یہ ہو گا کہ:

﴿وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَاۗءً مَّنْثُوْرًا ﴾ (الفرقان : ۲۳)

''اور انہوں نے جو اعمال کیے تھے ہم نے ان کی طرف بڑھ کر انہیں پراگندہ ذروں کی طرح کر دیا۔''

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

ایسے ہی حدیث میں بھی ہے کہ قیامت کے دن کچھ لوگ تہامہ پہاڑ جیسے بڑے بڑے نیک اعمال لے کر آئیں گے، مگر انہیں پراگندہ ذروں کی طرح کر دیا جائے گا۔

تو سوال یہ ہے کہ ہم اس طرف سے اتنے بے فکر کیوں ہوئے بیٹھے ہیں، کیا ہمیں اس معاملے میں فکر مند نہیں ہونا چاہیے اور جاننے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے کہ قیامت کے دن جن لوگوں کے اعمال پراگندہ ذروں کی طرح ہوا میں اڑا دیئے جائیں گے کہیں ہمارا نام بھی تو ان میں شامل نہیں ہے۔

اور اس بات کو سامنے رکھتے ہوئے تو اور بھی زیادہ فکر مند ہونا چاہیے کہ وہ کوئی عام لوگ نہیں ہوں گے، بلکہ نمازی ہوں گے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ وہ تہجد گزار بھی ہوں گے، جیسا کہ جب آپ ﷺ نے ان لوگوں کا ذکر فرمایا، تو حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ:

((يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صِفْهُمْ لَنَا ، جَلِّهِمْ لَنَا أَنْ لَا نَكُوْنَ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَا نَعْلَمُ))

”اے اللہ کے رسول ﷺ! ان کے اوصاف اور ان کا حال بیان فرما دیجیے اور ذرا وضاحت سے ارشاد فرمایئے تاکہ ہم لاعلمی میں ان لوگوں میں نہ ہو جائیں۔“

((قَالَ: اَمَا إِنَّهُمْ إِخْوَانُكُمْ وَمِنْ جِلْدَتِكُمْ))

”فرمایا: تو جان لو! وہ تمہارے بھائی ہی ہیں اور تمہاری قوم میں سے ہیں۔“

((يَأْخُذُوْنَ مِنَ اللَّيْلِ كَمَا تَأْخُذُوْنَ))

”وہ رات کو اسی طرح عبادت کرتے ہوں گے جس طرح تم عبادت کرتے ہو۔“

((وَلٰكِنَّهُمْ أَقْوَامٌ إِذَا خَلَوا بِمَحَارِمِ اللّٰهِ اِنْتَهَكُوْهَا))

(ابن ماجة : ٤٢٤٥)

”لیکن وہ ایسے لوگ ہوں گے کہ جب وہ تنہا ہوتے تو اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کو پامال کرتے، گناہوں کے مرتکب ہوتے۔“

گویا کہ ان کی خلوت اور جلوت میں بڑا تضاد ہوتا ہے، پبلک میں، لوگوں کے سامنے

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

انہوں نے نیکی و پارسائی کا بہروپ دھار رکھا ہوتا ہے اور خلوت میں وہ اپنے اصلی روپ میں ہوتے ہیں۔

ہاں تو بات ہو رہی تھی رمضان المبارک سے استفادے کے حوالے کہ ہم میں سے کون کتنا مستفید ہوا، کس کی کوششیں شرف قبولیت سے نوازی گئیں اور کون محروم و بدنصیب رہا، کس کی کوششیں مسترد ہوئیں اور ٹھکرا دی گئیں، یہ تو یقیناً اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، البتہ اس کی کچھ ظاہری علامات ہیں جن سے اندازہ ضرور لگایا جا سکتا ہے۔

مثلاً یہ ایک فطری اور طبعی بات ہے کہ ہر عمل کا چاہے وہ اچھا ہو یا برا، انسان کے مزاج، اس کے رویے، اس کے طرز عمل اور اس کی سوچ پر ضرور اک اثر ہوتا ہے۔

چنانچہ نیکی کا ایک طبعی اثر یہ ہے کہ آدمی کا نیکی کی طرف میلان اور رجحان ہو جاتا ہے، بے ساختہ اور غیر ارادی طور پر اس کی طرف لپکتا ہے اور اللہ کی طرف سے خصوصی طور پر دنیا میں اس کا اجر و ثواب کچھ یوں بھی دیا جاتا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دیتا ہے جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا ﴿٩٦﴾ ﴾ (مریم : ٩٦)

"یقیناً جو لوگ ایمان لائے ہیں اور عمل صالح کرتے ہیں عن قریب رحمٰن ان کے لیے دلوں میں محبت پیدا کر دے گا۔"

چنانچہ علماء کرام نے اس طرح کے متعدد دلائل سے ایک یہ بات اخذ کی ہے کہ نیکی کی قبولیت کی علامت، مزید نیکی کی توفیق ہے۔

اسی طرح قبولیت کی ایک علامت یا سبب عدم قبولیت کا خوف اور اندیشہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی صفات بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿ وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوا وَّقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ﴿٦٠﴾ ﴾

(المؤمنون : ٦٠)

"اور جو لوگ دیتے ہیں، جو کچھ بھی دیتے ہیں اور ان کے دل اس خیال سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کانپتے رہتے ہیں کہ ہمیں اپنے رب کی طرف پلٹنا ہے۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کا مفہوم دریافت کرتے ہوئے عرض کیا:

((أَهُمُ الَّذِينَ يَشْرَبُونَ الْخَمْرَ وَيَسْرِقُونَ))

''کیا اس سے مراد ایسے لوگ ہیں جو شرابیں پیتے اور چوریاں کرتے ہیں؟''

((قَالَ لَا يَا بِنْتَ الصِّدِّيقِ))

''فرمایا: نہیں، اے صدیق کی بیٹی!''

((وَلَكِنَّهُمُ الَّذِينَ يَصُومُونَ وَيُصَلُّونَ وَيَتَصَدَّقُونَ وَهُمْ يَخَافُونَ أَنْ لَا يُقْبَلَ مِنْهُمْ أُولَئِكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ))

(ترمذي : ٣١٧٥)

''بلکہ وہ، وہ لوگ ہیں جو روزے رکھتے ہیں، صدقے کرتے ہیں اور ڈرتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے اعمال اللہ کی بارگاہ میں قبول ہی نہ ہو رہے ہوں۔ یہی ہیں وہ جو بھلائیوں کی طرف دوڑنے والے اور سبقت لے جانے والے ہیں۔''

اہل ایمان کی یہ صفت اور خوبی بیان کی گئی ہے کہ وہ نیکی کر کے اتراتے نہیں بلکہ ڈرتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ قبول ہی نہ ہو رہی ہو اور اس ڈر کی وجہ یہ ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ کہیں کوئی کمی کوتاہی نہ رہ گئی ہو، یا گناہ اتنے زیادہ ہیں کہ انہیں مٹانے کے لیے یہ نیکیاں کافی نہ ہوں۔ تاہم نیکی کے بعد عاجزی اور انکساری یہی مسلمان کا شیوہ ہے، اعجاب و استکبار اسے زیب نہیں دیتا، انسان اگر کوئی نیکی کر لیتا ہے تو اس میں اس کا اپنا کیا کمال ہے، توفیق تو اللہ نے ہی دی ہوتی ہے۔

اہل جنت، جنت میں بیٹھے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے اس بات کا اعتراف کریں گے کہ جنت کا حصول اللہ کی ہدایت و توفیق کے بغیر ممکن نہ تھا۔

﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اللّٰہُ ج﴾ (الاعراف : ٤٣)

''اور وہ کہیں گے کہ تمام تعریف اللہ ہی کی ہے جس نے ہمیں راستہ دکھایا، ہم خود راہ نہ پا سکتے تھے اگر اللہ ہماری رہنمائی نہ کرتا۔''

لہٰذا نیکی پر اکڑنا اور اترانا انسان کو زیب نہیں دیتا اور اس لیے بھی کہ چاہے انسان کتنی ہی نیکیاں کر لے، ایک تو وہ نیکی کا حق ادا نہیں کر سکتا اور پھر نیکی کر کے اللہ تعالیٰ کا کما حقہ شکر ادا نہیں کر سکتا، ساری زندگی کی عبادت بھی اس کی کسی ایک نعمت کے برابر نہیں ہو سکتی۔

چنانچہ اسلام نے انسان کو عبادت کے بعد انکساری ہی کا درس دیا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ:

((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا انْصَرَفَ مِنْ صَلَاتِهِ إِسْتَغْفَرَ ثَلَاثًا))

(مسلم : ٥٩١)

''آپ ﷺ جب نماز سے فارغ ہوتے تو تین بار استغفر اللہ کہتے۔''

اور ایک یہ دعاء بھی ہمیشہ فرماتے:

((اَللّٰهُمَّ أَعِنِّي عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ))

(ابو داود : ١٥٢٢)

''اے اللہ! تو اپنی یاد اور ذکر پر میری مدد فرما اور اپنے شکر اور اچھے طریقے سے اپنی عبادت بجالانے پر بھی۔''

اس لیے کسی بھی نیکی اور عبادت کے بعد ایک مسلمان کا رویہ، اس کا طرز عمل، اس کی کیفیت، اس کی سوچ ،اس کے جذبات اور احساسات ہمیشہ عاجزانہ ہونے چاہئیں اور اعترافِ قصور ہونا چاہیے۔آپ کو معلوم ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی ایسی مخلوق ہیں جو اللہ تعالیٰ کا ہر حکم بجالاتے ہیں اور کبھی نافرمانی نہیں کرتے۔

﴿لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ﴾ (التحریم : ٦)

''جو کبھی اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم انہیں دیا جاتا ہے اسے بجا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لاتے ہیں۔“

اور ایک جگہ فرمایا:

﴿لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿١٩﴾﴾ (الانبیاء: ۱۹)

”اور جو فرشتے اس کے پاس ہیں وہ نہ عبادت سے تکبر کرتے ہوئے اعراض کرتے ہیں اور نہ ملول ہوتے ہیں۔“ یعنی ناگوار نہیں گزرتی، تھکتے نہیں ہیں۔

﴿يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ﴿٢٠﴾﴾ (الانبیاء: ۲۰)

”وہ دن رات اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں، ذرا سی بھی سستی نہیں کرتے۔“

اور حدیث میں ہے کہ:

((إِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً تُرْعَدُ فَرَائِصُهُمْ مِنْ خِيفَتِهِ))

”اللہ تعالیٰ کے بہت سے ایسے فرشتے جن کی اللہ کے ڈر سے رگیں کانپتی رہتی ہیں۔“

فرائص فریصہ کی جمع ہے اور یہ انسان کے جسم کا وہ حصہ ہے جو سینے اور کندھے کے درمیان ہوتا ہے۔“

((مَا مِنْهُمْ مَلَكٌ تَقْطُرُ مِنْهُ دَمْعَةٌ مِنْ عَيْنِهِ إِلَّا وَقَعَتْ عَلَى مَلَكٍ يُصَلِّيْ))

”ان میں سے جس کسی فرشتے کی آنکھ سے کوئی آنسو ٹپکتا ہے تو وہ کسی نہ کسی نماز پڑھتے ہوئے فرشتے پر گرتا ہے۔“

((وَإِنَّ مِنْهُمْ مَلَائِكَةً سُجُوْدًا مُنْذُ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَمْ يَرْفَعُوْا رُؤُوْسَهُمْ وَلَا يَرْفَعُوْنَهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ))

”اور ان میں سے ایسے فرشتے بھی ہیں جو زمین و آسمان کی تخلیق کے دن سے لے کر سجدے میں پڑے ہوئے ہیں اور کبھی سر نہیں اٹھائے اور نہ ہی قیامت تک اٹھائیں گے۔“

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

((وإِنَّ مِـنْهُـمْ مَلَائِـكَةً رُكُوْعًا ، لَمْ يَرْفَعُوا رُؤُوْسَهُمْ مُنْذُ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَا يَرْفَعُوْنَهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ))

''اوران میں سے ایسے فرشتے بھی ہیں جو رکوع میں پڑے ہوئے ہیں اور زمین و آسمان کی تخلیق کے وقت سے لے کر کبھی اپنے سر نہیں اٹھائے اور نہ ہی قیامت تک اٹھائیں گے۔''

((فَـإِذَا رَفَـعُـوْا رُؤُوْسَهُـمْ نَظَرُوْا إِلَى وَجْهِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ قَالُوْا: سُبْحَانَكَ! مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ))

(ابن كثير ، تفسير سورة المدثر)

''اور جب وہ سر اٹھائیں گے تو اللہ عزوجل کے چہرے کو دیکھیں گے اور کہیں گے: اے اللہ! تو پاک ہے، ہم نے تیری عبادت کا حق ادا نہیں کیا۔''

جب فرشتوں کا یہ حال ہے کہ وہ اپنی اس عبادت کو اللہ تعالیٰ کے حق عبادت کے مقابلے میں حقیر جانتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ ''سبحانك! ما عبدناك حق عبادتك'' ''اے اللہ! تو پاک ہے، ہم نے تیری عبادت کا حق ادا نہیں کیا'' تو ہم میں سے کوئی شخص رمضان المبارک میں ٹوٹی پھوٹی عبادت کرکے یہ سمجھ لے کہ اس نے بہت کمال کر دیا ہے اور پھر گیارہ مہینے چھٹی پر چلا جائے تو ایسے شخص کی عقل کو کیا کہیں گے، ایسے شخص کے بارے میں بس اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ اسے چاہیے کہ اللہ کو راضی کر لے۔''

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایک انوکھا فرار

﴿ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۞ ﴾ (الذاریات : ۵۰)

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں انسان کی جن بعض فطری کمزوریوں کا ذکر فرمایا ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسان کمزور اور ضعیف ہے۔

﴿ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ۞ ﴾ (النساء : ۲۸)

''اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔''

اور یقیناً انسان کمزور ہے، بالخصوص دیگر بہت سی مخلوقات کے مقابلے میں وہ جسمانی ساخت اور بناوٹ کے لحاظ سے کمزور ہے، قوت و طاقت کے لحاظ سے کمزور ہے، عزم و ارادے کے حوالے سے کمزور ہے، صبر اور ضبط نفس کے اعتبار سے کمزور ہے اور دیگر کئی اور امور میں وہ کمزور ہے۔

اس کی کمزوری کا ایک مظہر اس کا ڈر اور خوف بھی ہے کہ جہاں وہ جان کا خطرہ محسوس کرتا ہے تو ڈر اور خوف میں مبتلا ہو جاتا ہے اور یہ ایک بہت بڑی اور مسلمہ حقیقت ہے کہ جب انسان کسی چیز سے ڈرتا ہے تو اس سے دور بھاگتا ہے اور یہ انسان کی فطری کمزوری بھی ہے اور اس کی ضرورت بھی ہے، مگر انسان سے ایک ایسے ڈر اور خوف اور فرار کا مطالبہ کیا گیا ہے جو بہت نرالا اور انوکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ جس سے ڈرنا ہے اسی کی طرف بھاگنا ہے، چنانچہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۞ ﴾ (الذاریات : ۵۰)

''اور اللہ سے ڈر کر اس کی طرف بھاگو کہ میں تمہیں اس کی طرف سے صاف صاف خبردار کرنے والا ہوں۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ پیغام اور یہ حکم آپ ﷺ کی زبان سے کہلوایا گیا ہے۔

تو آج اس انوکھے ڈر اور خوف اور انوکھے فرار کے حوالے سے گفتگو کریں گے۔ ان شاء اللہ۔

یہ انوکھا فرار کہ آدمی جس سے ڈرے اسی کی طرف بھاگے اور اسی کے پاس پناہ لے، شاید اس سے پہلے آپ نے کبھی اس پر غور نہ کیا ہو، مگر انسانی معاشرے میں اس کی ایک ہلکی سی مثال ضرور موجود ہے اور وہ یہ کہ بچہ جب ماں سے ڈرتا ہے تو اسی کی طرف بھاگتا ہے، اسی کی طرف لپکتا ہے، بلکہ اس کے ساتھ چمٹ جاتا ہے اور پھر آپ جانتے ہیں کہ ماں کا غصہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے، اس کی ممتا جوش میں آتی ہے اور وہ اسے سینے سے لگا لیتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ بچہ ماں سے ڈر کر ماں ہی کی طرف کیوں بھاگتا ہے؟ وہ اس لیے جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ اسے اس بات کا پختہ یقین ہوتا ہے کہ ماں سے بڑھ کر پیار کرنے والی، ہمدردی اور خیر خواہی کرنے والی اور درگزر کرنے والی شخصیت دنیا میں کوئی اور نہیں ہے اور یہی وہ نکتہ ہے جو اس فرار کو ایک انوکھا فرار بنا دیتا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ جب اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ اس سے ڈر کر اسی کی طرف بھاگیں تو اس میں پنہاں حکمت کچھ یوں سمجھ میں آتی ہے کہ اللہ سے ڈر کر بھاگنے والے، یا کسی اور ڈر اور خوف کے مارے شخص کے لیے اللہ کے سوا کوئی حقیقی پناہ گاہ ہے ہی نہیں، اللہ سے بڑھ کر کوئی مہربان نہیں ہے، اس سے بڑھ کر کوئی قدر دان نہیں ہے، اس سے بڑھ کر کوئی درگزر کرنے والا نہیں ہے، اس سے بڑھ کر کوئی عطا کرنے والا نہیں ہے، اس کے سوا کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں ہے، لہٰذا اس سے بھاگے ہوئے شخص کے لیے کہیں کوئی پناہ نہیں ہے۔

اور شاعر نے اس حقیقت کو اپنے الفاظ میں کچھ یوں بیان کیا ہے کہ:

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی
میرے جرم خانہ خراب کو تیرے عفو بندہ نواز میں

تو جب اللہ کی پناہ کے سوا کہیں اور پناہ ہے نہیں تو پھر بندہ اگر جائے گا بھی تو جائے گا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہاں اور اسے ایسی قدر دانی ملے گی بھی کہاں جیسی قدر شناسی اور بندہ نوازی اسے اللہ کے حضور ملتی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، حدیث قدسی ہے، اللہ فرماتا ہے:

((اَذْنَبَ عَبْدٌ ذَنْبًا فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي ذَنْبِي فَقَالَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اَذْنَبَ عَبْدِي ذَنْبًا فَعَلِمَ اَنَّ لَهٗ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَاْخُذُ بِالذَّنْبِ))

''فرمایا: کوئی بندہ کسی گناہ کا مرتکب ہوا تو کہا: اے اللہ! میرا گناہ معاف کر دے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے بندے نے گناہ کیا اور اس نے جانا کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہ معاف بھی کرتا ہے اور اس پر مواخذہ بھی کرتا ہے۔''

((ثُمَّ عَادَ فَاَذْنَبَ))

''واپس اس نے پھر گناہ کیا۔''

((فَقَالَ اَیْ رَبِّ إِغْفِرْ لِي ذَنْبِي))

''پھر کہا: اے میرے رب! میرا گناہ معاف کر دے۔''

((فَقَالَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى عَبْدِي اَذْنَبَ ذَنْبًا فَعَلِمَ اَنَّ لَهٗ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَاْخُذُ بِالذَّنْبِ))

''تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے بندے نے گناہ کیا اور اس نے جانا کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہ معاف بھی کرتا ہے اور اس پر گرفت بھی کرتا ہے۔''

((ثُمَّ عَادَ فَاَذْنَبَ))

''اس نے لوٹ کر پھر گناہ کیا۔''

((فَقَالَ اَیْ رَبِّ إِغْفِرْ لِی ذَنْبِي))

''پھر عرض کیا: اے میرے رب میرا گناہ معاف کر دے۔''

((فَقَالَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اَذْنَبَ عَبْدِي ذَنْبًا فَعَلِمَ اَنَّ لَهٗ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَاْخُذُ بِالذَّنْبِ))

''تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے بندے نے گناہ کا ارتکاب کیا، پھر جانا کہ اس کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک رب ہے جو گناہ معاف بھی کرتا ہے اور اس پر پکڑ بھی کرتا ہے۔''

((إِعْمَلْ مَا شِئْتَ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكَ)) (مسلم : ٢٧٥٨)

''تو اللہ فرماتا ہے: جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا۔''

اس کا معنی یقیناً یہ نہیں ہے کہ اب انسان کو گناہ کی کھلی چھٹی مل گئی ہے، بلکہ معنی یہ ہے کہ اگر گناہ کے بعد ایسے ہی سچی توبہ کرتا رہے گا تو تیرا گناہ معاف ہوتا رہے گا، جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ الشَّيْطَانَ قَالَ: وَعِزَّتِكَ يَا رَبِّ لَا أَبْرَحُ أُغْوِي عِبَادَكَ مَا دَامَتْ أَرْوَاحُهُمْ فِي أَجْسَادِهِمْ))

''شیطان نے اللہ تعالیٰ سے کہا: تیری عزت کی قسم اے میرے رب! میں تیرے بندوں کو بہکاتا رہوں گا جب تک ان کے جسموں میں جان رہے گی۔''

((فَقَالَ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى: وَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ لَا أَزَالُ أَغْفِرُلَهُمْ مَا اسْتَغْفَرُوْنِيْ)) (صحيح الجامع للألباني : ١٦٥٠)

''تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مجھے میری عزت اور جلال کی قسم! جب تک وہ مجھ سے بخشش مانگتے رہیں گے میں انہیں معاف کرتا رہوں گا۔''

تو اس حدیث میں جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو چاہے کر، میں نے تجھے بخش دیا تو اس کا مفہوم یہی ہے کہ جب تک وہ توبہ کرتا رہے گا اللہ تعالیٰ بخشتا رہے گا۔

تو شاہد اس حدیث سے یہ ہے، یعنی جو بات اس حدیث میں ہمارے موضوع سے متعلق ہے کہ جس کا ذکر کرنا مقصود تھا وہ یہ ہے کہ ایسی پناہ، ایسی قدر شناسی، ایسی بندہ نوازی اور ایسی پذیرائی کسی انسان کو کہاں مل سکتی ہے جو اللہ کے پاس پناہ لینے میں اور اس کی طرف بھاگنے میں ملتی ہے کہ ایک بندہ بار بار گناہ کرتا ہے اور پھر کہہ دیتا ہے کہ اے میرے رب! مجھے معاف کر دے۔

اندازہ کریں! ایسا تحمل، ایسی بردباری، ایسی وسعتِ ظرفی، ایسی بے پایاں رحمت، کیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہیں اور مل سکتی ہے، کسی مخلوق کے پاس اتنا جگرا، اتنا تحمل اور برداشت ہے کہ وہ بار بار خطا کرنے پر بھی معاف کرتا جائے، بڑے سے بڑا متحمل مزاج انسان بھی تیسری چوتھی بار کہنے پر مجبور ہو جائے گا کہ تم نہیں بدل سکتے، دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے جس بات کا مطالبہ کر رہا ہے اور حکم دے رہا ہے کہ اس سے ڈر کر اسی کی طرف بھاگیں تو اس کے سوا بندوں کے پاس کوئی چارہ ہی نہیں ہے۔

آپ ﷺ سونے سے پہلے جو دعائیں فرمایا کرتے تھے اور امت کو بھی وہ دعائیں سکھلائیں، ان میں سے ایک دعا میں اسی حقیقت کا اظہار واعتراف کیا گیا ہے اور دعا یہ ہے:

((اَللّٰهُمَّ أَسْلَمْتُ نَفْسِي إِلَيْكَ ، وَفَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ ، وَوَجَّهْتُ وَجْهِيْ إِلَيْكَ ، وَأَلْجَأْتُ ظَهْرِي إِلَيْكَ ، رَغْبَةً وَرَهْبَةً إِلَيْكَ ، لا مَلْجَأَ وَلا مَنْجَا مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ ، آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ وَبِنَبِيِّكَ الَّذِى أَرْسَلْتَ .)) (بخاري : ٦٣١٣)

''اے اللہ! میں نے اپنی جان تیرے حوالے کر دی اور اپنا معاملہ تیرے سپرد کر دیا، میں نے اپنا چہرہ تیری طرف متوجہ کر دیا اور اپنی پشت تیری پناہ میں کر دی، رغبت کرتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے، تیری بارگاہ کے سوا کوئی پناہ گاہ ہے نہ جائے نجات، میں تیری اس کتاب پر ایمان لایا جسے تو نے نازل فرمایا اور تیرے اس نبی پر جسے تو نے بھیجا۔''

دعاء کے الفاظ نہایت خوبصورت، جامع، معنی خیز اور ایمان افروز ہیں، چند الفاظ کے معانی پر غور کرتے ہیں جو ہمارے آج کے موضوع سے متعلق ہیں۔

اس دعا کے الفاظ میں ایک جملہ ہے۔

((وَأَلْجَأْتُ ظَهْرِي إِلَيْكَ))

''کہ میں نے اپنی پشت تیری پناہ میں کر دی۔''

پشت پناہی کے الفاظ سے تو آپ واقف ہوں گے ہی جس کا مطلب ہوتا ہے کہ فرنٹ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پر آپ کا مدمقابل کوئی اور شخص ہوتا ہے مگر اس کی پشت پر، اس کے پیچھے کوئی طاقتور آدمی ہوتا ہے جو اس کی حمایت کر رہا ہوتا ہے، اس کی مدد کر رہا ہوتا ہے، اس نے پناہ دے رکھی ہوتی ہے، تو اس وقت کہا جاتا ہے کہ اسے فلاں شخص کی پشت پناہی حاصل ہے، تو سوتے وقت اللہ کی پشت پناہی حاصل کرنے کا کیا مطلب ہے؟

انسان کا مدمقابل اس کا ازلی اور اصلی دشمن شیطان اور اس کی ذریت ہے اور انسان ہمہ وقت اس سے برسر پیکار رہتا ہے، بندۂ مومن جب تک بیدار رہتا ہے تو شیطان کے شر سے بچنے کی تدابیر کرتا رہتا ہے، خصوصی طور پر زبان کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تروتازہ رکھتے ہوئے، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ)) (ترمذي : ٣٣٧٥)

''تیری زبان ہر وقت اللہ کے ذکر سے تر رہنی چاہیے۔''

اور اس کا ایک بنیادی فائدہ یہ ہے کہ شیطان قریب نہیں پھٹکتا، جیسا کہ حدیث میں ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

((اَلشَّيْطَانُ جَاثِمٌ عَلَى قَلْبِ ابْنِ آدَمَ))

''کہ شیطان ابن آدم کے دل پر جم کر بیٹھا ہوا ہے۔''

((فَإِذَا ذَكَرَ اللّٰهَ خَنَسَ))

''جب وہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے۔''

((وَإِذَا غَفَلَ وَسْوَسَ)) (تخريج مشكاة المصابيح : ٢٢٢١)

''اور جب وہ اللہ کے ذکر سے غافل ہوتا ہے تو شیطان وسوسے ڈالنا شروع کر دیتا ہے۔''

اور اللہ کے ذکر کا ایک بنیادی فائدہ یہ بھی ہے کہ انسان کو نتیجتاً کامیابی حاصل ہوتی ہے، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝٤٥﴾ (الأنفال : ٤٥)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''اور کثرت سے اللہ کو یاد کرو، توقع ہے کہ تمہیں کامیابی نصیب ہوگی۔''

تو ایک مسلمان جب تک بیدار رہتا ہے، اپنے دشمن شیطان سے بچنے کی مقدور بھر کوشش کرتا رہتا ہے، اور جب سونے کا ارادہ کرتا ہے تو اپنے آپ کو اللہ کی پناہ میں دے دیتا ہے اور وہ اس لیے کہ شیطان سوتے میں بھی انسان کو پریشان کرتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((وَالرُّؤْيَا ثَلَاثَةٌ))

''خواب تین قسم کے ہیں۔''

((فَرُؤْيَا الصَّالِحَةُ بُشْرَى مِنَ اللّٰهِ))

''اچھا خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشخبری ہے۔''

((وَرُؤْيَا تَحْزِينٌ مِنَ الشَّيْطَانِ))

''اور ایک قسم کے خواب شیطان کی طَرف سے غمگین اور پریشان کرنا ہے۔''

((وَرُؤْيَا مِمَّا يُحَدِّثُ الْمَرْءُ نَفْسَهُ)) (مسلم : ٢٢٦٣)

''اور تیسرے قسم کے خواب وہ ہیں جو آدمی اپنے آپ سے باتیں کرتا ہے۔''

یعنی بیداری کے عالم میں جو انسان کے خیالات، احساسات و جذبات اور خواہشات ہوتی ہیں وہی نیند میں خواب بن کے آجاتی ہیں۔

تو چونکہ سوتے میں انسان شیطان سے بچاؤ کے لیے کچھ نہیں کرسکتا، ذکر اذکار نہیں کر سکتا، لہٰذا وہ اپنے آپ کو اللہ کی پناہ میں دے دیتا ہے، مگر اپنے آپ کو اللہ کی پناہ میں دینے کے لیے ''ظَھر'' یعنی پشت کے الفاظ کا استعارہ کیوں استعمال کیا گیا۔

وہ اس لیے کہ اس کی ایک مناسبت ہے انسان کی بیداری کی حالت سے، انسان جب بیدار ہوتا ہے وہ شیطان کے ساتھ حالت جنگ میں ہوتا ہے اور جب وہ سوتا ہے تو گویا اپنا اسلحہ جو شیطان کے خلاف استعمال کر رہا ہوتا ہے اتار کے رکھ دیتا ہے اور وہ اسلحہ گویا اس نے اپنی پشت پر لاد رکھا ہوتا ہے اور اب پشت چونکہ اسلحہ سے خالی ہوگئی، لہٰذا اسے اللہ کی پناہ میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دے دیا۔

آپ جانتے ہیں کہ دشمن ہمیشہ چھپ کر پیچھے سے وار کرنے کی کوشش کرتا ہے کیونکہ پیچھے سے آدمی کا دفاع کمزور ہوتا ہے کیونکہ اس کی ساری توجہ سامنے دشمن کی نقل وحرکت پر ہوتی ہے اور دوران جنگ میں پشت کو محفوظ بنانا کتنا ضروری ہوتا ہے، اس کی اہمیت کا اندازہ یوں کر سکتے ہیں کہ صلاۃ الخوف میں نماز میں قبلہ رخ ہونے کی شرط ساقط ہوجاتی ہے، یعنی اگر دشمن قبلہ کی مخالف سمت میں کھڑا ہوتو آپ قبلہ رخ ہوکر نماز نہیں پڑھیں گے، بلکہ دشمن کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں گے تا کہ دشمن پیچھے سے حملہ نہ کر دے۔

تو یہ ہے مفہوم ((وَأَلْجَأْتُ ظَهْرِي إِلَيْكَ)) کا، کہ میں نے اپنی پشت تیری پناہ میں کر دی۔

((رَغْبَةً وَرَهْبَةً إِلَيْكَ)) اپنی چاہت، اپنی رغبت اور اپنی پسند سے، ثواب کی نیت سے، اور تجھ سے ڈرتے ہوئے،

((لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَا مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ)) اور حقیقت یہ ہے کہ تیری بارگاہ کے سوا کوئی پناہ گاہ ہے اور نہ کوئی جائے نجات۔

تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اس سے ڈر کر خود اسی کی طرف بھاگنے کا حکم دیتا ہے کہ اس کی بارگاہ کے سوا کوئی جائے پناہ جہاں میں ہے ہی نہیں۔

انسان دنیا کی مصیبتوں، پریشانیوں اور تکلیفوں سے ڈر کر بھاگتا ہے، یہ تو ہم سب جانتے ہیں، مگر بھاگ کر پناہ کہاں ڈھونڈتا ہے، جہاں پناہ ہے ہی نہیں، اس کے بجائے اگر وہ اللہ سے ڈر کر اللہ کی طرف بھاگے تو اس میں اس کے دنیا کے مسائل کا حل بھی ہے اور آخرت کے مسائل کا حل بھی۔

اور اللہ سے ڈر کر اس کی طرف بھاگنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے عذاب سے ڈر کر اس کی رحمت کی طرف بھاگنا، اس پر ایمان لا کر اور اطاعت وفرمانبرداری کر کے، اور اس کا ایک معنی یہ ہے کہ گناہوں سے بھاگ کر اللہ کی اطاعت کی طرف جانا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لیکن اگر ہم اپنے گریبانوں میں جھانکیں اور ایمانداری سے اپنے طرزِ عمل کا جائزہ لیں تو صاف نظر آئے گا کہ ہم اللہ کی طرف نہیں بھاگ رہے بلکہ اللہ کی طرف سے بھاگ رہے ہیں اور بھاگ کر مال و دولت میں پناہ لے رہے ہیں، دنیا میں پناہ لینے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ دنیا اور اس کی دولت نے کبھی کسی کو پناہ نہیں دی اور کبھی کسی سے وفا نہیں کی۔

جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو پکارتے ہیں کہ واپس لوٹ آؤ، میرے سوا تمہیں کہیں پناہ نہیں ملے گی اور کبھی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو تکلیف اور مصیبت میں مبتلا کر کے جھنجھوڑتے بھی ہیں اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ ﴿ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴾ (آل عمران : ٧٢) تاکہ اس سے بھاگے ہوئے بندے واپس لوٹ آئیں۔

اللہ سے بھاگ کر دنیا کی طرف جانا کتنا سنگین جرم ہوگا، آپ اس سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ کوئی غلام اپنے آقا سے بھاگ جائے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کی نماز نہیں ہوتی۔

((إِذَا أَبَقَ الْعَبْدُ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلٰوةٌ حَتَّى يَرْجِعَ إِلَى مَوَالِيهِ))

(النسائي : ٤٠٦٠)

”جب غلام بھاگ جائے، تو جب تک اپنے آقا کی طرف واپس نہ لوٹ آئے، اس کی نماز نہیں ہوتی۔“

اور ایک حدیث میں ہے کہ:

((أَيُّمَا عَبْدٍ أَبَقَ مِنْ مَّوَالِيهِ فَقَدْ كَفَرَ حَتّٰى يَرْجِعَ إِلَيْهِمْ))

(مسلم : ٦٨)

”جو غلام اپنے مالکوں سے بھاگ گیا، اس نے کفر کیا حتی کہ وہ ان کی طرف واپس لوٹ آئے۔“

تو چلئے ہم واپس لوٹ چلیں، اللہ کی طرف، اس سے ڈرتے ہوئے اور اس کی طرف بھاگتے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زندگی جیسی نعمتوں میں سے سب سے بڑی نعمت

﴿ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ﴾ (الکھف : ۱۳)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہت بڑی بڑی اور بے شمار نعمتوں سے نواز رکھا ہے، اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتیں کتنی بڑی ہیں اس کا حساب لگانا تو مشکل ہے البتہ ہم اس بات سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ ان کا کوئی متبادل نہیں ہے، مثلاً آنکھوں کا کوئی متبادل نہیں ہے، آپ جانتے ہیں کہ اگر کسی کی بینائی جاتی رہے تو انسان کے پاس اس کا کوئی متبادل نہیں ہے کہ وہ آنکھوں کے بجائے کسی اور عضو یا کسی مصنوعی آلے سے دیکھ سکے۔

اسی طرح دیگر ایسی بے شمار نعمتیں ہیں کہ جن کا سرے سے کوئی متبادل ہو ہی نہیں سکتا، البتہ کچھ دوسری ایسی نعمتیں ضرور موجود ہیں کہ جنہیں انسان نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق اور اس کی عطا کردہ صلاحیتوں اور مسخر کردہ مواد کو استعمال میں لا کر بعض متبادل نعمتوں کے طور پر یا ان میں بہتری لانے کے لحاظ سے کامیابی ضرور حاصل کی اور وہ کامیابی یقیناً سراسر اللہ تعالیٰ کی توفیق کے مرہون منت ہے۔

تو اللہ تعالیٰ کی انسان پر بے شمار نعمتیں ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ﴾ (النحل : ۱۸)

”اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے۔“

اللہ کی ہر نعمت چاہے بظاہر وہ کوئی چھوٹی سی نعمت ہی معلوم ہو اپنی جگہ پر نہایت ہی اہم نعمت ہوتی ہے البتہ ہر چیز کی طرح نعمتوں میں بھی درجات و تفاوت موجود ہے، لہٰذا کچھ نعمتیں بڑی ہوتی ہیں، کچھ ان سے بڑی اور کچھ ان سے بھی بڑی، مگر ایک نعمت یقیناً ایسی بھی ہے جو علی الاطلاق تمام نعمتوں سے بڑی ہے اور وہ کون سی ہے؟ وہ یوں تو دو نعمتیں ایسی ہیں کہ جن

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ وہ سب سے بڑی نعمتیں ہیں، ایک زندگی اور دوسری ایمان۔ لیکن ان میں سے اگر ایک کو ترجیح دیں کہ وہ علی الاطلاق سب سے بڑی نعمت ہے تو دوسری کی نفی ہوتی ہے، جیسا کہ اگر کہیں کہ ایمان سب سے بڑی نعمت ہے تو اس کا مطلب ہوگا کہ زندگی سب سے بڑی نعمت نہیں ہے، حالانکہ زندگی کے بغیر ایمان کا کوئی مطلب نہیں رہتا، اسی طرح اگر کہیں کہ زندگی سب سے بڑی نعمت ہے، تو اس کا معنی ہوگا کہ ایمان سب سے بڑی نعمت نہیں ہے، حالانکہ ایمان کے بغیر زندگی سرے سے نعمت ہی نہیں چہ جائیکہ وہ سب سے بڑی نعمت ہو۔

تو آیئے تطبیق کے ذریعے اصل بات جاننے کی کوشش کرتے ہیں اور تطبیق ان کے مابین کچھ یوں ہے کہ حسی نعمتوں میں سے زندگی سب سے بڑی نعمت ہے اور معنوی نعمتوں میں سے ایمان سب سے بڑی ہے۔

اور ہمارا آج کا موضوع سخن حسی نعمت عظمیٰ کے حوالے سے ہوگا کہ حسی نعمتوں میں سے سب سے بڑی نعمت، زندگی اور عمر ہے۔

اور زندگی، عمر اور وقت کو ناپنے کا معروف و متداول اور مروجہ پیمانہ آپ جانتے ہیں کہ دقائق وثوانی ہیں، سیکنڈز اور منٹس، ساعات وایام اور شہور وسنین ہیں۔

وقت کو ناپنے کا سب سے چھوٹا معروف و مروجہ پیمانہ تو آپ جانتے ہیں کہ ثانیہ ہے، یعنی سیکنڈ اور اس سے چھوٹا بھی استعمال ہوتا ہے جیسے لحظہ اور لمحة ہے اور لمحہ مأخوذ ہے لمح البصر سے، جس کا معنی ہے پلک جھپکنا، جیسا کہ قرآن پاک میں ہے:

﴿وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ﴾ (النحل : ۷۷)

''اور قیامت کے برپا ہونے کا معاملہ تو پلک جھپکنے کی طرح ہوگا بلکہ اس سے بھی کچھ کم۔''

تو معنی یہ ہوا کہ وقت کو ناپنے کا پیمانہ پلک جھپکنے سے چھوٹا بھی ہوسکتا ہے اور وہ آپ جانتے ہیں کہ ملی سیکنڈ موجود ہے کہ سیکنڈ کا ہزاروں حصہ، پھر اس سے بڑھ کر نینو سیکنڈ ہے کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سیکنڈ کا اربواں حصہ (Billionth of a Second) اور اب سائنسدانوں نے ایک نیا پیمانہ ایجاد کیا ہے اور وہ ہے Zeptosecond، جو کہ (Trillionth of a billionth of a Second) ہے، ''اربویں کا کھربواں سیکنڈ''

تو خیر! اب ہم اپنے اصل موضوع کی طرف آتے ہیں، ہمیں یہ تو معلوم ہو گیا کہ انسان کے پاس اس کی سب سے مہنگی، قیمتی اور نفیس چیز اس کی زندگی، عمر اور وقت ہے جیسا کہ شاعر کہتا ہے:

وَالْـوَقْـتُ اَنْـفَـسُ مَـا عُـنِيْـتَ بِحِفْظِهِ
وَأَرَاهُ أَسْهَـلَ مَـا عَـلَيْكَ يُـضَيَّـعُ

''وقت ایسی نفیس ترین چیز ہے کہ جس کی حفاظت کا اہتمام تجھ سے مطلوب ہے، مگر دیکھتا ہوں کہ وہ بہت آسانی سے تم سے ضائع ہونے والی ہے۔''

تو وقت، عمر، اور زندگی جو کہ باہم مترادف الفاظ ہیں، انسان کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے، اب جب وقت، عمر یا زندگی انسان کی سب سے اہم، قیمتی، نفیس اور عزیز متاع ہے تو اس کا خلاصہ، نچوڑ اور لب لباب کتنا اہم، کتنا نفیس اور کتنا مہنگا ہوگا۔

جی ہاں انسان کی زندگی کا ایک خلاصہ، نچوڑ اور لب لباب بھی ہے اور وہ ہے جوانی کا دور، ایام الشباب۔

جوانی انسان کی زندگی کا خلاصہ، لب لباب اور نچوڑ ہے، عمر کا حسین ترین دور ہے، اس کا جانِ غزل ہے، جوانی کا دور قوت و طاقت سے بھرپور، امیدوں، امنگوں، آرزوؤں، خواہشوں اور چاہتوں سے سرشار، جذبوں اور ولولوں سے معمور، شرح کارکردگی اور بارآوری کی بلند ترین سطح کا دور، گرمجوشی اور کچھ کر گزرنے کی تڑپ سے لبریز اور تمام صلاحیتوں کے عروج کا دور ہے۔

جوانی انسان کی زندگی کی اک درخشاں حقیقت ہے، اپنی کم مدتی کے باوجود انسان کی پوری زندگی پر چھائی ہوئی ہوتی ہے اور اس پر دائمی، طویل المیعاد اور گہرے اثرات مرتب کرتی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جوانی کی عمر میں انسان کی جسمانی صلاحیتیں اور روحانی قوتیں نکھر کر سامنے آجاتی ہیں، اس عمر میں انسان کی فکری توانائیاں، عقلی صلاحیتیں اور اعصابی قوتیں بام عروج پر ہوتی ہیں۔

اس عمر میں سستی، کاہلی اور مایوسی صحت منداور تندرست وتوانا نوجوان کے قریب نہیں پھٹکتی، بلکہ اس کی بلند ہمتی آسمانوں کو چھو رہی ہوتی ہے اور جدو جہد اور سعی وکوشش کا تسلسل رواں ہوتا ہے، اس عمر میں منزل پر پہنچ کر بھی جذبے اور ولولے میں کمی اور قرار آجانا ناکامی تصور ہوتا ہے اور کسی شاعر نے کیا خواب کہا ہے:

شَبَـــابٌ قُـــنَّـــعٌ لَا خَيْـــرَ فِيْهِــمْ
وَبُـــوْرِكَ فِـــى الشَّبَـــابِ الـطَّــامِـحِيْـنَـا

''وہ نوجوان جو کسی مرحلے پر قناعت کر بیٹھیں ان میں خیر نہیں ہے اور برکت ان میں ہوتی ہے جو بلند ہمت اور باعزم ہوتے ہیں۔''

جوانی کی عمر چونکہ انسان کا خلاصۂ زندگی ہے، دین اور دنیا کے معاملات میں انسان کی زندگی کا سب سے اہم، نفیس اور گراں بہا دور ہے، چنانچہ عمر کے اس حصے کی سب سے زیادہ رعایت، اہتمام اور حفاظت وصیانت کی ضرورت ہے۔

قوموں کی ترقی اور عروج میں سب سے اہم اور نمایاں کردار نوجوانوں کا ہوتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ نوجوان ہی کسی قوم کا مستقبل اور اس کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی مانند ہوتے ہیں۔

اور جس قوم کا نوجوان طبقہ بہک جائے، پست ہمتی کا شکار ہو جائے گا، شکست وریخت، زوال وانحطاط اور ذلت ورسوائی اس قوم کا مقدر بن جاتی ہے۔

لہٰذا ضروری ہے کہ ہم امت مسلمہ کی بےبسی اور بےکسی اور ذلت ورسوائی کے اسباب کا جائزہ لیتے ہوئے نوجوان نسل کے اخلاق وکردار کا جائزہ لیں کہ آج کا مسلمان نوجوان کس حال میں ہے، اس کی بے راہ روی کے اسباب کیا ہیں اور اس کا حل کیا ہے؟

مگر سب سے پہلے ہم نوجوان اور نوجوانی کی اہمیت کو قرآن وحدیث کی روشنی میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جاننے کی کوشش کرتے ہیں، حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَزُولُ قَدَمَا ابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهِ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ))

''قیامت کے روز اللہ کے حضور پیشی کے وقت کوئی شخص اپنے پاؤں اس وقت تک وہاں سے ہٹا نہیں سکے گا جب تک پانچ باتوں کا جواب نہیں دے لیتا۔''

((عَنْ عُمُرِهِ فِيمَ أَفْنَاهُ))

''اپنی عمر کے بارے میں کہ کس چیز میں بسر کی۔''

((وَعَنْ شَبَابِهِ فِيمَ أَبْلَاهُ))

''اور اپنی جوانی کے بارے میں کہ کن کاموں میں صرف کی۔''

((وَمَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَ أَنْفَقَهُ))

''اور اپنے مال کے بارے میں کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔''

((وَعَنْ مَاذَا عَمِلَ فِيمَا عَلِمَ)) (صحيح الجامع للألباني : ٧٢٩٩)

''اور اس بارے میں کہ جو کچھ علم اسے حاصل تھا اس کے مطابق عمل کیا کیا۔''

اس حدیث میں آپ نے ملاحظہ کیا کہ عمر کے بارے میں دو سوال ہیں، ایک عام اور ایک خاص، جوانی کی عمر انسان کی مجموعی عمر کا حصہ ہے اور جب عمومی طور پر عمر کے بارے میں سوال ہو گیا تو یقیناً اس میں جوانی کی عمر بھی شامل ہوئی، لیکن اس کے باوجود الگ سے خصوصی طور پر جوانی کی عمر کے بارے میں سوال کرنا اس کی اہمیت کو واضح کرتا ہے، کیونکہ جوانی کی عمر ہی وہ عمر ہے کہ جس میں انسان پوری قوت کے ساتھ، ہوش وحواس اور شعور کے ساتھ، تمام جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے نیکی یا بدی کی راہ پر گامزن ہوتا ہے۔

اسی طرح وہ حدیث ہے جس میں آپ ﷺ نے پانچ باتوں کی وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

((إِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ))

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

”پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو۔“

((شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ)) (صحيح الترغيب : ٣٣٥٥)

”جوانی کو بڑھاپے سے پہلے۔“

مطلب واضح ہے کہ بڑھاپا آنے سے پہلے پہلے جوانی کے ایام میں عمل کر لو، اپنی آخرت کو سنوارنے کے لیے کچھ کرلو اور یہ بات مسلّم ہے کہ عمل چاہے دنیا سے متعلق ہو یا دین سے، پوری توانائی، پورے جذبے، پورے شعور اور پوری اطمینانی کیفیت کے ساتھ جوانی کے عالم میں ہی ادا ہو پاتا ہے، بچپن میں انسان ضعیف اور کمزور ہوتا ہے، ذہنی پختگی نہیں ہوتی اور وہ جذبہ اور شعور بھی نہیں ہوتا جو جوانی میں ہوتا ہے اور بڑھاپے میں آپ جانتے ہیں کہ ذہنی اور جسمانی تمام قویٰ مضمحل ہو چکے ہوتے ہیں، وہ چستی، وہ تروتازگی اور نشاط باقی نہیں رہتا، زیادہ سے زیادہ صرف خواہشات رہ جاتی ہیں اور وہ بھی حسرت بھری آہوں کے ذریعے ہوا میں تحلیل ہوجاتی ہیں، اور اگر وہ عمل ملک وقوم کی رہبری اور رہنمائی کے حوالے سے ہو، ان کی خیر خواہی، اصلاح اور فائدے سے متعلق ہو تو وہ جوانی کے سے جذبات نہیں ہوتے، بلکہ مصلحت کیشی کا شکار ہوجاتا ہے، رسک لینے سے احتراز کرتا ہے، ٹکراؤ سے اجتناب کرتا ہے اور میانہ روی اختیار کرنے پر اکتفا کرتا ہے۔

یہاں ان باتوں سے کہیں یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ بوڑھا ہونے سے کوئی آدمی کی اہمیت کم ہوجاتی ہے، ہرگز ایسا نہیں ہے، صرف ذمہ داریاں بدل جاتی ہیں، طاقت کا رخ بدل جاتا ہے، ان کے تجربات و مشاہدات کی روشنی میں جوانی کے بھڑکتے ہوئے بے لگام جذبات کو درست سمت رہنمائی میسر آتی ہے اور زندگی کے نشیب و فراز میں جہاں انہوں نے ٹھوکریں کھائی ہوتی ہیں، ان کی قبل از وقت نشاندہی ہوجاتی ہے، غرضیکہ بزرگی کے اپنی جگہ امتیازات اور فوائد ہیں مگر ہم اس وقت صرف جوانی کے حوالے سے گفتگو کر رہے ہیں۔

تو جوانی کا دور جہاں ایک طرف سب سے زیادہ بار آور، مثمر اور نتیجہ خیز ہوتا ہے، وہاں اللہ کے ہاں بھی اسے بڑی قدر و قیمت اور پزیرائی حاصل ہوتی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے،

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

آپ ﷺ نے فرمایا:

((سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ))

''فرمایا: سات لوگ ایسے ہیں کہ جنہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنا سایہ نصیب فرمائے گا جب اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا۔''

((اَلْإِمَامُ الْعَادِلُ)) (بخاري : ٦٦٠) ''عادل اور منصف امام۔''

یہاں امام سے مراد حاکم وقت ہے اور اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں کہ جنہیں مسلمانوں کے معاملات کا کسی سطح پر بھی ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہو۔

اس حدیث میں سات قسم کے خوش نصیب لوگوں کا ذکر فرمایا گیا ہے جس کا مطلب ہے کہ جس عمل کی وجہ سے انہیں یہ مقام و مرتبہ اور یہ سعادت نصیب ہوئی وہ یقیناً نہایت ہی عظیم اور مشکل ترین عمل تھا۔

عدل و انصاف کے حوالے سے یہ بات معروف و مسلّم ہے کہ یہ نہایت ہی مشکل کام ہے، جب کسی کے پاس اختیارات آتے ہیں تو عموماً وہ ظلم و زیادتی پر اتر آتا ہے اور اس میں فرعونیت آجاتی ہے، پھر وہ اس بات کی پرواہ بھی نہیں کرتا کہ لوگ اس ناانصافی پر کیا کہہ رہے ہوں گے پھر وہ ایسی کھلی ناانصافی کرتا ہے کہ ہر کس و ناقص کو بآسانی سمجھ میں آرہی ہوتی ہے۔

وہ دنیا میں ظلم و ناانصافی سے اپنے غصے اور انتقام کی آگ کو تو ٹھنڈا کر لیتا ہے مگر قیامت کے دن خود جہنم کی آگ کا ایندھن بن جاتا ہے، حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْقُضَاةُ ثَلَاثَةٌ))

قاضی تین قسم کے ہیں:

((قَاضِيَانِ فِي النَّارِ وَقَاضٍ فِي الْجَنَّةِ))

''دو قسم کے قاضی جہنم میں ہوں گے اور ایک جنت میں۔''

((رَجُلٌ قَضَى بِغَيْرِ الْحَقِّ فَعَلِمَ ذَاكَ فَذَاكَ فِي النَّارِ))

''ایک وہ شخص جس نے جانتے ہوئے ناحق فیصلہ دیا وہ جہنم میں ہوگا۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((وَقَاضٍ لَا يَعْلَمُ فَأَهْلَكَ حُقُوقَ النَّاسِ فَهُوَ فِي النَّارِ))

''اور ایک وہ قاضی جو احکام القضاء سے لاعلم ہونے کے باوجود فیصلہ دے، پس لوگوں کے حقوق ضائع کردے وہ جہنم میں ہے۔''

((وَقَاضٍ قَضَى بِالْحَقِّ فَذَلِكَ فِي الْجَنَّةِ)) (ترمذي : ١٣٢٢)

''اور ایک وہ قاضی جس نے حق کے ساتھ فیصلہ دیا وہ جنت میں ہے۔''

تو عدل و انصاف یقیناً بہت مشکل کام ہے، لیکن جب وہ اس مشکل اور آزمائش سے کامیابی کے ساتھ گزر جاتا ہے تو پھر اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں اس مقام سے نوازا جاتا ہے۔

اسی طرح دوسرا خوش نصیب ہے:

((وَشَابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ رَبِّهِ)) (بخاري : ٦٦٠)

''اور ایک وہ نوجوان کہ اپنے رب کی عبادت پر پروان چڑھا یعنی بچپن سے ہی بڑے خلوص اور سنجیدگی کے ساتھ اپنے رب کی عبادت میں مشغول رہا۔''

یعنی یہ نہیں کہ وہ اپنی مرضی کے اوقات میں نماز پڑھتا رہا کہ جب کسٹمرز اور کلائنٹس موجود ہوں تو ان کے ساتھ مصروف رہا اور جب فارغ ہوگیا تو آ کے نماز پڑھ لی، ایسا شخص نماز پڑھتا ضرور ہے، مگر وہ نمازی نہیں ہے، وہ اپنے آپ کو دھوکہ دے رہا ہے، وہ خالصتاً دنیا دار ہے، وہ دنیا کو ترجیح دیتا ہے۔ تو جوانی کی عبادت، اللہ تعالیٰ کو اتنی محبوب ہے کہ اسے قیامت کے دن اتنے بڑے اعزاز اور انعام سے نوازتا ہے، کیونکہ جوانی میں انسان خواہشات میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے، اس کی بے شمار مصروفیات ہوتی ہیں، اس کے پاس اتنی فرصت نہیں ہوتی کہ وہ نماز کے لیے وقت نکالے۔ تو قیامت کے دن کسی کو یہ اعزاز اور انعام عطا ہونا یقیناً بہت بڑی سعادت اور خوش بختی ہے، اور جن سات قسم کے خوش نصیبوں کو یہ سعادت نصیب ہوگی ان میں سے ایک وہ نوجوان بھی ہے کہ جس کی جوانی اللہ کی عبادت میں گزری۔

اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جوانی کی عمر خلاصۂ زندگی

﴿ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ﴾ (الکهف : ۱۳)

جوانی کے فوائد و منافع اور امتیازات و خصائص کا ذکر ہو رہا تھا، جوانی وہ خلاصۂ زندگی ہے کہ بچہ اس کی خواہش کرتا ہے اور بوڑھا اس پر حسرت بھرتا ہے، جیسا کہ شاعر اک بوڑھے آدمی کی جوانی پر حسرت کا نقشہ یوں کھینچتا ہے۔

يَا لَيْتَ الشَّبَابَ يَعُوْدُ يَوْماً
فَأُخْبِرُهُ بِمَا فَعَلَ الْمَشِيْبُ

''اے کاش! جوانی کبھی واپس آئے تو میں اسے بتاؤں کہ بڑھاپے نے کیا حال کر دیا ہے۔''

جوانی انسان کی عمر میں چونکہ سب سے عزیز، سب سے اہم اور سب سے قیمتی متاع، سرمایۂ حیات اور عرصۂ زندگی ہے، اس لیے سب سے زیادہ عنایت و رعایت اور حفاظت و صیانت کی متقاضی اور توجہ اور اہتمام کی حقدار ہے۔

جوانی انسان کی زندگی میں دو کمزوریوں کے درمیان کا عرصہ ہے، بچپن اور بڑھاپے کے درمیان کا، بچپن آپ جانتے ہیں کہ انسان کی بے بسی، بے کسی، کمزوری، لاعلمی، کم فہمی، انحصار اور تبعیت کا دور ہوتا ہے، اس دور میں اسے ابھی وہ قوتیں اور صلاحیتیں میسر نہیں ہوتیں کہ جن کے ذریعے دنیا یا آخرت کے حوالے سے عملی میدان میں وہ کوئی کارکردگی دکھا سکے، چنانچہ وضعی اور شرعی قوانین میں اسے اک خصوصی رعایت حاصل ہوتی ہے۔

دوسری طرف بڑھاپا ہے اور بڑھاپے کے بارے میں بھی آپ جانتے ہیں، خصوصی طور پر وہ حصہ جسے ارذل العمر کہا گیا ہے، بچپن ہی سے مماثلت رکھتا ہے کہ وہی کم عقلی، کم عملی، کم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فہمی، بدنی کمزوری اور دوسروں کی محتاجی وغیرہ، جیسا کہ قرآن پاک میں ہے:

﴿ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ شَیْبَةً ﴾ (الروم : ٥٤)

''اللہ ہی ہے جس نے کمزوری کی حالت سے تمہاری پیدائش کی ابتداء کی، پھر اس کمزوری کے بعد تمہیں قوت بخشی، پھر اس قوت کے بعد تمہیں ضعیف اور بوڑھا کر دیا۔''

﴿ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۚ وَ هُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ ﴾ (الروم : ٥٤)

''وہ جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، وہ سب کچھ جاننے والا اور ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔''

تو جوانی دو کمزوریوں کے درمیان قوت و طاقت کا مختصر سا وقت ہے۔

اور بڑھاپے کی عمر کا ایک مقام پر ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَ اللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ یَتَوَفّٰىكُمْ ۙ۫ وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَیْ لَا یَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ ﴾ (النحل : ٧٠)

''اللہ نے تم کو پیدا کیا، پھر وہ تم کو موت دیتا ہے اور تم میں سے کوئی بدترین عمر کو پہنچا دیا جاتا ہے، تاکہ سب کچھ جاننے کے بعد پھر کچھ نہ جانے، یقیناً اللہ ہی علم میں بھی کامل ہے اور قدرت میں بھی۔''

تو بڑھاپے کی عمر چونکہ ہر لحاظ سے بے بسی اور محتاجی کی عمر ہوتی ہے، لہٰذا آپ ﷺ نے ایسی عمر سے اللہ کی پناہ مانگی ہے، جیسا کہ آپ ﷺ دعاء فرمایا کرتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ إِنِّی أَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبُخْلِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَأَعُوذُ بِكَ أَنْ أُرَدَّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ)) (بخاري : ٦٣٦٥)

''اے اللہ! میں یقیناً بخل سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور بزدلی سے تیری پناہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں آتا ہوں اور اس بات سے تیری پناہ میں آتا ہوں کہ میں عمر کے ناکارہ اور بدترین حصے کی طرف لوٹایا جاؤں اور میں دنیا کے فتنے اور قبر کے عذاب سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔"

تو معنی یہ ہوا کہ نہ بچپن کی عمر بارآور اور نتیجہ خیز ہے اور نہ بڑھاپے کی عمر، کہ عمر کے ان دونوں حصوں میں دنیا اور آخرت کی کامیابی کے حوالے سے کچھ نہیں کیا جا سکتا، صرف جوانی کی عمر میں ہی دنیا بھی بنتی ہے اور آخرت بھی، مگر جوانی کی عمر عدمِ اہتمام اور لاپروائی کی نظر ہو جاتی ہے اور اس تیزی سے گزر جاتی ہے کہ پتا ہی نہیں چلتا۔

جوانی، عمرِ مستعار کا ایک ایسا عہدِ قلیل اور زمنِ مختصر ہے جو اس سرعت کے ساتھ گزرتا ہے کہ محض اک خواب سے لگتا ہے۔

قیامت کے دن جب مجرموں سے پوچھا جائے گا کہ:

﴿قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْأَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ﴿١١٢﴾﴾ (المؤمنون: ١١٢)

"تم زمین میں کتنے سال رہے؟"

﴿قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْـَٔلِ الْعَآدِّيْنَ ﴿١١٣﴾﴾ (المؤمنون: ١١٣)

"تو وہ جواب دیں گے، ایک دن یا دن کا بھی کچھ عرصہ رہے ہوں گے، شمار کرنے والوں سے پوچھ لیجیے۔"

اندازہ کریں جب سو، پانچ سو یا ہزار سال عمر پانے والے بھی اس مدتِ مدید اور عرصۂ طویل کو ایک دن یا دن کا بھی کچھ حصہ قرار دے رہے ہوں گے تو جوانی جو کہ پیرہن میں پیوند کی حیثیت رکھتی ہے اس کو کس نسبت و تناسب میں شمار کریں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ آدمی کی کل عمر کی نسبت سے جوانی کے ایام کو دقائق و ثوانی ہی قرار دیا جا سکتا ہے، چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے جوانی کے نہایت اہم اور مختصر دورانیے کو کچھ یوں بیان فرمایا کہ:

"مَا شَبَّهْتُ الشَّبَابَ إِلَّا بِشَيْءٍ كَانَ فِي كُمِّي فَسَقَطَ"

(مناقب الامام احمد بن حنبل لابن الجوزي، ص: ١٩٨)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''میں جوانی کو اس کے سوا کسی سے تشبیہ نہیں دیتا کہ کوئی چیز میرے آستین میں تھی اور گر گئی۔''

حالانکہ انہوں نے ستر سال عمر پائی تھی، مگر جوانی کی اہمیت اور اختصار کو ان فکر انگیز الفاظ میں بیان فرمایا، گویا کہ جوانی کی عمر ہی اصل عمر ہے، زندگی کا خلاصہ ہے مگر بہت تیزی سے گزر جاتا ہے، لہٰذا اسے بہت زیادہ اور خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

انسان کی انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی، دنیا کا معاملہ ہو یا آخرت کا، عملی میدان میں کامیابی کا سب سے اہم عنصر جوانی ہوتا ہے، نوجوان اگر راہ راست پر ہوں، عقل سلیم اور قلب سلیم رکھتے ہوں تو ان کا طرز عمل، طریقۂ کار اور طرز زندگی انوکھا اور مثالی ہوتا ہے، تاریخ کے تناظر اور قرآن وحدیث کی روشنی میں اگر تمام بڑے بڑے اور قوموں کی تاریخ اور ان کا رخ بدل دینے والے واقعات کا جائزہ لیں تو ان کے پیچھے اللہ کے فضل اور اس کی حکمت ومشیئت کے بعد نوجوانوں کا کردار ہی ہوتا ہے۔

قرآن پاک میں ایسے واقعات میں سے ایک واقعہ اصحابِ کہف کے نام سے ذکر کیا گیا ہے جس میں خصوصی طور پر ان کی جوانی کا ذکر ہے، گویا کہ ان کے نوجوان ہونے کے نکتے کو نمایاں کیا جا رہا ہے اور اسے اہمیت دی جا رہی ہے، چنانچہ فرمایا:

﴿ إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى ﴾ (الکھف : ۱۳)

''وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لے آئے تھے اور ہم نے ان کو ہدایت میں ترقی بخشی تھی۔''

وہ پورا واقعہ سورۂ کہف میں مذکور ہے، آپ نے ضرور پڑھا اور سنا ہوگا، انہوں نے کون سا ایسا کارنامہ دکھایا کہ ان کا ذکر ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا گیا جسے قیامت تک بار بار دہرایا جاتا رہے گا، اسے بیان کرنے میں کیا کیا حکمتیں اور فوائد ہیں اور لوگوں کے لیے اس میں کیا کیا دروس اور عبرتیں ہیں ان کا ذکر فی الوقت مقصود نہیں صرف اتنا بیان کرنا مطلوب ہے کہ وہ نوجوان ہی تھے کہ جنہوں نے بے راہ رو اور بھٹکے ہوئے معاشرے کا مقابلہ نہ کر پانے کی وجہ

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

سے اس معاشرے اور ظالم بادشاہ سے دور اور الگ تھلگ ہو کر رہنے کا فیصلہ کیا، عمومی طور پر جوانی میں کہ جب آدمی کے جذبات جوان ہوتے ہیں، دنیا کی زینتوں میں مگن اور اس کی خواہشات میں کھویا ہوا ہوتا ہے اس قسم کا فیصلہ کرنا اور ایسا طرز عمل اختیار کرنا آسان نہیں ہوتا، ایسا درست اور جرأت مندانہ فیصلہ جوان ہی کر سکتے ہیں۔

اور اس سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ پڑھ کر دیکھ لیجیے جب انہوں نے ایک نہایت عظیم اور مثالی کارنامہ کر دکھایا کہ مشرکین کے بتوں کو ایک کو چھوڑ کر پاش پاش کر دیا۔

﴿فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ۝﴾ (الانبیاء : ۵۸)

''ابراہیم علیہ السلام نے انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور صرف ان کے بڑے کو چھوڑ دیا تاکہ شاید وہ اس کی طرف رجوع کریں۔''

انہوں نے جب اپنے بتوں کا یہ حال دیکھا تو کہنے لگے:

﴿مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝﴾ (الانبیاء : ۵۹)

''کہنے لگے ہمارے خداؤں کا یہ حال کس نے کر دیا، وہ کوئی بڑا ہی ظالم تھا۔''

﴿قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ۝﴾ (الانبیاء : ٦٠)

''تو کچھ لوگوں نے کہا: ہم نے ایک نوجوان کو ان کا ذکر کرتے ہوئے سنا تھا، جس کا نام ابراہیم ہے۔''

اور تفصیل قرآن پاک میں موجود ہے، آپ نے پڑھی ہوگی۔

ایک پاک، مقدس اور عظیم مقصد کے لیے اپنے گھر بار کو چھوڑ دینا اور اپنی جان کی پرواہ نہ کرنا نوجوانوں کا ہی کام ہے اور یہ خوبیاں پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہ کر تربیت پانے والوں میں بدرجہ اتم موجود تھیں، چنانچہ ہجرت کے واقعے سے یہ بات خوب عیاں ہوتی ہے اور انہوں نے اپنی جانوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے پوری زندگی اس مقصد کے حصول کے لیے جدوجہد کرتے ہوئے صرف کر دی، جیسا کہ حدیث میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((قَالَ لِي رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَتَعْلَمُ أَوَّلُ زُمْرَةٍ تَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي؟))

''کیا تم جانتے ہو کہ میری امت میں سے سب سے پہلے جنت میں جانے والا گروہ کون سا ہے؟''

((قَالَ: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ))

''تو انھوں نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔''

((فَقَالَ: اَلْمُهَاجِرُوْنَ، يَأْتُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَى بَابِ الْجَنَّةِ وَيَسْتَفْتِحُوْنَ))

''تو آپ ﷺ نے فرمایا: مہاجرین، قیامت کے دن جنت کے دروازے پر آئیں گے اور دروازہ کھلوائیں گے۔''

((فَيَقُوْلُ لَهُمُ الْخَزَنَةُ: أَوَ قَدْ حُوسِبْتُمْ))

''تو جنت کے دربان ان سے کہیں گے کہ کیا تمھارا حساب ہو گیا؟''

((فَيَقُوْلُوْنَ: بِأَيِّ شَيْءٍ نُحَاسَبُ؟))

''تو وہ کہیں گے ہم سے کس چیز کا حساب ہو گا؟''

((وَإِنَّمَا كَانَتْ أَسْيَافُنَا عَلَى عَوَاتِقِنَا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ حَتَّى مِتْنَا عَلٰى ذٰلِكَ))

''ہماری تلواریں اللہ کی راہ میں زندگی بھر ہمارے کندھوں پر رہیں، حتی کہ اسی پر ہمیں موت آئی۔''

((قَالَ: فَيُفْتَحُ لَهُمْ))

''فرمایا: تو ان کے لیے جنت کا دروازہ کھول دیا جائے گا۔''

((فَيَقِيلُوْنَ فِيهَا أَرْبَعِيْنَ عَامًا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَهَا النَّاسُ.))

(المستدرك على الصحيحين: ۲۳۴۸)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

”فرمایا: تو وہ لوگوں کے جنت میں داخل ہونے سے چالیس سال پہلے اس میں آرام کر رہے ہوں گے۔“

تو وہ نوجوان ہی تھے کہ جو اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے زندگی بھر اپنی جانیں ہتھیلیوں پر لیے پھرتے رہے، جنہوں نے اپنا تن من دھن اللہ کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچانے کے لیے قربان کر دیا۔ صحابہ کرام کی اکثریت جوانوں پر ہی مشتمل تھی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب اسلام لائے تو اس وقت ان کی عمر ۳۴ چونتیس برس تھی، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ تیس سال کے تھے، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ۱۷ سترہ سال کے، حضرت زبیر بن عوّام رضی اللہ عنہ ۱۲ بارہ سال کے اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ ۱۳ سال کے اور حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ۱۸ سال کے تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک لشکر کے سپہ سالار بنا کر بھیجنے کا حکم صادر فرمایا، وہ لشکر کہ جس میں حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما جیسے بڑے بڑے اور جلیل القدر صحابہ کرام بھی موجود تھے۔ اور یہ کوئی محض تربیت کے لیے نہیں تھا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا کہ وہ اس کا اہل ہے۔

((وَأَيْمُ اللّٰهِ إِنَّ هٰذَا لَخَلِيْقٌ)) (تاريخ دمشق، ج۱، ص ۶۰)

”اور اللہ کی قسم! وہ اس لشکر کا امیر اور سپہ سالار بنائے جانے کا اہل اور لائق ہے۔“

تاریخ اسلام میں نوجوان صحابہ کرام اور ان کے بعد بھی نوجوانوں کو ذمہ داریاں سونپنے اور ان کی صلاحیتوں سے کام لینے کے بے شمار واقعات ہیں۔

ایک واقعہ ذکر کرتا ہوں، خلیفہ مہدی کا ایک بار بصرہ جانا ہوا تو ان کے پاس ایک وفد آیا جس کی قیادت ایاس بن معاویہ ایک نوخیز (Teenager) کر رہا تھا اور علماء اور بڑے بڑے جبہ و دستار والے اس کے پیچھے تھے۔

قاضی ایاس جو اپنے دور کے بہت بڑے دانشور، زیرک اور حاضر دماغ قاضی رہے ہیں، بچپن میں ان کا یہ حال تھا کہ بڑے بڑے علماء ان کی اس حاضر دماغی سے متأثر تھے۔

خلیفہ مہدی نے یہ دیکھ کر کہا:

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

((أَ مَا كَانَ فِيهِمْ شَيْخٌ يَتَقَدَّمُهُمْ غَيرَ هَذَا الْحَدَثِ؟))

''کیا اس نوجوان کے علاوہ ان میں کوئی بڑا آدمی نہیں ہے، جوان کی نمائندگی کرے؟''

((ثُمَّ إِنَّ الْمَهْدِيَّ إِلْتَفَتَ إِلَيْهِ وَقَالَ: كَمْ سِنُّكَ يَافَتَى؟))

''اور پھر ایاس کی طرف متوجہ ہو کر کہا: نوجوان! تمہاری کیا عمر ہے؟''

((فَقَالَ: سِنِّي أَطَالَ اللّٰهُ بَقَاءَ الْأَمِيرِ سِنَّ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ لَمَّا وَلَّاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ جَيْشًا فِيهِمْ أَبُوْبَكْرٍ وَ عُمَرَ))

''تو ایاس نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کی عمر دراز کرے! میری عمر اسامہ بن زید کی عمر کے برابر ہے، جب آپ ﷺ نے انہیں ایک لشکر کا امیر مقرر فرمایا تھا کہ جس میں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے۔''

تو خلیفہ مہدی لاجواب ہو کر کہنے لگا:

((تَقَدَّمْ بَارَكَ اللّٰهُ فِيْكَ)) (ایقاظ اولي الهمم العالية ٤لى اغتنام الایام الخالية، ص: ٤٠٤)

''اللہ تمہیں برکت دے، آگے بڑھو، یعنی بات کرو۔''

تو اسلام میں نوجوانوں پر بڑا فوکس کیا گیا ہے اور ان کی تربیت کے لیے مکمل رہنمائی دی گئی ہے۔ اسلام کے دورِ اول کے نوجوان پوری تاریخ انسانی میں وہ مثالی لوگ ہیں جنہوں نے بے سروسامانی کے عالم میں اپنے دور کی سپر طاقتوں کو زیر کر کے اسلام کا علم بلند کیا اور لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچایا اور پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں بھی ایک ایسا اعزاز عطا فرمایا کہ ان کا ذکر اور صفات گذشتہ آسمانی صحیفوں میں کر دیا۔

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۫ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۛۖ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۛ۫ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

الْكُفَّارُ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٢٩﴾ (الفتح : ٢٩)

''محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں۔ تم جب ان کو دیکھو گے انہیں رکوع و سجود اور اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں مشغول پاؤ گے۔ سجود کے اثرات ان کے چہروں پر موجود ہیں، جن سے وہ لوگ پہچانے جاتے ہیں۔ یہ ہے ان کی صفت تورات میں اور انجیل میں۔ ان کی مثال یوں دی گئی ہے، گویا ایک کھیتی ہے جس نے پہلے کونپل نکالی پھر اس کو تقویت دی، پھر وہ گدرائی، پھر اپنے تنے پر کھڑی ہوگئی، کاشت کرنے والوں کو وہ خوش کرتی ہے، تاکہ کفار ان کے پھلنے پھولنے پر جلیں۔ اس گروہ کے جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں اللہ نے ان سے مغفرت اور بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔''

اسلام میں نوجوان اور نوجوانی کی اہمیت جاننے کے لیے ابھی اور بہت کچھ سننے کو باقی ہے، مگر بات طویل ہو جائے گی اس لیے اس کا خلاصہ اور جو اس سے فوائد حاصل ہوتے ہیں ان کے بارے میں جاننے کی کوشش کریں گے ان شاء اللہ، ورنہ اسی پر اکتفا کریں گے کہ نوجوانوں نے اسلام کو لوگوں تک پہنچایا، معاشرے کی اصلاح اور ترقی کا سبب بنے، اور آج بھی اسی طرز پر چل کر معاشرے کی اصلاح ممکن ہے، جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا تھا:

"لن يصلح آخر هذه الامة الا بما صلح به اولها"

''اس امت کے آخری دور کی اصلاح انہی اصولوں پر چل کر ہوگی جن پر پہلے دور کی اصلاح ہوئی تھی۔''

افسوس کہ آج مسلمان نوجوانوں کی غالب اکثریت ان اصولوں کو پسِ پشت ڈال چکی ہے اور مغرب کی سائنسی ترقی سے مرعوب ہوکر ان کے رنگ میں رنگی جا چکی ہے اور ان کی تہذیب میں ڈھل چکی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تغافل بندۂ مؤمن کی اک بہت بڑی اخلاقی خوبی

﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ ﴿١٩٩﴾﴾ (الاعراف: ١٩٩)

یہ بات ہر باشعور انسان کے ہاں معروف و مسلّم ہے کہ انسان میں بہت ساری فطری کمزوریاں پائی جاتی ہیں جن کا مقصد یقیناً آزمائش، ابتلاء اور امتحان ہے تاکہ دیکھا جائے کہ کس طرح انسان اپنی ان کمزوریوں پر قابو پا کر سرخرو ہوتا اور کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے اور یہی بات عمومی طور پر بھی انسان کی پوری زندگی کو محیط ہے کہ:

﴿لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ط﴾ (الملك: ٢)

''تاکہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے کہ تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔''

انسان کی ان بہت ساری کمزوریوں میں سے ایک بنیادی اور مرکزی کمزوری اس کا کمزور و ناتواں اور ضعیف ہونا ہے، جیسا کہ فرمایا:

﴿وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا ﴿٢٨﴾﴾ (النساء: ٢٨)

''اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔''

چنانچہ اسلام میں اس کمزوری کا خاطر خواہ اور مناسب لحاظ بھی کیا گیا ہے، جیسا کہ فرمایا:

﴿يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ ج وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا ﴿٢٨﴾﴾ (النساء: ٢٨)

''اور اللہ تعالیٰ تم پر سے پابندیوں کو ہلکا کرنا چاہتا ہے، کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔''

اور یہ کمزوری جسمانی اور بدنی بھی ہے اور عزم و ارادے کی کمزوری بھی ہے اور اسی طرح انسان بخیل بھی ہے، جلد باز بھی ہے، ظالم بھی ہے، جاہل بھی ہے، بھولنے والا بھی ہے، خطا کار بھی ہے، اس سے غلطی، کوتاہی اور لغزش سرزد ہوتی ہے، عمداً بھی، جہلاً بھی اور نسیاناً

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بھی، ارادی طور پر بھی اور غیر ارادی طور پر بھی، اسی طرح انسان میں دیگر متعدد فطری کمزوریاں پائی جاتی ہیں۔مگراس کی جس فطری کمزوری کا ہم آج کی گفتگو میں ذکر کرنے جا رہے ہیں وہ ہے اس سے غلطی، کوتاہی، لغزش اور خطا کا سرزد ہونا۔

اس حقیقت کو بڑی وضاحت سے اور نمایاں طور پر حدیث میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ:

((كُلُّ بَنِي آدَمَ خَطَّاءٌ وَخَيْرُ الْخَطَّائِينَ التَّوَّابُونَ))

(ابن ماجة : ۱٥٢)

''تمام کے تمام بنی آدم خطا کار ہیں اور خطا کاروں میں سے سب سے اچھے لوگ وہ ہیں جو بہت زیادہ توبہ کرنے والے ہیں۔''

اس حدیث سے خطاؤں کے حوالے سے ایک بات تو یہ سمجھ میں آتی ہے کہ کسی سے غلطی، خطا اور گناہ کا سرزد ہونا اصل مسئلہ نہیں ہے بلکہ اصل مسئلہ گناہ سرزد ہو جانے کے بعد توبہ نہ کرنا ہے، اگرچہ اللہ تعالیٰ گناہ کو پسند بھی نہیں کرتا اور اس کا حکم بھی نہیں دیتا۔

﴿قُلْ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ﴾ (الاعراف : ۲۸)

''ان سے کہو اللہ تعالیٰ بے حیائی کا حکم کبھی نہیں دیتا، بلکہ اس سے منع کرتا ہے۔''

﴿وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ﴾ (النحل : ۹۰)

''اللہ تعالیٰ بدی، بے حیائی اور ظلم وزیادتی سے منع کرتا ہے۔''

مگر اس سب کچھ کے باوجود کسی انسان سے گناہ کا سرزد ہو جانا اتنا بڑا مسئلہ اور اتنی بڑی بات نہیں جتنی گناہ کے بعد توبہ نہ کرنا ہے۔

دوسری بات خطاؤں اور لغزشوں کے حوالے سے یہ ہے کہ ایک طرف تو اتنی بڑی حقیقت بیان کی گئی ہے کہ ہر انسان کسی نہ کسی سطح پر خطا کار ضرور ہے، مگر دوسری طرف اسی خطا کار انسان کو اتنی بڑی رعایت اور عزت دی گئی ہے، اس کی عزلت اور خلوت کا لحاظ کیا گیا ہے، اسے پرائیویسی، رازداری اور تخلیہ کا حق دیا گیا ہے کہ اس کے گناہوں اور اس کی لغزشوں اور خطاؤں کو ٹٹولنے اور کریدنے سے منع کیا گیا ہے اور اس کی عزت اور حرمت کی پامالی کو حرام

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ خطبۂ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے اس کا اعلان فرمایا تھا۔

اور صرف یہیں بس نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی خطاؤں اور لغزشوں کو ٹٹولنے اور کریدنے سے منع فرمایا ہے بلکہ اس پر ایک شدید وعید بھی سنائی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

((صَعِدَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمِنْبَرَ فَنَادَى بِصَوْتٍ رَفِيعٍ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ مَنْ قَدْ أَسْلَمَ بِلِسَانِهِ وَلَمْ يُفْضِ الْإِيمَانُ إِلَى قَلْبِهِ لَا تُؤْذُوا الْمُسْلِمِينَ وَلَا تُعَيِّرُوهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا عَوْرَاتِهِمْ))

''آپ ﷺ منبر پر چڑھے اور بلند آواز سے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اے وہ لوگو! جو زبان سے تو اسلام لائے ہو مگر ایمان ابھی ان کے دلوں میں داخل نہیں ہوا، مسلمانوں کو اذیت نہ دو اور ان کے عیبوں کی جستجو نہ کرو۔''

((فَإِنَّهُ مَنْ تَتَبَّعَ عَوْرَةَ أَخِيهِ الْمُسْلِمِ تَتَبَّعَ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ))

''اس لیے کہ جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کے عیب تلاش کرنے لگ جائے، اللہ تعالیٰ اس کے عیبوں کے پیچھے لگ جاتا ہے۔''

((وَمَنْ تَتَبَّعَ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ يَفْضَحْهُ وَلَوْ فِي جَوْفِ رَحْلِهِ))

(ترمذي: ٢٠٣٢)

''اور جب اللہ تعالیٰ کسی کے عیبوں کے پیچھے لگ جاتا ہے تو پھر اسے رسوا کر کے رکھ دیتا ہے، چاہے وہ اپنے گھر کے اندر ہی کیوں نہ بیٹھا رہے۔''

تو لوگوں کے عیبوں کی ٹوہ میں رہنے سے انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی پر بڑے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں اور اس کے بہت سارے نقصانات ہوتے ہیں۔ اسی طرح لوگوں کے عیبوں کی تلاش وجستجو سے باز رہنے کے نتیجے میں بہت سارے نفسیاتی اور معاشرتی فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو جہاں تک لوگوں کے عیبوں کو ڈھونڈنے اور اچھالنے کا تعلق ہے تو اس کے نقصانات میں سے دنیا میں سب سے بڑا نقصان یہ ہے جیسا کہ ہم نے ابھی سنا کہ خود اللہ تعالیٰ اس کے عیبوں کے پیچھے لگ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے تو کسی کے عیوب پوشیدہ نہیں ہیں جبکہ انسان بہت سعی و جدوجہد اور تلاش و جستجو کے باوجود کسی کے تمام عیبوں تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا اور پھر جو جو عیب اسے معلوم ہوئے ہوں انہیں اچھال کر اگر وہ کسی کو شرمندہ اور رسوا کرنا بھی چاہے تو شاید اسے کامیابی حاصل نہ ہو لیکن جب اللہ تعالیٰ کسی کو رسوا کرنا چاہے تو اسے کون بچا سکتا ہے، لہٰذا کسی کے عیب تلاش کرنے کا یہ ایک سب سے بڑا نقصان ہے اور پھر مزید یہ ہے کہ لوگوں کے عیبوں کی جستجو میں رہنے والا شخص ہمیشہ بے چین و بے قرار اور پریشان رہتا ہے اور جو آخرت کی سزا ہے وہ اس سے الگ ہے۔

تو آیئے اب ہم آج کے اصل موضوع پر گفتگو کرتے ہیں اور وہ ہے لوگوں کی لغزشوں، خطاؤں اور کوتاہیوں سے صرف نظر کرنا اسلام کا ایک نہایت ہی خوبصورت، بلند پایہ اور مثالی اخلاق ہے جو کسی عظیم اور محترم شخصیت کا امتیازی وصف ہوتا ہے جو اسے اخلاق کے بلند ترین مرتبے پر فائز کرتا ہے، جو اسے معزز و محترم اور محبوب شخصیت بنادیتا ہے اور اسے سکون و اطمینان اور راحتِ نفس والی زندگی بسر کراتا ہے اور جسے تغافل کا اصطلاحی نام دیا گیا ہے۔

تغافل کا لفظ غفلت سے ماخوذ ہے اور غفلت کا معنی ہے غافل ہونا، بے خبر ہونا، بالخصوص کسی ایسے کام سے کہ جس کی حفاظت اور دیکھ بھال اور اس پر عمل پیرا ہونے کی ذمہ داری سونپی گئی ہو، اس سے کسی دوسرے کام میں مشغول ہو کر یا عدم توجہ اور عدم اہمیت کی وجہ سے بے خبر اور لاتعلق ہونا غفلت کہلاتا ہے۔

اور شرعی اعتبار سے غفلت کا مطلب دنیا میں مشغول ہو کر دین سے دور ہونا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ سَكَنَ الْبَادِيَةَ جَفَا وَمَنْ اتَّبَعَ الصَّيْدَ غَفَلَ وَمَنْ أَتَى أَبْوَابَ السُّلْطَانِ افْتُتِنَ .)) (ترمذي : ٢٢٥٦)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''جس نے بدوی زندگی اختیار کی، صحراء میں رہائش پذیر ہوا، وہ سنگدل ہو گیا۔''

بدو چونکہ علماء کی محفلوں اور علمی مجلسوں سے دور ہوتے ہیں احکام شریعت سے ناواقف اور لاعلم ہوتے ہیں۔ عوام الناس سے میل جول نہ ہونے کی وجہ سے ادب و آداب سے ناواقف ہوتے ہیں، جانوروں اور درندوں کے ساتھ رہ رہ کر بے ساختہ اور غیر شعوری طور پر ان کے مزاجوں سے ایک حد تک مطابقت ہو جاتی ہے اور طبیعت میں سختی پیدا ہو جاتی ہے، اس لیے فرمایا: بدوی اور خانہ بدوشی کی زندگی گزارنے والا سنگدل ہو جاتا ہے اور جیسا کہ قرآن پاک میں بھی کچھ ایسا ہی مذکور ہے۔

((وَمَنِ اتَّبَعَ الصَّيْدَ غَفَلَ))

''اور جس نے شکار کا مشغلہ اختیار کیا وہ غافل ہو گیا۔''

یعنی دین سے غافل ہو گیا، مطلب یہ کہ جب آدمی کسی کام میں کھو جاتا ہے اور خوب مگن ہو جاتا ہے، اس کی تمام صلاحیتیں صرف اسی میں صرف ہونے لگتی ہیں، وہ اس کی سوچ اور فکر کا محور بن جاتا ہے تو پھر طبعی طور پر دین سے اس کا تعلق کمزور ہو جاتا ہے، اس کے جذبات ماند پڑ جاتے ہیں اور تسویف کا شکار ہو کر آہستہ آہستہ دین سے دور ہوتا چلا جاتا ہے، دوسرے لفظوں میں وہ دین سے غافل ہو جاتا ہے۔

((وَمَنْ أَتَى أَبْوَابَ السُّلْطَانِ افْتُتِنَ))

''اور جو شاہی دروازوں کے چکر لگانے لگا وہ آزمائش میں مبتلا ہو گیا۔''

یعنی جو دولتمندوں کی دولت سے متأثر ہو کر ان کی قربتیں ڈھونڈنے لگا وہ دنیا کے فتنے میں مبتلا ہو گیا۔

تو غفلت کی بات ہو رہی تھی کہ دنیا میں مشغول ہو کر دین سے دور ہونا دین سے غافل ہونا ہے اور غفلت اک مذموم اور ناپسندیدہ خصلت ہے، مگر تغافل اس کے برعکس پسندیدہ اور محمود صفت ہے اور اس کا معنی ہے جانتے بوجھتے ہوئے غفلت برتنا، یعنی غفلت کا اظہار کرنا اور یہ اک مسلمان کی بہت بڑی خوبی اور صفت ہے اور وہ یوں کہ کسی کی خامی، کمی، کوتاہی،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لغزش، غلطی، خطا اور گناہ کو کریدنا تو درکنار، اگر کسی طریقے سے خود بخود معلوم بھی ہو جائے تو یوں ظاہر کرنا کہ جیسے اسے کچھ معلوم ہی نہیں ہے، اس نے کچھ دیکھا اور سنا ہی نہیں ہے۔

جیسا کہ حاتم الاصم رحمہ اللہ کے پاس ایک شخص کوئی مسئلہ پوچھنے آیا تو بے ساختہ اس کی ہوا خارج ہوگئی، اس پر اسے بہت شرمندگی ہوئی، اتنے میں حاتم الاصم رحمہ اللہ نے اس سے کہا کہ ذرا اونچی آواز سے بات کرو، تمہارا کیا سوال ہے؟ تو اس پر اس شخص کو تسلی ہوئی کہ حاتم نے سنا ہی نہیں۔ چنانچہ اسے شرمندگی کی کیفیت سے نجات ملی۔ تو تب سے حضرت حاتم رحمہ اللہ کا نام حاتم الاصم پڑ گیا کہ حاتم بہرا۔ یہ تو خیر انسان کی ایک ایسی کمزوری ہے جس پر کسی کو اختیار ہی نہیں ہے اور پھر مزید یہ کہ اس بات پر کسی کا مذاق اڑانے اور کسی پر ہنسنے سے منع بھی کیا گیا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لِمَ يَضْحَكُ أَحَدُكُمْ مِمَّا يَفْعَلُ)) (بخاري: ٤٩٤٢)

”تم میں سے کوئی آدمی کس طرح ایک ایسی بات پر ہنستا ہے جو وہ خود بھی کرتا ہے۔“

تو ایسی بات پر ہنسنا پست ذہنیت کی علامت ہے۔

اسی طرح انسان کی دیگر لغزشوں، کوتاہیوں اور خطاؤں کو ٹٹولنا اور ان پر ہنسنا، مذاق اڑانا اور اچھالنا نہایت ہی نازیبا حرکت اور اخلاقی پستی کی علامت ہے۔ ایک ایسا شخص جو خود خطاؤں اور لغزشوں سے محفوظ و معصوم نہ ہو وہ دوسروں کی لغزشوں پر ہنستا ہوا کیسا لگے گا اور لوگ اس کی دماغی حالت کو کیا ریٹنگ دیں گے!

لہٰذا جو بات آدمی کی کیفیت اور حیثیت کو سوٹ کرتی ہے جو اسے زیب دیتی ہے، جو اس کی شخصیت کے لیے مناسب اور موزوں ہے وہ یہ ہے کہ آدمی دوسروں کی غلطیوں سے صرف نظر کرے، اس میں اسے خود کو بھی عزت و احترام حاصل ہوتا ہے، اخلاقی برتری حاصل ہوتی ہے، دوسروں کی عزت نفس کا لحاظ کرنے، پردہ پوشی کرنے اور شرمندگی اور اذیت سے بچانے کا اجر و ثواب بھی ہوتا ہے، معاشرے میں اپنائیت، عزت و احترام، امن و سلامتی کہ جس میں جان، مال اور عزت محفوظ ہو، کا احساس پیدا ہوتا ہے اور ایک ایسے معاشرے کا قیام عمل میں

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

آتا ہے، جس میں عزت و احترام ہو، رواداری ہو، اخوت و محبت ہو، ہمدردی اور خیر خواہی ہو اور ایثار و قربانی ہو اور جس میں تمام اخلاقی خوبیاں نکھر کر سامنے آ گئی ہوں۔

اور حقیقت یہ ہے کہ دوسروں کی غلطیوں اور لغزشوں سے صرف نظر کرنا اخلاقی خوبیوں میں سے ایک سب سے بڑی خوبی ہے کہ جس کا پورے معاشرے پر بہت بڑا اور گہرا مثبت اثر ہوتا ہے۔ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی طرف منسوب ایک قول میں اس خوبی کو کچھ یوں بیان کیا گیا ہے:

"تِسْعَةُ أَعْشَارِ حُسْنِ الْخُلُقِ فِي التَّغَافُلِ"

(ارشيف ملتقى اهل الحديث : ١/ ٣٨، المكتبة الشاملة الحديثة)

"حسن اخلاق کے دس میں سے نو حصے تغافل میں ہیں۔"

بلکہ ایک جگہ انہوں نے تغافل کی اہمیت کو ایک دوسرے پہلو سے یوں بیان کیا کہ:

"اَلْعَافِيَةُ عَشَرَةُ أَجْزَاءٍ كُلُّهَا فِي التَّغَافُلِ." (شعب الإيمان، ج ١٠، ص ٥٧٥)

"عافیت کے دس حصے ہیں، سارے کے سارے تغافل میں ہیں۔"

اندازہ کریں تغافل کا حسن اخلاق کے تمام شعبوں میں سے سب سے بلند مقام اور سب سے اہم کردار ٹھہرا ہے، اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اسے عقلمندی کا معیار قرار دیتے ہیں، جیسا کہ فرمایا:

"اَلْعَقْلُ مِكْيَالٌ، ثُلُثُهُ الْفِطْنَةُ وَثُلُثَاهُ التَّغَافُلُ"

(العقد الفريد، ج٢، ص: ١٠٥)

"عقل ایک پیمانہ ہے جس کے تین حصے ہیں، ایک حصہ فہم و فراست اور بصیرت ہے اور دو حصے تغافل ہیں۔"

یعنی جو آدمی جتنا زیادہ تغافل سے کام لیتا ہے اتنا ہی زیادہ عقلمند ہے۔

انسان کو زندگی کے تمام شعبوں میں عمر بھر تغافل کی ضرورت رہتی ہے، اپنے گھر میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بیوی بچوں کے ساتھ ہو، دوست واحباب کی محفل میں ہو، بازار میں ہو، اعزاء واقارب کے ساتھ میل جول کا معاملہ ہو یا زندگی کے دوسرے شعبوں میں لین دین اور معاملات طے کر رہا ہو، اسے ہر جگہ اور ہر وقت تغافل کی ضرورت پیش آتی ہے اور زندگی کے ننانوے فیصد مسائل کا حل تغافل میں ہے۔

آپ لوگوں کے مابین اختلافات اور تنازعات کی نوعیت اور اسباب پر غور کر کے دیکھیں تو آپ کو بڑی بڑی لڑائیوں سے نہایت ہی سطحی اور چھوٹے چھوٹے اسباب نظر آئیں گے جن کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے اور آدمی سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ ان لوگوں کی عقل کو آخر کیا ہوا، جبکہ معاملہ صرف اس بات کا متقاضی تھا کہ اسے نظر انداز کیا جاتا اور تغافل سے کام لیا جاتا۔

تغافل اگرچہ نہایت ہی مشکل کام ہے اور یہ ہر آدمی کے بس کی بات نہیں ہے، اس کے لیے صبر، تحمل اور برداشت کی قوت اور جذبہ درکار ہوتا ہے، اس کے لیے حلم و بردباری اور وسعتِ ظرفی درکار ہوتی ہے، اس کے لیے فکر آخرت کی پختگی درکار ہوتی ہے، مگر پھر بھی اسلامی تاریخ میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں، لیکن سب سے بڑھ کر آپ ﷺ کی سیرت طیبہ اس کا عملی اور مثالی نمونہ پیش کرتی ہے اور زندگی کے ہر شعبے میں اس کی مثالیں موجود ہیں، مگر اس وقت ہم آپ ﷺ کی گھریلو زندگی سے ایک مثال پیش کرتے ہیں۔

سورۂ تحریم میں واقعہ مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی ایک زوجہ محترمہ سے ایک راز کی بات کی، انہوں نے ایک دوسری زوجہ محترمہ کے ساتھ وہ بات شیئر کی یعنی راز افشا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس کی اطلاع کر دی، اس پر آپ ﷺ کا اپنی ان زوجہ مطہرہ سے رویہ اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا:

﴿وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ﴾ (التحریم : ٣)

''اور جب نبی ﷺ نے ایک بات اپنی ایک بیوی سے راز میں کی تھی پھر جب اس بیوی نے وہ راز کسی اور پر ظاہر کر دیا اور اللہ نے نبی ﷺ کو اس افشائے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

راز کی اطلاع کر دی تو نبی ﷺ نے اس پر کسی حد تک اپنی اس بیوی کو خبردار کیا اور کسی حد تک اس سے درگزر کیا۔''

﴿فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ ۝۳﴾

(التحریم : ۳)

''پھر نبی ﷺ نے جب اس کو یہ بات بتائی تو اس نے پوچھا آپ کو اس کی کس نے خبر دی؟ تو انہوں نے کہا: مجھے اس نے خبر دی ہے جو سب کچھ جانتا ہے اور خوب باخبر ہے۔''

آیئے اب اصل معاملے پر غور کریں، بات یقیناً سنجیدہ تھی کہ راز افشا ہوا مگر اس کے باوجود آپ ﷺ کا ان کے ساتھ رویہ کیسا رہا، قرآن پاک نے آپ ﷺ کے خلقِ کریم کا ذکر یوں فرمایا:

﴿عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ﴾ (التحریم : ۳)

''کسی حد تک اس کا اظہار کیا اور کسی حد تک اس سے صرف نظر کیا۔''

یعنی جتنا ذکر کرنا ضروری تھا کہ اس کے بغیر بات مکمل نہیں ہوسکتی تھی اتنا تو ذکر کیا مگر بات کو کریدنا اور طول دینا پسند نہ فرمایا۔

اور ہمارے گھروں میں کیا ہوتا ہے، عموماً مرد حضرات کی طرف سے بات کا بتنگڑ بنایا جاتا ہے چونکہ اس کے پاس طاقت ہوتی ہے، اختیارات ہوتے ہیں، چنانچہ وہ کسی معمولی سی بات پر اپنے اختیارات کا استعمال یوں کرتا ہوا نظر آتا ہے کہ میں اس بات کی تہہ تک جا کے چھوڑوں گا اور کبھی اپنی طاقت اور اپنے غصے کا اظہار مار پیٹ کے ذریعے کرتا ہے گویا کہ وہ میدانِ جنگ ہو اور کوئی دشمن ہتھے چڑھ گیا ہو۔ اور غصے کے اظہار کے بعض تو بڑے عجیب و غریب واقعات سننے میں آتے ہیں کہ خاوند نے بیوی سے کسی معمولی بات پر اختلاف کی بنا پر الماری سے اس کے سارے دھلے ہوئے کپڑے نکال کر باتھ روم میں پھینک دیئے، سزا کا یہ انوکھا انداز اس سے پہلے شاید آپ نے کبھی نہ سنا ہو۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لوگوں کی لغزشوں سے درگزر اور صرف نظر کرنا خوشگوار معاشرے کا بنیادی اصول

﴿ خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴾ (الاعراف : ۱۹۹)

گذشتہ جمعے صفتِ تغافل کی بات ہو رہی تھی کہ تغافل ایک ایسی صفت اور خوبی ہے جو حسن اخلاق کا نچوڑ اور خلاصہ ہے اور تقریباً تمام ہی معاشرتی مسائل ومشکلات کا حل اور عقدہ کشا ہے، سکون واطمینان اور راحتِ جاں کا باعث اور الجھنوں اور پریشانیوں سے خلاصی اور نجات کا نسخۂ کیمیا ہے اور اس کے دیگر بہت سارے فوائد ومنافع بھی ہیں، چنانچہ اس کا حکم دیا گیا ہے کہ:

﴿ خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴾ (الاعراف : ۱۹۹)

''اے نبی درگزر کا شیوہ اختیار کرو، معروف کی تلقین کرو اور جاہلوں سے نہ الجھو، ان سے اعراض کرو۔''

اس آیت کریمہ میں آپ ﷺ کو تبلیغِ دین کے اصول وضوابط اور حکمتیں اور آدابِ زندگی کے اہم نکات بتائے جا رہے ہیں۔

گویا کہ دین کا معاملہ ہو یا دنیا کا، لوگوں کے ساتھ تعامل کے وقت ان اصولوں کو مدنظر رکھنا تعلقات میں بدمزگی پیدا ہونے اور اختلاف رائے کو ذاتی اختلاف میں تبدیل ہونے اور ان کے طول پکڑنے سے بچاتا ہے۔

خذ العفو: ''درگزر کا شیوہ اختیار کرو۔'' یہ اصل اور یہ قاعدہ اور ضابطہ اک بہت بڑی اور مسلمہ حقیقت کو نہایت ہی اخوش اسلوبی سے ڈیل کرتا ہے اور وہ حقیقت یہ ہے کہ ہر انسان

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خطارکار ہے، اس حقیقت کی موجودگی میں آدمی کسی سے اختلاف کرتے وقت، کسی پر تنقید کرتے وقت، کسی پر طنز اور تضحیک کرتے وقت اگر اس بات کو سامنے رکھے کہ چونکہ ہر انسان خطا کار ہے لہٰذا اگر وہ کسی کی کمزوریوں پر اس طرح کا ردعمل دے گا تو خود اسے بھی لامحالہ اسی عمل سے گزرنا پڑے گا تو کیوں نہ ایسا انداز اختیار کیا جائے جو عفو و درگزر پر مبنی ہو، جس میں تسامح ہو، نرمی اور سہولت کا معاملہ ہو، جو سب کے لیے یکساں طور پر آسانی پیدا کرنے والا ہو، تو آدمی کے پاس اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں رہتا کہ وہ عفو و درگزر کا رویہ اختیار کرے۔

حقیقت یہ ہے کہ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس میں کبھی تلخی نہ ہو، اشتعال نہ ہو، ناگوار باتیں نہ ہوں، سخت کلامی نہ ہو، ظلم و زیادتی نہ ہو، سخت گیری نہ ہو، تلخ گفتاری نہ ہو، غیظ و غضب نہ ہو، کمی اور کوتاہی نہ ہو، لغزش اور خطا نہ ہو، بھول چوک نہ ہو، جہالت نہ ہو، طعن و تشنیع نہ ہو، حجت بازی نہ ہو، اختلاف اور جھگڑا نہ ہو، جاہلانہ اعتراضات اور الزامات نہ ہوں اور شیطانی اکساہٹ نہ ہو۔

اور ایسے موقعوں پر اشتعال میں آنا، انتقام کے لیے انگیختہ ہونا، اینٹ کا جواب پتھر سے دینا، سبق سکھانے کا ارادہ کرنا، اپنی طاقت دکھانا اور ایک بظاہر بڑی ہی معقول اور معتدل دلیل کے طور پر اپنے حق کے لیے ڈٹ جانا اور مقابلے کے لیے تیار ہو جانا معاملے کو الجھا تو سکتا ہے سلجھا نہیں سکتا، کہ الصادق المصدوق ﷺ نے اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا ہے:

((اِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُونُ فِي شَيْءٍ اِلَّا زَانَهٗ وَلَا يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا شَانَهٗ)) (مسلم: ٢٥٩٤)

”رِفق و ملاطفت جس چیز میں ہو اسے خوبصورت بنا دیتی ہے اور جس سے چھن جائے اسے بدنما بنا دیتی ہے۔“

چنانچہ اسلام نے رفق و ملائمت اور عمدہ خوئی کی اس حد تک پرزور تاکید کی حتیٰ کہ اپنے حق سے دستبردار ہونے کو ترجیح دینے کی ترغیب دی، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

((أَنَا زَعِيمٌ بِبَيْتٍ فِي رَبَضِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَإِنْ كَانَ مُحِقًّا)) (ابو داود: ٤٨٠٠)

”میں ایسے شخص کے لیے جنت کے اطراف میں گھر کا ضامن ہوں جس نے جھگڑے کو ترک کیا اگرچہ وہ حق پر ہی کیوں نہ ہو۔“

المراء: ہاتھا پائی اور مار پیٹ والے جھگڑے کو نہیں کہتے بلکہ اس سے مراد ایسا بحث و مباحثہ ہے جس سے کسی نتیجے پر نہ پہنچا جا سکے اور اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ آدمی نے پہلے سے اپنا ذہن بنا رکھا ہوتا ہے کہ وہ بہرصورت اپنے موقف پر ڈٹا رہے گا اور وہ چاہتا ہے کہ دوسرا فریق بہرصورت اس کے موقف کی تائید کرے، اسے سمجھ آئے یا نہ آئے، فائدہ ہو یا نہ ہو، بس وہ اس کے موقف کو مان لے اور وہ دوسرے فریق کی بات اگر سنتا ہے تو وہ بھی صرف جواب دینے کے لیے، سمجھنے کے لیے نہیں۔ تو جو شخص حق پر ہونے کے باوجود اس طرح کی بحث و تکرار اور اس طرح کے جھگڑے کو ترک کر دیتا ہے تو آپ ﷺ نے ایسے شخص کے لیے جنت کے اطراف میں گھر کی ضمانت دی ہے۔

اور اطراف سے مراد لوکیشن کی ایک قسم ہے، جیسے آپ کسی محلے کسی کالونی، یا کسی مارکیٹ میں کوئی پلاٹ خریدتے ہیں تو لوکیشن کے حساب سے قیمت ادا کرتے ہیں، مارکیٹ کے دل میں جو پلاٹ ہوگا مہنگا ہوگا پھر اس کے بعد کارنر پلاٹ کی ایک ویلیو ہوتی ہے اور پھر اس کے بعد مارکیٹ کے اطراف میں، اس کے اردگرد کے پلاٹ ہوتے ہیں، ہوتے وہ بھی مارکیٹ کا حصہ ہی ہیں مگر چونکہ ذرا سائیڈ پر ہوتے ہیں اس لیے نسبتاً سستے ہوتے ہیں۔

اسی طرح جو شخص حق پر ہونے کے باوجود بحث و مباحثے اور تکرار سے اجتناب کرے گا، اسے جنت کے اطراف میں گھر کی ضمانت دی گئی ہے، پھر اس کے بعد اس سے بہتر لوکیشن کا حقدار بھی ہے اور ظاہر ہے اسی حساب سے اس کی قیمت بھی ہوگی، یعنی اتنا ہی مشکل کام ہوگا اور وہ ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((وَبِبَيْتٍ فِي وَسَطِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْكَذِبَ وَإِنْ كَانَ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

مَازِحًا .)) (ابو داود : ٤٨٠٠)

''اور جنت کے درمیان میں اس شخص کے لیے گھر کی ضمانت دیتا ہوں جو ہنسی مزاح میں بھی جھوٹ بولنا چھوڑ دے۔''

اور جھوٹ سے بچنا کتنا مشکل ہے بالخصوص ہنسی مزاح میں آپ جانتے ہی ہیں۔

پھر جنت میں ایک اس سے بھی بہتر لوکیشن ہے اور اس کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا:

((وَبِبَيْتٍ فِيْ أَعْلَى الْجَنَّةِ لِمَنْ حَسُنَ خُلُقُهُ)) (ابو داود : ٤٨٠٠)

''اور جنت کے اعلیٰ اور بالائی حصے میں گھر کی اس کو ضمانت دیتا ہوں، جو حسنِ اخلاق کا مالک ہو۔''

تو معنی یہ ہوا کہ حسن اخلاق انسان کی سب سے بڑی خوبی اور صفت ہے اور تغافل کہ جس کی ہم بات کر رہے ہیں، جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا کہ وہ حسن اخلاق کا نچوڑ اور خلاصہ ہے۔

تبلیغ دین اور آداب زندگی کے جن تین اہم نکات کا آغاز میں ذکر کی گئی آیت کریمہ میں بیان ہوا ہے اس کا مختصر اور سرسری سا ذکر کر رہے ہیں ورنہ تفصیلاً گفتگو کرنے کے لیے یقیناً طویل وقت درکار ہوگا۔

تو مذکورہ آیت کریمہ میں بیان کیے گئے نکات میں سے دوسرا نکتہ ہے:

وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ: لوگوں کو معروف کی تلقین کریں۔ معروف کا معنی نیکی بھی ہے کہ لوگوں کو نیکیوں اور اچھی باتوں کی تلقین کیا کریں اور اس کا معنی سیدھی سیدھی بات بھی ہے کہ لوگوں کو سیدھی سیدھی آسانی سے سمجھ میں آنے والی بات کیا کریں، ان سے فلسفیانہ اور منطقیانہ انداز میں بات نہ کریں اور جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ:

"حَدِّثُوْا النَّاسَ بِمَا يَعْرِفُوْنَ."

''لوگوں سے وہ بات کرو جو وہ جانتے ہوں۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جس کی انہیں معرفت حاصل ہو، مطلب یہ کہ جو وہ سمجھ سکتے ہوں، کیونکہ عوام الناس کے پاس بات سمجھنے کے لیے علمی قابلیت نہیں ہوتی اور انہیں فہم و ادراک کی ایسی صلاحیت حاصل نہیں ہوتی کہ ہر بات کو سمجھ سکیں بالخصوص متشابہ باتوں کو، نتیجتاً وہ سرے سے ماننے سے ہی انکار کر دیں گے، جیسا کہ اس کے بعد فرمایا:

((أَتُحِبُّوْنَ اَنْ یُکَذَّبَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ))

''کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ اور اللہ کے رسول کو جھٹلا دیا جائے۔''

حالانکہ وہ آدمی اللہ اور اللہ کے رسول کو تو نہیں جھٹلا رہا ہوتا، وہ تو اس داعی اور مبلغ کی بات کو جھٹلا رہا ہوتا ہے مگر نتیجتاً ویسے ہی ہوتا ہے۔

اور ایسے ہی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول بھی ہے جس کے آخر میں وہ فرماتے ہیں کہ جو بات ان کی سمجھ سے بالاتر ہوگی وہ ان کے لیے فتنے اور آزمائش کا باعث ہوسکتی ہے، لہٰذا ان سے معروف اور سیدھی سیدھی بات کریں۔

معاشرتی خوشگوار زندگی کا تیسرا ضابطہ اور قاعدہ ہے:

﴿وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ ﴿١٩٩﴾﴾ (الاعراف : ۱۹۹)

''اور جاہلوں سے اعراض کرو، ان سے مت الجھو۔''

پرسکون ماحول کے ساتھ زندگی گزارنے کا یہ ایک نہایت ہی اہم قاعدہ ہے، چنانچہ اس کی تھوڑی سی تفصیل جانتے ہیں۔

سب سے پہلے یہ جان لینا چاہیے کہ یہاں جاہل سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو، اگرچہ کبھی جہالت سے مراد کم علمی اور لاعلمی بھی ہوتی ہے اور لاعلمی اگرچہ آدمی کی شخصیت میں ایک نقص اور کمی ضرور ہے اور کسی حد تک اس کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو متأثر بھی کرتی ہے مگر وہ کوئی عیب اور برائی نہیں ہوتی اور آدمی کی شخصیت کو اخلاقی لحاظ سے مجروح نہیں کرتی کیونکہ ہر آدمی کسی نہ کسی سطح پر لاعلم ضرور ہوتا ہے، جیسا کہ امام الشافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

كُلَّمَا أَدَّبَنِي الدَّهْرُ أَرَانِي نَقْصَ عَقْلِي

وَإِذَا مَا ازْدَدْتُ عِلْمًا زَادَنِي عِلْمًا بِجَهْلِي

''اور جب جب مرورِ زمانہ نے مجھے ادب سکھایا تو مجھے میری کم عقلی ہی دکھائی اور جیسے جیسے میرے علم میں اضافہ ہوا تیسے تیسے مجھے اپنی جہالت کا علم ہوا۔''

یعنی نہ ہی کوئی انسان عقلِ کل ہوسکتا ہے اور نہ علم کل، لہٰذا محض کم علمی کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ جس پر کسی کو لوگوں کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے البتہ علم ضرور ایک ایسی چیز ہے کہ جس پر لوگوں کے نزدیک صاحب علم کی عزت میں اضافہ ہوتا ہے اور یہ تو دنیا کے علم کی بات ہو رہی ہے جہاں تک شرعی علم کا تعلق ہے تو اللہ کے ہاں جو اس کا مقام ہے دنیا میں کوئی علم اس کے پاسنگ کے برابر بھی نہیں ہے۔

تو اس شعر میں لاعلمی کو جہالت کہا گیا ہے اور جہالت کی چند اقسام ہیں، جہالت کی سب سے ہلکی قسم جہل بسیط ہے یعنی معمولی جہالت اور وہ ہے کسی چیز کے بارے میں لاعلم ہونا اور یہ ایک ایسی چیز ہے کہ عوام الناس میں سے کوئی بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے، انبیاء و رسل علیہم السلام کے علاوہ ہر شخص کسی نہ کسی سطح پر جہل بسیط کے زمرے میں ضرور آتا ہے۔

تاہم جہلِ بسیط کی اس تعریف کی روشنی میں کسی عالم کو جاہل ہرگز نہیں کہا جائے گا، عالم اور جاہل کا فرق اپنی جگہ بدستور قائم رہے گا جس کے متعدد دلائل ہیں۔

جہالت کی دوسری قسم جو کہ خطرناک ہے، وہ ہے جہل مرکب اور جہلِ مرکب یہ ہے کہ کسی چیز کا اس کی حقیقت کے برعکس علم ہونا۔

اسے ایک آسان مثال کے ذریعے یوں سمجھئے کہ جو شخص یہ نہیں جانتا کہ زیادہ نمک کھانے سے بلڈ پریشر ہائی ہوتا ہے وہ جاہل بسیط ہے۔ لیکن جو شخص یہ سمجھتا ہو کہ جتنا زیادہ نمک کھایا جائے اتنا ہی زیادہ بلڈ پریشر لو ہوتا ہے تو یہ جہلِ مرکب ہے اور ایسا شخص جاہل مرکب ہے اور اس کا یہ علم، اس کی یہ سمجھ اور اس کا یہ عقیدہ یقیناً خطرناک ہے جو خود اسے اور دوسروں کو نقصان پہنچا سکتا ہے اور جان لیوا ثابت ہوسکتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور اگر ایسا شخص اپنے اس علم کے مطابق عمل بھی کرتا ہو تو پھر یقیناً اس کا جاہل مرکب ہونا اور زیادہ خطرناک ہو جاتا ہے۔

تو یہ جہالت لاعلمی کے معنوں میں ہے اس کی ابھی تفصیل باقی ہے مگر چونکہ یہ ہمارا آج کا اصل موضوع نہیں ہے لہٰذا اسی پر اکتفا کرتے ہوئے جہالت کے ان معنوں پر بات کرتے ہیں جو مذکورہ آیت کریمہ میں مراد ہیں جو کہ آدمی کی چند بری صفات کا مرکب ہے جسے علماء و حکماء اور دانشوروں نے اپنے اپنے حکیمانہ کلام میں ذکر کیا ہے:

آدمی کا بہت زیادہ اور فضول گفتگو کرنا، غیر منصفانہ فیصلہ کرنا، اپنے حسب نسب پر فخر کرنا، کسی کا لحاظ نہ کرنا اور منہ پھٹ ہونا، کسی کا مذاق اڑانا اور استہزاء کرنا، بدتمیزی اور بدکلامی کرنا، الزام تراشی کرنا اور بغیر تحقیق کے بہت جلدی حکم لگانا اور اس طرح کی اور بہت سی صفات ہیں کہ جن پر جہالت اور حماقت کا لفظ صادق آتا ہے اور ان میں سے بعض صفات کو تو قرآن وحدیث میں بھی صراحتاً جہالت کہا گیا ہے، جیسا کہ حسب ونسب پر فخر کرنا اور استہزاء کرنا، جیسا کہ گائے ذبح کرنے کے حکم کے بارے میں جب موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

﴿ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً ﴾ (البقرہ : ٦٧)

”اللہ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔“

﴿ قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ﴾ (البقرہ : ٦٧)

”کہنے لگے کیا تم ہم سے مذاق کرتے ہو؟“

﴿ قَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴾ (البقرہ : ٦٧)

”تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا: میں اس سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ جاہلوں میں سے ہوجاؤں، جاہلوں کی سی باتیں کروں، تو معنی یہ ہوا کہ کسی کا مذاق اڑانا جاہلوں کی صفات میں سے ہے۔“

تو جب اللہ تعالیٰ نے صاف ستھری، پرسکون، نرمی، سہولت اور عفو و درگزر والی زندگی گزارنے کے اصولوں میں ایک قاعدہ اور ضابطہ جاہلوں سے نہ الجھنا بتایا ہے تو اس میں یقیناً

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

حکمتیں ضرور ہوں گی جن میں سے ایک حکمت یہ سمجھ میں آتی ہے کہ جاہل سے الجھیں گے تو یقیناً ایسی ہی باتوں کا سامنا کرنا پڑے گا اور نتیجتاً امکانات ہوں گے کہ آپ بھی اس کے لیول پر آ کر بات کرنے لگ جائیں اور پھر بات بگڑ جائے، لہٰذا احتیاط اسی میں ہے کہ اس سے مت الجھیں اور چونکہ جاہل کی صفات میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اپنی حیثیت اور اپنی قدر نہیں جانتا جیسا کہ امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اَلْجَاهِلُ لَا يَعْلَمُ رُتْبَةَ نَفْسِهِ، فَكَيْفَ يَعْرِفُ رُتْبَةَ غَيْرِهِ"

(سیر اعلام النبلاء، ج ۱۱، ص ۳۲۱)

''جاہل اپنی حیثیت کو نہیں پہچانتا وہ کسی دوسرے کے مقام و مرتبے کو کیا جانے گا۔''

لہٰذا باعزت اور شریفانہ زندگی اگر گزارنا چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ جاہلوں کے منہ نہ لگیں اور جاہلوں سے کنارہ کشی اختیار کرنے میں بھی ایک احتیاط ہے اور وہ یہ کہ بھلے اور احسن طریقے سے ان سے جان چھڑائیں اور الگ ہوں، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا ۝﴾ (المزمل: ۱۰)

''اور ان سے بھلے طریقے سے الگ ہو جاؤ۔''

یعنی لڑ جھگڑ کر نہیں بلکہ اچھے انداز سے، صلح صفائی کے ساتھ، کیونکہ یہ بھی ان سے برداشت نہیں ہوگا، آپ کا انہیں نظر انداز کرنا بھی ان پر گراں گزرے گا، وہ اسے اپنی توہین سمجھ کر آپ سے انتقام لینے اور آپ کو نقصان پہنچانے کے درپے ہو جائیں گے اور نہیں تو جگہ جگہ پر آپ کو بدنام کرنے کی کوشش کریں گے۔

اسی لیے قرآن پاک میں ان سے اجتناب کرنے کا طریقہ بھی بتا دیا ہے کہ:

﴿وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۝﴾ (الفرقان: ٦٣)

''اور جب جاہل ان کے منہ آئیں تو یہ کہہ دیتے ہیں، تم کو سلام۔''

تو تجاہل کے فوائد اور اس کی حکمتیں اور اس کے طریقۂ کار کے ضمن میں آیت کریمہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿١٩٩﴾﴾ (الاعــراف : ١٩٩) کی مختصر سی تشریح ہم نے جانی اور حقیقت یہ ہے کہ اگر لوگوں کے ساتھ تعامل، میل جول، لین دین، رہن سہن، معاملات اور رشتہ داریاں کرتے ہوئے ان اصولوں کو نظرانداز کر دیا جائے اور پس پشت ڈال دیا جائے تو پھر تاریخ گواہ ہے کہ نہایت ہی معمولی معمولی باتوں پر ایسی ایسی خونریزی ہوتی ہے کہ الامان والحفیظ، خاندان کے خاندان تباہ ہو جاتے ہیں۔

ویسے تو ہم لوگ اس سے آگاہ ہی ہیں بالخصوص پاکستان کے حوالے سے لیکن اگر تاریخ پر نظر ڈالیں تو انسان دنگ رہ جاتا ہے یہ جان کر کہ صفتِ تجاہل کو نظرانداز کرنے کے کیسے کیسے بھیانک نتائج بھگتنے پڑتے ہیں۔

دور جاہلیت کی دو جنگیں، حرب داحس والغبراء اور حرب البسوس ایک ہی قبیلے کی دو شاخوں کے درمیان ہوئیں اور مسلسل چالیس چالیس سال تک، یعنی ٹوٹل اسی سال تک جاری رہیں اور اس کا سبب جانوروں پر اختلاف بنا، ایک واقعے میں ایک جانور کا قتل اور دوسرے واقعے میں ایک جانور کو ریس سے پیچھے دھکیل دینا تھا، اندازہ کریں کتنی معمولی بات تھی جسے آسانی سے نظرانداز کیا جا سکتا تھا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عدل وانصاف کے بغیر امن ممکن نہیں

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا﴾ (المائدہ : ۸)

''اور کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔''

اس حقیقت سے یقیناً کسی کو انکار نہیں ہوسکتا کہ مل جل کر اور گھل مل کر رہنا انسان کی ضرورت بھی ہے اور مجبوری بھی، چنانچہ مل جل کر رہنے یعنی معاشرتی زندگی گزارنے کے کچھ اصول و آداب، قواعد وضوابط اور قوانین و دساتیر طے کیے گئے ہیں جن کی بنیاد انسان کی بنیادی اور فطری ضرورتیں ہیں، وضعی قوانین کی بنیاد بھی یہی چیز ہے اور شرعی قوانین کی بنیاد بھی یہی چیز ہے مگر انسان کی فطرت اور اس کی بنیادی ضرورتوں کا صحیح صحیح علم خالقِ فطرت کے سوا بھلا کس کو ہوسکتا ہے! چنانچہ انسان کی بنیادی اور فطری ضرورتوں کے حوالے سے اس کی معاشرتی زندگی کے لیے جو اصول وقوانین خالق فطرت نے وضع کیے ہیں وہ سچ اور حق ہیں اور وہی کامل واکمل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں انسان کی معاشرتی زندگی کے جو اصول وقوانین مقرر فرمائے ہیں انہیں انسان کی پانچ بنیادی ضرورتوں میں سمو دیا گیا ہے اور تمام شریعتیں اس پر متفق ہیں ان بنیادی ضرورتوں کا پہلے بھی کئی ایک خطبات جمعہ میں ذکر ہوا ہے جو کچھ یوں ہیں:

دین، نفس یعنی جان، عقل، عزت اور مال کی حفاظت اور سلامتی، انسان کی ان ضروریات کی حفاظت کے لیے معاشرے میں امن وامان کا ہونا لازمی، ضروری اور ناگزیر ہے کہ اس کے بغیر ان کی حفاظت ممکن نہیں ہوسکتی، جہاں بے امنی ہو وہاں ان کی بنیادی ضرورتوں کی تکمیل، حفاظت اور حصول ممکن نہیں ہو سکتے، رہا یہ کہ امن کیسے قائم ہوتا ہے؟ تو یہ ایک بہت ہی اہم معاشرتی مسئلہ ہے، آیئے جاننے کی کوشش کرتے ہیں:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ ایک بہت بڑی مسلّمہ حقیقت ہے کہ عدل وانصاف امن کی چابی ہے، عدل کے بغیر امن ممکن نہیں ہوسکتا، عدل ظلم کی ضد ہے، اگر عدل نہ ہو تو ظلم و ناانصافی ہوتا ہے، یہ دونوں ایک جگہ ہرگز اکٹھے نہیں ہو سکتے، جس طرح آگ اور پانی ایک جگہ نہیں ہوسکتے، دن اور رات ایک وقت میں نہیں ہوسکتے، اسی طرح ظلم اور عدل ایک جگہ نہیں ہوسکتے۔

عدل کے بارے میں بات کرتے ہوئے ہمیں سب سے پہلے یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ عدل انسان کی ضرورت ہے، انسان کی پانچ بنیادی ضرورتیں کہ جنہیں ''الضروریات الخمس'' کے نام سے جانا جاتا ہے ان کا تحفظ عدل کے بغیر ممکن نہیں ہوسکتا، اس کی تفصیل ہم ذرا بعد میں جانیں گے ان شاء اللہ۔

عدل کی حقیقت کو تفصیل سے سمجھنے کے لیے تو بہت سے پہلوؤں کو تفصیل سے جاننے کی ضرورت ہوگی، جس کے لیے یقیناً زیادہ وقت درکار ہوگا، لہٰذا ہم اس کے چند پہلوؤں سے مختصر سی گفتگو کریں گے، ان شاء اللہ۔

عدل کا معنی انصاف ہے، آپ جانتے ہیں اور اس کے مترادف کے طور پر مساوات کا لفظ بھی استعمال کیا جاتا ہے جبکہ مساوات اور عدل میں فرق یہ ہے کہ مساوات کا معنی ہے کسی چیز کو برابر برابر تقسیم کرنا اور عدل کا معنی ہے کہ جس کا جتنا حق بنتا ہے اتنا اسے دینا۔

عدل کے قیام کی قرآن وحدیث میں بہت زیادہ شدید تاکید کی گئی ہے، جیسا کہ فرمایا:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (الحدید: ۲۵)

''ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا ہے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔''

اس آیت کریمہ میں انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد اور ان کے مشن کا لب لباب بیان کیا گیا ہے کہ انہیں روشن دلائل، واضح ہدایات اور کتاب اور میزان دے کر بھیجا گیا ہے، تاکہ وہ حق و باطل کو سمجھیں، اپنے عقائد، اخلاق، عبادات اور معاملات میں راہ راست پہچانیں اور

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

اختیار کریں، اس کی رہنمائی کے لیے کتاب کی طرف رجوع کریں اور میزان دیا تاکہ لوگ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں عدل اور انصاف پر قائم ہوں۔

ایک جگہ فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ﴾ (النساء: ٥٨)

''اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔''

تو اس طرح کی دیگر متعدد آیات ہیں۔

ایسے ہی احادیث میں بھی عدل کی ضرورت و اہمیت، شرف وفضیلت اور ترغیب و تاکید بیان کی گئی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّمَا الْإِمَامُ جُنَّةٌ يُقَاتَلُ مِنْ وَرَائِهِ وَيُتَّقَى بِهِ فَإِنْ أَمَرَ بِتَقْوَى اللَّهِ وَعَدَلَ فَإِنَّ لَهُ بِذَلِكَ أَجْرًا وَإِنْ قَالَ بِغَيْرِهِ فَإِنَّ عَلَيْهِ مِنْهُ))

(بخاري: ٢٩٥٧)

''حاکم وقت یقیناً ایک ڈھال ہے اس ڈھال میں رہ کر لڑا جاتا ہے اور اس کے ذریعے اپنا بچاؤ کیا جاتا ہے، پس اگر وہ اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کا حکم کرتا ہے اور عدل کرتا ہے تو اس کا اسے اجر ملتا ہے اور اگر اس کے علاوہ کسی اور بات کا حکم کرتا ہے تو اس کا گناہ اس کو ملتا ہے، یعنی اگر وہ لوگوں کو ظلم و زیادتی اور ناانصافی سے بچاتا ہے، ان کی حفاظت کرتا ہے تو اسے اجر ملتا اور اگر ناانصافی کرتا ہے تو اسے گناہ ملتا ہے۔''

اور حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ الْمُقْسِطِينَ عِنْدَ اللَّهِ عَلَى مَنَابِرَ مِنْ نُورٍ عَنْ يَمِينِ الرَّحْمَٰنِ عَزَّوَجَلَّ وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِينٌ، الَّذِينَ يَعْدِلُونَ فِي حُكْمِهِمْ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وَاَهْلِيْهِمْ وَمَا وَلُوا)) (مسلم: ۱۸۲۷)

”عدل اور انصاف کرنے والے اللہ کے ہاں اس کے دائیں جانب نور کے منبروں پر براجمان ہوں گے اور اللہ کے دونوں جانب دائیں ہی ہیں، وہ لوگ جو اپنے فیصلوں، اپنے اہل وعیال اور اپنے ماتحت افراد میں عدل و انصاف کرتے ہیں۔“

اسی طرح عدل و انصاف کی فضیلت میں ایک مشہور حدیث جس میں آپ ﷺ نے سات خوش نصیب لوگوں کا ذکر فرمایا کہ جنہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے عرش کا سایہ نصیب فرمائیں گے، ان میں سے ایک ہے: ”امام عادل“ عدل وانصاف کرنے والا حاکم۔

اور حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِعْـدِلُوا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ ، إِعْـدِلُوا بَيْنَ أَوْلَادِكُم ، إِعْدِلُوا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ ، قَالَهَا ثَلَاثًا .)) (صحيح ابو داود: ٣٥٤٤)

”فرمایا: اپنی اولاد میں انصاف کرو، اپنی اولاد میں انصاف کرو، اپنی اولاد میں انصاف کرو، تین بار فرمایا۔“

اور حدیث میں ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں،

((لَمَّا رَجَعَتْ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مُهَاجِرَةُ الْبَحْرِ))

”جب سمندر پار ہجرت والے آپ ﷺ کے پاس واپس آئے۔“

((قَالَ: أَلَا تُحَدِّثُوْنِي بِأَعَاجِيْبِ مَا رَأَيْتُمْ بِأَرْضِ الْحَبَشَةِ))

”تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: کیا تم ارضِ حبشہ کے عجیب وغریب واقعات مجھے نہیں بتاؤ گے۔“

((قَالَ فِتْيَةٌ مِنْهُمْ: بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ!))

”تو ان میں سے چند نوجوانوں نے کہا: ہاں کیوں نہیں، اللہ کے رسول ﷺ“

((بَيْـنَـا نَـحْـنُ جُـلُـوْسٌ مَرَّتْ بِنَا عَجُوْزٌ مِنْ عَجَائِزِ رَهَابِيْنِهِمْ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

تَحْمِلُ عَلَى رَأْسِهَا قُلَّةً مِنْ مَاءٍ، فَمَرَّتْ بِفَتًى مِنْهُمْ، فَجَعَلَ إِحْدَى يَدَيْهِ بَيْنَ كَتِفَيْهَا ثُمَّ دَفَعَهَا، فَخَرَّتْ عَلَى رُكْبَتَيْهَا، فَانْكَسَرَتْ؟))

''ایک روز ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ ہمارے پاس سے ایک بڑھیا راہبہ گزری، اس کے سر پر پانی کا مٹکا تھا، جونہی وہ ایک نوجوان کے پاس سے گزری تو اس نے اپنا ایک ہاتھ اس کے دونوں کندھوں کے درمیان رکھ کر اس کو دھکا دیا، بڑھیا اپنے گھٹنوں کے بل گری اور اس کا مٹکا ٹوٹ گیا۔''

((فَلَمَّا ارْتَفَعَتْ اِلتَفَتَتْ إِلَيْهِ فَقَالَتْ:))

''جب وہ اٹھی تو اس کی جانب متوجہ ہو کر کہا:''

((سَوْفَ تَعْلَمُ يَا غُدَرُ إِذَا وَضَعَ اللّٰهُ الْكُرْسِيَّ، وَجَمَعَ الْأَوَّلِيْنَ وَالآخِرِيْنَ وَتَكَلَّمَتِ الْأَيْدِيْ وَالْأَرْجُلُ، بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ، فَسَوْفَ تَعْلَمُ كَيْفَ أَمْرِيْ وَأَمْرُكَ عِنْدَهُ غَدًا))

''کہا اے دھوکے باز! تجھے عنقریب معلوم ہو جائے گا، جب اللہ تعالیٰ کرسی رکھے گا، اولین و آخرین کو جمع کرے گا، ہاتھ پاؤں بولیں گے جو جو وہ کرتوتیں کرتے رہے، تو اس وقت تو دیکھے گا کہ کل اس کے ہاں تیرا اور میرا کیا معاملہ ہوتا ہے۔''

((قَالَ: يَقُوْلُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: صَدَقَتْ، صَدَقَتْ))

''راوی کہتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اس نے سچ کہا، اس نے سچ کہا۔''

((كَيْفَ يُقَدِّسُ اللّٰهُ أُمَّةً لَا يُؤْخَذُ لِضَعِيْفِهِمْ مِنْ شَدِيْدِهِمْ))

''اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو کیسے پاک کرے گا جن کے کمزوروں کا حق ان کے طاقتوروں سے نہ لیا جائے۔''

ان آیات و احادیث کی روشنی میں امید ہے آپ کو عدل کی اہمیت اور ظلم کی سنگینی کا بخوبی اندازہ ہو گیا ہوگا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ویسے تو عدل کی اہمیت کو ہم میں سے ہر شخص سمجھتا ہی ہے اور اچھی طرح سمجھتا ہے مگر اس وقت جب خود اس کو عدل کی ضرورت پیش آئے، جہاں دوسروں کو عدل اور انصاف مہیا کرنے کا معاملہ ہو تو وہاں عدل وانصاف کی باتیں سمجھ میں نہیں آتیں، وہاں انسان ظلو ما جھو لا بن جاتا ہے، جو کہ اس کی فطرت میں پنہاں دوصفات ہیں کہ انسان ظالم بھی ہے اور جاہل بھی، چنانچہ اس کی وہ فطری صفات کھل کر سامنے آجاتی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ عدل کرنا آسان کام نہیں ہے، یہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے، صرف دنیا کی کامیابی کو کامیابی سمجھنے والا اور خودغرض انسان، انتقامی ذہن رکھنے والا، اپنے غیظ وغضب کی تسکین چاہنے والا، سطحی خیالات ونظریات رکھنے والا، چھوٹے دل والا، اپنی انا کو مقدم رکھنے والا، اپنی طاقت اور اپنے اختیارات پر بھروسہ کرنے والا انسان ہرگز انصاف نہیں کرسکتا۔

عدل وانصاف کے لیے اپنی ذات کی نفی کرنی پڑتی ہے۔

﴿وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ﴾ (النساء : ۱۳۵)

''اگرچہ تمہاری ذات کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔''

عمل کے لیے اپنے جذبات، اپنے احساسات اور اپنی خواہشات کو قربان کرنا پڑتا ہے۔خودغرضی کو پسِ پشت ڈالنا پڑتا ہے، اپنی طاقت اور اپنے اختیارات کو دبانا پڑتا ہے، قوت ایمانی کا سہارا لینا پڑتا ہے، عقیدۂ آخرت کی پختگی کا ساتھ لینا پڑتا ہے، بڑے دل اور وسعتِ ظرفی کا ثبوت دینا پڑتا ہے، عدل وانصاف کرنے والے کا اجر وانعام اور اللہ کے ہاں اتنا بڑا مقام یونہی نہیں مل جاتا کہ قیامت کے دن صرف سات قسم کے خوش نصیبوں میں اس کا بھی نام آجائے جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے عرش کا سایہ نصیب فرمائے گا اور اپنے دائیں جانب نور کے منبروں پر انہیں بٹھائے گا۔ اتنا بڑا مقام بغیر محنت کے اور بغیر قربانیوں کے نہیں ملتا۔

افسوس کہ آج دنیا میں انصاف نام کی کوئی چیز کہیں نظر نہیں آتی بالخصوص اسلامی ملکوں میں کہ جو سب سے بڑے عدل و انصاف کے علمبردار ہیں اور نہ صرف یہ کہ کہیں عدل و

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انصاف نہیں رہا بلکہ اس کے برعکس اس کا معیار بھی بدل دیا گیا ہے کہ اگر کسی شخص کو اس کے جرم کی سزا میں سو (۱۰۰) کوڑے مارے جانے چاہییں یا پتھر مار مار کر جان سے مار دینا چاہیے، اسے صادق وامین کا سرٹیفکیٹ دے کر مسندِ اقتدار پر بٹھا دیا جاتا ہے اور جس شخص کا جرم ثابت نہیں ہوتا اسے سزا دے دی جاتی ہے۔

تعجب ہے! انصاف کا ایسا حلیہ بگاڑ دیا گیا ہے کہ عدل سے ظلم بنا دیا گیا ہے، اس دور کا عدل تاریخ عدل انسانی کا ایک انوکھا عدل ہے کہ یہ تسلیم کر لینے کے باوجود کہ جرم ثابت نہیں ہوا سزا دے دی جاتی ہے یہ کہہ کر کہ ہمیں محسوس ہوا ہے کہ جرم ہوا ہے، یہ قانون کہاں سے لیا ہے، یہ اسلام کا نظام عدل تو نہیں ہے، اسلام کا نظام عدل یہ ہے جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّكُمْ تَخْتَصِمُونَ إِلَيَّ))

''تم اپنے جھگڑوں کے فیصلوں کے لیے میرے پاس آتے ہو۔''

((وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَلْحَنَ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ))

''اور ممکن ہے تم میں سے کوئی اپنا مدعا بیان کرنے میں، اپنی دلیل پیش کرنے میں دوسرے سے زیادہ خوش گفتار، قادر الکلام، فصیح و بلیغ اور چرب زبان ہو۔''

((فَأَقْضِي لَهُ عَلَى نَحْوِ مَا أَسْمَعُ مِنْهُ))

''تو میں اس کی گفتگو کے مطابق جو کچھ اس سے سنتا ہوں، اس کے دلائل کی روشنی میں اس کے حق میں فیصلہ کر دیتا ہوں۔''

((فَمَنْ قَطَعْتُ لَهُ مِنْ حَقِّ أَخِيهِ شَيْئًا فَلَا يَأْخُذْهُ، فَإِنَّمَا أَقْطَعُ لَهُ بِهِ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ)) (مسلم: ۱۷۱۳)

''پس میں فیصلہ کرتے ہوئے جس کو اس کے بھائی کے حق میں سے کچھ کاٹ کے دے دوں تو اس کو نہیں لینا چاہیے کیونکہ حقیقت میں اس کو جہنم کا ٹکڑا کاٹ کے دے رہا ہوں گا۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو جو اسلام نے ہمیں نظام عدل دیا ہے وہ تو یہ ہے کہ دلائل کی روشنی میں فیصلہ کیا جائے، اگر جرم ثابت ہوتا ہے تو سزا دی جائے اور اگر ثابت نہیں ہوتا تو بری کر دیا جائے۔ آپ ﷺ اگر اپنے محسوس کرنے کے مطابق فیصلہ فرماتے تو کسی کو جہنم کا ٹکڑا کاٹ کر کیسے دیتے، کیونکہ آپ کا محسوس کرنا تو غلط نہیں ہوسکتا تھا، جبکہ عدل کا ایک طریقہ وضع کر دیا گیا ہے کہ جو فیصلہ کرنا ہے دلائل کی روشنی میں کرنا ہے، اپنے احساسات کو بیچ میں نہیں لانا۔

اور دوسری بات اس حدیث میں یہ بیان فرمائی گئی کہ اپنے حق میں ظلم و ناانصافی پر مبنی فیصلہ لینے والوں کو خوش نہیں ہونا چاہیے، بلکہ اپنے انجام کے بارے میں فکر مند ہونا چاہیے کہ انہیں جہنم کا ٹکڑا کاٹ کے دیا جا رہا ہوتا ہے۔

اور یہ بات مضبوطی سے پلے باندھ لینی چاہیے کہ بالخصوص فتنوں کے دور کے لیے نہایت ہی مفید ہے اور وہ یہ کہ جو آدمی ظلم اور ناانصافی پر راضی ہو وہ بھی شریک ظلم اور شریک جرم ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِذَا عُمِلَتِ الْخَطِيْئَةُ فِي الْأَرْضِ كَانَ مَنْ شَهِدَهَا فَكَرِهَهَا كَانَ كَمَنْ غَابَ عَنْهَا))

”جب کہیں روئے زمین پر کسی گناہ کا ارتکاب ہو اور جو شخص وہاں موجود ہو اور گناہ کو ناپسند کرے وہ ایسا ہی ہے جیسے اس نے گناہ دیکھا ہی نہیں ہے۔“

یعنی سزا سے بچ گیا۔

((وَمَنْ غَابَ عَنْهَا فَرَضِيَهَا كَانَ كَمَنْ شَهِدَهَا))

”اور جو شخص وہاں موجود نہ تھا مگر وہ اس پر راضی ہوا تو وہ ایسا ہی ہے جیسے وہ خود وہاں موجود تھا۔“

یعنی وہ اس گناہ کو پسند کرنے کی وجہ سے شریک جرم بن گیا، چنانچہ اس گناہ کا وبال اس پر بھی ہوگا۔

اور آپ جانتے ہیں کہ حقیقت میں ایسا ہوتا ہے کہ کبھی آدمی اور گناہ کے درمیان ہزاروں

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

میل کا فاصلہ ہوتا ہے مگر وہ اس کو پسند کر رہا ہوتا ہے، میں نے خود اس کا مشاہدہ کیا ہے، ایک شخص سے کسی موضوع پر بات ہو رہی تھی تو میں نے کہا کہ آپ کو بھی معلوم ہے کہ یہ زیادتی اور ناانصافی ہے، کہنے لگا: ہاں مگر اس بار ہونے دو۔

ظلم و ناانصافی کی سنگینی کو سمجھیں، یہ فتنوں کا دور ہے اور فتنوں سے بچنا آسان کام نہیں ہے کیونکہ فتنوں کو سمجھنا آسان نہیں ہے، عوام تو عوام، اکثر خواص بھی اس کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں اور سب سے پہلا، سب سے بڑا اور سب سے اہم مسئلہ اپنے آپ کو بچانا ہے، کسی سے اتنا جذباتی تعلق قائم کر لینا کہ اس کے لیے ظلم و ناانصافی کو بھی جائز قرار دے لینا نہایت خوفناک انجام کی نوید سناتا ہے۔

قرآن و حدیث کے دلائل کے علاوہ اگر آپ عقل و دانش کی روشنی میں بھی اس بات کو پرکھنا چاہیں تو آپ پر اس کی قباحت واضح ہو جائے گی کہ عدل کا جو معیار حالیہ دنوں میں دیکھنے میں آیا ہے کیا آپ اپنے لیے بھی یہی معیار پسند کرتے ہیں کہ آپ کا جرم ثابت نہ ہو مگر قاضی صاحب کے صرف محسوس کرنے پر آپ کو سزا دے دی جائے۔

اس موضوع پر تو ابھی بہت کچھ کہنے کو باقی ہے مگر چونکہ مقصود بحث و تکرار اور حجت بازی نہیں بلکہ خیر خواہی ہے اور وہ اس گفتگو میں کی جا چکی ہے۔

اور میں سمجھتا ہوں کہ شاید اس دور میں اس قسم کی باتیں آپ کو کہیں اور سننے کو نہ ملیں کیونکہ جہاں عوام حتی کہ ان میں سے دین دار طبقہ بھی موجودہ مسائل میں کنفیوزڈ ہے وہاں خود بہت سارے داعیان دین بھی حیرت زدہ ہیں۔

لیکن اگر آپ اپنے ایمان کو بچانے کی فکر کریں گے تو اللہ تعالیٰ ضرور رہنمائی فرمائے گا کہ یہ اللہ کا وعدہ ہے۔

﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ (العنکبوت: ٦٩)

”اور جو لوگ ہماری راہ میں سعی و جہد کرتے ہیں، ہم انہیں ضرور اپنی راہ دکھائیں گے۔“

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ہمارے مسائل کی وجہ دین سے دوری، شخصیات پر اعتماد، مادی وسائل پر توکل اور دنیوی ترقی کو کامیابی سمجھ لینا ہے۔

اور اس کا حل دین کو اپنانے، اپنی ذات، اپنے اہل وعیال اور پورے معاشرے میں نافذ العمل کرنے میں ہے۔

﴿وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ (الاعراف: ٩٦)

''اور اگر بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔''

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دعوت واصلاح کی ضرورت واہمیت

﴿اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ۸۸﴾ (ھود: ۸۸)

اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں اور ان گنت احسانات میں سے سب سے بڑا انعام اور احسان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں نعمت اسلام سے نوازا ہے اور پھر اس عظیم احسان کے بعد اس نے ہمیں بے یارومددگار نہیں چھوڑا، ہماری لگامیں ہماری پشت پر ڈال کر ہمیں بھٹکنے، بے راہ روی اختیار کرنے اور آوارگی کرنے کے لیے نہیں چھوڑ دیا بلکہ ہماری فطری خامیوں، کوتاہیوں اور کمزوریوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ہماری اصلاح کا کام بھی انبیاء ورسل علیہم السلام کو سونپ دیا، ان برگزیدہ ہستیوں نے اپنی اپنی امتوں کی اصلاح اور ہمدردی وخیر خواہی کا حق ادا کرتے ہوئے ہر ہر اس بات سے انہیں آگاہ کیا جو ان کی خیر، بھلائی اور اصلاح کے لیے ضروری تھی اور ہر ہر اس بات سے خبردار کیا جو ان کی دنیا اور آخرت کے لیے نقصان دہ اور تباہ کن تھی، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّهٗ لَمْ يَكُنْ نَبِيٌّ قَبْلِي اِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَيْهِ اَنْ يَّدُلَّ اُمَّتَهٗ عَلٰى خَيْرِ مَا يَعْلَمُهٗ لَهُمْ وَيُنْذِرَهُمْ شَرَّ مَا يَعْلَمُهٗ لَهُمْ)) (مسلم: ۱۸٤٤)

”مجھ سے پہلے جتنے بھی نبی گزرے ہیں ان سب پر لازم تھا کہ وہ اپنی اپنی امت کو ہر اس بات سے آگاہ کریں جو ان کے لیے خیر اور بھلائی کی بات جانتے ہوں اور ہر اس بات سے خبردار کریں جو ان کے شر اور نقصان کی بات جانتے ہوں۔“

اور پھر سب سے آخر میں سید الرسل وخاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث فرمایا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام امتوں کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے، جیسا کہ حدیث میں ہے،

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

آپ ﷺ نے فرمایا:

((وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً)) (بخاري : ٤٣٨)

''ہر نبی خاص اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور میں تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں۔''

اور آپ ﷺ کا اپنی امت کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی کا جو معاملہ ہے وہ اک مثالی معاملہ ہے، اندازہ کیجیے اللہ فرماتے ہیں:

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢٨﴾﴾ (التوبة : ١٢٨)

''تم لوگوں کے پاس ایک رسول آیا ہے جو خود تم ہی میں سے ہے، تمہارا نقصان میں پڑنا اس پر شاق ہے، تمہاری فلاح کا وہ حریص ہے، ایمان لانے والوں کے لیے وہ شفیق اور رحیم ہے۔''

ایک دوسری جگہ فرمایا:

﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ﴿٣﴾﴾ (الشعراء : ٣)

''اے نبی! شاید آپ اس غم میں اپنی جان کھو دو گے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔''

تو اللہ تعالیٰ کا ہم پر یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں ایک ایسا دین اور ایسا پیغمبر دیا کہ جو سراسر رحمت ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اہل ایمان پر بے پایاں رحمتوں اور عنایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ ان کی اصلاح کا ایک جامع نظام عطا فرمایا ہے جس کا ایک پہلو یہ ہے کہ نصیحت وموعظت کے لیے جمعہ کا دن منتخب کر کے اس میں تذکیر و یاد دہانی کرائی جاتی ہے، تقویٰ و پرہیزگاری کا درس دیا جاتا ہے، فضائل واحکام بیان کیے جاتے ہیں، حلال وحرام کی تلقین کی جاتی ہے، غلط عقائد ونظریات کی تصحیح کی جاتی ہے، شرم وحیاء کی تعلیم دی جاتی ہے اور حق اور عدل کی ترغیب دی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جاتی اور تاکید کی جاتی ہے اور بات کو دل و دماغ میں پختہ اور پیوستہ کرنے کے لیے نہایت سنجیدگی کے ساتھ گفتگو کی جاتی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ جب خطبہ ارشاد فرماتے تو انداز اور کیفیت یہ ہوتی کہ:

((كَأَنَّهُ مُنْذِرُ جَيْشٍ))

''گویا کہ آپ کسی لشکر کو ڈرا رہے ہیں۔''

((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا خَطَبَ إِحْمَرَّتْ عَيْنَاهُ، وَعَلَا صَوْتُهُ، إِشْتَدَّ غَضَبُهُ، حَتَّى كَأَنَّهُ مُنْذِرُ جَيْشٍ)) (مسلم : ٨٦٧)

آپ ﷺ جب خطبہ ارشاد فرماتے تو آپ کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں، آواز بلند ہو جاتی، طیش میں تیزی آ جاتی حتیٰ کہ یہ انداز ہوتا گویا کہ آپ کسی لشکر کو ڈرا رہے اور خطاب فرما رہے ہیں کہ دشمن ان پر صبح حملہ آور ہونے والا ہے یا شام کو، اور آپ جانتے ہیں کہ دشمن کے حملے سے خبردار کرنا کتنا سنجیدہ معاملہ ہے اور اس پر کس طرح سنجیدگی سے بات ہوتی ہے۔

تاہم انبیاء علیہم السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے وعظ و نصیحت کا سلسلہ بند نہیں کیا بلکہ انبیاء علیہم السلام کے پیغام کو لوگوں تک پہنچانے کے لیے علماء کو انبیاء کا وارث بنا دیا گیا ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((وَإِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ)) (ابو داود : ٣٦٤١)

''علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔''

تو اب نبی آخر الزماں ﷺ کا پیغام لوگوں تک پہنچانے کی ذمہ داری علماء کرام کی ہے، کیونکہ وہی آپ ﷺ کے وارث ہیں، آپ ﷺ کی وراثت کے حوالے سے ایک دلچسپ واقعہ ملاحظہ فرمائیے۔

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّهُ مَرَّ بِسُوْقِ الْمَدِيْنَةِ فَوَقَفَ عَلَيْهَا فَقَالَ: يَا أَهْلَ السُّوْقِ مَا أَعْجَزَكُمْ!))

''ایک روز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کے بازار سے گزرے تو وہاں رکے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: بازار والو تم کتنے عاجز اور لاچار ہو!“

((قَالُوْا: مَا ذَاكَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ؟))

”تو لوگوں نے کہا: اے ابو ہریرہ وہ کیسے؟“

((قَالَ: ذَاكَ مِيْرَاثُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يُقْسَمُ وَأَنْتُمْ هَاهُنَا لَا تَذْهَبُوْنَ فَتَأْخُذُوْنَ نَصِيْبَكُمْ مِنْهُ))

”تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت تقسیم ہو رہی ہے اور تم لوگ یہاں بیٹھے ہو، جاتے نہیں اور جا کر اس سے اپنا حصہ نہیں لیتے۔“

((قَالُوْا: وَأَيْنَ هُوَ؟))

”لوگوں نے کہا کہ وہ کہاں؟“

((قَالَ: فِي الْمَسْجِدِ))

”کہا، مسجد میں۔“

((فَخَرَجُوْا سِرَاعًا إِلَى الْمَسْجِدِ))

”تو لوگ تیزی سے مسجد کی طرف نکلے۔“

((وَوَقَفَ أَبُوْهُرَيْرَةَ لَهُمْ حَتَّى رَجَعُوْا))

”تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان کے لیے رک گئے یہاں تک کہ لوگ واپس آ گئے۔“

((فَقَالَ لَهُمْ: مَا لَكُمْ؟))

”تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا ہوا؟“

((قَالُوْا: يَا أَبَاهُرَيْرَةَ! فَقَدْ أَتَيْنَا الْمَسْجِدَ، فَدَخَلْنَا فَلَمْ نَرَ فِيْهِ شَيْئًا يُقْسَمُ.))

”تو انہوں نے کہا: اے ابو ہریرہ! ہم مسجد میں گئے، اندر داخل ہو کر دیکھا وہاں تو کوئی چیز تقسیم نہیں ہو رہی تھی۔“

((فَقَالَ لَهُمْ أَبُوْهُرَيْرَةَ: أَمَا رَأَيْتُمْ فِي الْمَسْجِدِ أَحَدًا؟))

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

”تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: تم نے مسجد میں کوئی آدمی نہیں دیکھا؟“

((قَالُوْا: بَلٰی))

”کہا، ہاں، کیوں نہیں۔“

((رَأَيْنَا قَوْمًا يُصَلُّوْنَ، وَقَوْمًا يَقْرَؤُوْنَ الْقُرْآنَ، وَقَوْمًا يَتَذَاكَرُوْنَ الْحَلَالَ وَالْحَرَامَ))

”ہم نے دیکھا کچھ لوگ نماز پڑھ رہے تھے، کچھ لوگ قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھے اور کچھ لوگ حلال اور حرام کے مسئلے بیان کر رہے تھے۔“

((فَقَالَ لَهُمْ أَبُوْ هُرَيْرَةَ: وَيْحَكُمْ! فَذَاكَ مِيْرَاثُ مُحَمَّدٍ ﷺ))

(صحيح الترغيب : ٨٣)

”تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: افسوس ہے تم پر! وہی تو محمد ﷺ کی میراث ہے۔“

تو دین کا علم حاصل کرنا، سیکھنا سکھانا، لوگوں تک پہنچانا، وعظ ونصیحت کرنا، دعوت وتبلیغ کرنا، اسے معاشرے میں پھیلانا، اس کا علم بلند کرنا نبی کریم ﷺ کی وراثت ہے۔

انبیاء علیہم السلام نے تو دعوت وتبلیغ کی ذمہ داری خوب نبھائی اور اس کا حق ادا کر دیا، بازاروں میں جا جا کر، گلی کوچوں میں، مجلسوں اور محفلوں میں اور اجتماعات میں جا جا کر اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچایا، جواب میں گالیاں بھی کھائیں، مگر اپنے موقف سے پیچھے نہ ہٹے، مداہنت نہیں کی، حق کو پھیلانا ترک نہ کیا، عدل وانصاف کا علم بلند کیے رکھا، ظلم وستم برداشت کیے، تکلیفیں سہیں، بدتمیزیاں سنیں، مگر وعظ ونصیحت اور اصلاح وخیر خواہی کا کام نہ چھوڑا۔

لیکن سوال یہ ہے کہ وہ لوگ نبی کریم ﷺ کے ساتھ اور صحابہ کرام کے ساتھ اور ان سے قبل دیگر انبیاء علیہم السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کے ساتھ ایسا کیوں کرتے تھے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ بنیادی طور پر وہ اس دعوت اور پیغام کو ہی پسند نہیں کرتے تھے جو رسول کریم ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام لے کر آئے کیونکہ وہ ان کے مفادات سے ٹکرانے اور ان کے غرور کو خاک

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

میں ملا دینے والا اور ان کے عقائد باطلہ کی بیخ کنی کرنے والا تھا، چنانچہ یہی ان کی بے راہ روی کا سبب بنا، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝۹﴾ (محمد : ۹)

''اس لیے کہ ان لوگوں نے اس چیز کو ناپسند کیا جسے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔''

یعنی ان لوگوں نے اپنے رسم و رواج، اپنے خیالات و نظریات اور اپنے ان بتوں کے مقابلے میں کہ جو انہوں نے اپنے ہاتھوں سے بنا رکھے تھے اور ان شخصیات کے مقابلے میں کہ جنہیں انہوں نے اپنے دلوں میں بسا رکھا تھا دین کو ناپسند کیا حتیٰ کہ دین کی باتیں انہیں سننا بھی گوارا نہ تھیں، وہ ان باتوں کو اپنے خداؤں کے خلاف گالیاں تصور کرتے تھے، جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ:

((لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ عَنْ سَبِّ آلِهَتِنَا وَشَتْمِهَا لَنَهْجُوَنَّ إِلَهَكَ))

تفسير الطبري، سورة الانعام: ۱۰۸، التحرير والتنوير، سورة الانعام: ۱۰۸.

''اگر تم ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہنے اور گالیاں دینے سے باز نہ آئے تو ہم تمہارے خدا کو برا کہیں گے۔''

حالانکہ آپ ﷺ نے کبھی کسی کو برا بھلا نہیں کہا، کبھی گالی نہیں دی، صرف یہی فرماتے کہ ان کی پوجا نہ کرو، ان کو سجدے نہ کرو، ان کے سامنے سر نہ جھکاؤ، یہ تمہارے کسی نفع و نقصان کے مالک نہیں ہیں۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ﴾ (الاعراف : ۱۹۴)

''اللہ کے علاوہ تم جن لوگوں کو پوجتے ہو، ان کے سامنے سر جھکاتے ہو تمہارے جیسے بندے ہیں، اللہ کی ملکیت اور اس کی مخلوق ہیں۔''

بس اس چیز کو وہ گالی تصور کرتے تھے، وہ کہتے تھے کہ بس ہمارے خداؤں کا نام نہ لو، باقی جو چاہو کرو، نمازیں پڑھو، روزے رکھو، قرآن پاک کی تلاوت کرو، لیکن ہمارے خداؤں کو غلط نہ کہو۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انبیاء علیہم السلام نے اللہ کی راہ میں یقیناً بہت تکلیفیں اٹھائیں اور طرح طرح کی تکلیفیں اٹھائیں، اسی طرح ان کے ساتھ ایمان لانے والوں پر بھی مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹے مگر وہ اپنے عقیدہ وایمان پر ثابت قدم رہے، اپنے اصولوں پر ڈٹے رہے اور کلمہ حق بیان کرتے رہے جس کے نتیجے میں انہیں کیسی کیسی اذیت ناک اور دل دہلا دینے والی مصیبتوں سے گزرنا پڑتا، اس کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیے، حدیث میں ہے، حضرت خطاب بن الارت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

((شَكَوْنَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَهُوَ مُتَوَسِّدٌ بُرْدَةً لَهُ فِي ظِلِّ الْكَعْبَةِ قُلْنَا لَهُ أَلَا تَسْتَنْصِرُ لَنَا أَلَا تَدْعُو لَنَا))

''ہم نے اپنی شکایات آپ ﷺ کے سامنے پیش کیں، آپ ﷺ کعبہ کے سائے میں چادر کا تکیہ لگائے تشریف فرما تھے، ہم نے عرض کیا: آپ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے مدد ونصرت طلب نہیں کریں گے، کیا ہمارے لیے دعاء نہیں فرمائیں گے!''

((فَقَالَ قَدْ كَانَ مَنْ قَبْلَكُمْ، يُؤْخَذُ الرَّجُلُ فَيُحْفَرُ لَهُ فِي الْأَرْضِ فَيُجْعَلُ فِيهَا فَيُجَاءُ بِالْمِنْشَارِ فَيُوضَعُ عَلَى رَأْسِهِ فَيُجْعَلُ نِصْفَيْنِ، وَيُمْشَطُ بِأَمْشَاطِ الْحَدِيدِ مَا دُونَ لَحْمِهِ وَعَظْمِهِ، فَمَا يَصُدُّهُ ذَلِكَ عَنْ دِينِهِ)) (بخاری: ٦٩٤٣)

''تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں ان میں سے کسی شخص کو لایا جاتا، زمین میں گڑھا کھود کر اس کو گاڑا جاتا، پھر آری لا کر اس کے سر پر رکھ کر اس کو دو ٹکڑے کر دیا جاتا اور لوہے کی کنگھیوں سے اس کی ہڈیوں سے گوشت پوست الگ کر دیا جاتا لیکن اتنی سخت اور شدید سزائیں بھی اسے اپنے دین سے نہ ہٹا سکتیں۔''

ان لوگوں نے اللہ کی راہ میں جو بڑی بڑی، سنگین، اور رونگٹے کھڑے کر دینے والی

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

سزاؤں کے باوجود ثابت قدمی دکھائی اس پر انہیں جو اللہ کے ہاں مقام ومرتبہ ملا ہوگا وہ اک الگ کہانی ہے، مگر دوسری طرف وہ ہمارے محسن ٹھہرے ہیں، ہم پر ان کے بہت بڑے احسانات ہیں، آج ان لوگوں کی وجہ سے ہم تک دین پہنچا اور اللہ نے ہمیں گمراہ ہونے سے بچالیا اور ہمیں نعمت اسلام سے سرفراز فرمایا۔

تاریخ میں دونوں طرح کے کردار ہمیشہ رہے ہیں، ایک وہ جنہوں نے گالیاں کھا کر، طعنے اور طنزیں سن کر، تکلیفیں اٹھا کر، حتی کہ اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے کلمۂ حق بلند کرتے رہے اور دوسرے وہ جوان کی راہ میں روکاوٹیں ڈالتے رہے اور تاریخ نے ان دونوں گروہوں کا کردار اپنے سینے میں ہمیشہ کے لیے محفوظ کرلیا ہے، ”ولکن شتان ما بینھما“ مگر کتنا بڑا اور عظیم فرق ہے ان دونوں کرداروں میں:

بقول شاعر:

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

افسوس! کہ آج امت مسلمہ ایمانی، علمی، اخلاقی اور ہر شعبے، ہر پہلو اور ہر لحاظ سے پستی کا شکار ہے۔

امت مسلمہ کی آج دین سے بے زاری کا یہ عالم ہے کہ پہلے دعوت وتبلیغ اور نصیحت و موعظت بازاروں اور شاہراہوں میں تو مشکل تھی ہی مگر آج مسجدوں کے اندر بھی نصیحت کی بات کرنا مشکل ہو گیا ہے حالانکہ جمعے کا خطبہ نصیحت وموعظت کے لیے مقرر کیا گیا ہے اور مسلمان مسجدوں میں نصیحت وخیر خواہی کی باتیں ہی سننے کے لیے آتے ہیں مگر اب تو جیسے خیر خواہی کا معیار ہی بدل گیا ہے، جب خیر خواہی کا معیار یہ سمجھا جانے لگے کہ میٹھی میٹھی باتیں کرنا، لوگوں کی ہاں میں ہاں ملاتے جانا، سچی کڑوی باتیں نہ کرنا کہ جس سے کسی کی دل آزاری ہو، کسی کے جذبات اور احسانات کو ٹھیس پہنچے تو پھر خیر خواہی کیسی اور اصلاح کیسی، یہ تو محض اپنے آپ کو دھوکہ ہے۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

جب یہاں بھی نصیحت کی بات نہیں سننا چاہیں گے تو پھر اور کون سی جگہ باقی رہ جاتی ہے جہاں خیر اور اصلاح کی باتیں ہوں، یا پھر شاید آپ اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے، یا پھر آپ کو خطبہ جمعہ کی ضرورت، اہمیت اور افادیت کی سمجھ ہی نہیں ہے یا آپ سمجھنا ہی نہیں چاہتے!

جو بھی ہو بہرصورت دین کی باتیں سمجھ نہ آنا نہایت ہی شدید خطرے کی علامت ہے اور اس کا حل صرف یہی ہے کہ اللہ کے حضور گڑگڑا گڑگڑا کر دعاء کی جائے کہ اللہ تعالیٰ دلوں کی سختیاں دور کر دے کیونکہ جب دل سخت ہوجاتے ہیں تو پھر آنکھیں، کان، دل اور دماغ بالکل بند ہوجاتے ہیں اور انسان نصیحت سے بدکنے لگتا ہے اور یہ نہایت ہی بدبختی کی علامت ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ فرمائے۔

حقیقت یہ ہے کہ عام حالات میں بھی انسان غیر محسوس انداز میں اور غیر شعوری طور پر دین سے دور ہوتا چلا جاتا ہے کیونکہ انسان میں بہت سی فطری کمزوریاں ہیں جن کے سبب وہ اپنے ماحول سے اور پراپیگنڈہ سے بہت جلد متاثر ہو جاتا ہے چنانچہ ایک وقت آتا ہے کہ اس کے عقائد، اس کے نظریات، اس کے خیالات اور احساسات یکسر تبدیل ہو چکے ہوتے ہیں اور اس کو احساس تک نہیں ہوتا۔

جب عام نارمل حالات میں انسان کے ساتھ یہ سب کچھ پیش آتا ہے تو پھر یہ دور تو فتنوں کا دور ہے، اس دور کے تو کچھ خصوصی احکام اور کچھ خصوصی ہدایات اور خصوصی تقاضے ہیں، اس دور میں تو برائی کھلے عام ہو رہی ہے اور کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔

کمرشل میڈیا کھل کر بے حیائی پھیلاتا ہے اور کوئی پوچھنے والا نہیں ہے اوپر سے سوشل میڈیا نے تو رہی سہی کسر بھی پوری کر دی ہے، بازاروں میں نیم عریانی ہے، سینما گھروں میں اخلاقیات کی دھجیاں اڑائی جاتی ہیں، جلسوں اور جلوسوں میں غیر شرعی اور غیر اخلاقی مناظر پیش کیے جاتے ہیں اور کوئی روکاوٹ نہیں، خواب گاہوں میں برائی تک رسائی حاصل کرنے کی مکمل آزادی اور سہولت حاصل ہے اور کوئی پابندی نہیں ہے، اگر پابندی ہے تو صرف ایک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جگہ ہے اور وہ ہیں مسجدیں، کہ مسجدوں سے برائی کے خلاف آواز نہ اٹھے، غلط کو غلط نہ کہا جائے اور غلطی کی اصلاح نہ کی جائے، دشمنان اسلام کی چالوں اور منصوبوں کو طشت از بام نہ کیا جائے۔

یاد رکھیں! علماء کرام ہی ورثة الانبیاء ہیں، انبیاء کی وراثت کے امین ہیں، معاشرے کی اصلاح اور قرآن وحدیث کی روشنی میں سچ اور غلط کی نشاندہی کرنا ان کی ذمہ داری ہے، معاشرے سے ان کی غیر حاضری، عدم موجودگی اور خاموشی قوم کی تباہی کا پیش خیمہ ہے، اس بات کو احادیث میں بڑی تفصیل اور وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔

ایک حدیث میں ہے، حضرت حُمید بن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

((أَنَّهُ سَمِعَ مُعَاوِيَةَ بْنَ أَبِي سُفْيَانَ عَامَ حَجَّ عَلَى الْمِنْبَرِ))

''انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جس سال انہوں نے حج کیا، منبر پر کہتے ہوئے سنا۔''

((فَتَنَاوَلَ قُصَّةً مِنْ شَعَرٍ وَكَانَتْ فِي يَدَيْ حَرَسِيٍّ فَقَالَ:))

''انہوں نے بالوں کا ایک گچھا پکڑا جو کہ ایک محافظ کے ہاتھ میں تھا اور کہا۔''

((يَا أَهْلَ الْمَدِينَةِ أَيْنَ عُلَمَاؤُكُمْ))

''اے مدینہ والو! تمہارے علماء کہاں ہیں؟'' یعنی لوگوں کو منع کیوں نہیں کرتے؟

((سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَنْهَى عَنْ مِثْلِ هَذِهِ))

''میں نے آپ ﷺ کو اس جیسی چیزوں سے منع کرتے سنا ہے۔''

((وَيَقُولُ إِنَّمَا هَلَكَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ حِينَ اتَّخَذَهَا نِسَاؤُهُمْ))

(بخاري: ٣٤٦٨)

''اور آپ ﷺ فرماتے تھے کہ بنی اسرائیل انہی چیزوں کے سبب ہلاک ہوئے جب ان کی عورتوں نے اس طرح کے کام کیے۔'' یعنی مصنوعی بال لگائے۔

تو معنی یہ ہوا کہ جب ان چھوٹی چھوٹی باتوں کے بارے میں بھی لوگوں کو بتانا اور ان کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اصلاح کرنا علماء کی ذمہ داری ٹھہری تو بڑے بڑے کاموں سے کیسے صرف نظر کیا جا سکتا ہے۔

مگر افسوس کہ آج بڑے آرام سے کہہ دیا جاتا ہے کہ فلاں موضوع پر بات نہیں کرنی چاہیے اور فلاں موضوع پر بات نہیں کرنی چاہیے، آپ کس کس موضوع کو سینسر کریں گے، ہر موضوع ہی ایسا ہوتا ہے کہ کسی نہ کسی کو تو ناگوار گزرتا ہی ہے۔

سود پر بات کریں تو بہت سے لوگ برا مناتے ہیں، لاٹو اور بیئر وغیرہ پر بات کریں تو کتنے ہی لوگ ناراض ہوتے ہیں، کریڈٹ کارڈ فراڈ پر بات کریں تو بہت سے لوگوں پر ناگوار گزرتی ہے، ڈاڑھی پر بات کریں تو لوگ خفا ہوتے ہیں، پردے پر بات کریں تو عورتوں سے زیادہ مرد حضرات ناراض ہوتے ہیں، نماز میں سستی اور کوتاہی پر بات کریں تو کہہ دیتے ہیں کہ جی یہ اللہ اور بندے کے درمیان کا معاملہ ہے۔غرضیکہ ہر موضوع پر ہی کسی نہ کسی کو تحفظات اور اعتراضات ہوتے ہی ہیں اور وہ اسے سینسر کرنے کی خواہش رکھتا ہے۔

اس موضوع کو تفصیل سے بیان کرنے کے لیے تو یقیناً مزید وقت درکار ہوگا لہٰذا وقت کی قلت کی بناء پر اسی بات پر اکتفاء کرتا ہوں، بس آخر میں ایک نصیحت کی بات کرنا چاہوں گا، جو مجھے بہت پسند ہے اور میں اپنے آپ کو ہی مخاطب کر کے کہوں گا، کیونکہ ہوسکتا ہے وہ آپ کی طبع نازک پر گراں گزرے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ جو پانچویں خلیفۂ راشد مانے گئے ہیں۔

"قَالَ لِجُلَسَائِهِ . "

"ایک روز انہوں نے مجلس میں موجود لوگوں سے کہا:"

"أَخْبِرُوْنِي بِأَحْمَقِ النَّاسِ"

"مجھے بتاؤ کہ سب سے احمق انسان کون ہوسکتا ہے؟"

"قَالُوْا رَجُلٌ بَاعَ آخِرَتَهُ بِدُنْيَاهُ . "

"تو انہوں نے کہا: وہ شخص جو اپنی دنیا کے لیے اپنی آخرت کو بیچ دے۔"

"فَقَالَ عُمَرُ: أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِأَحْمَقَ مِنْهُ؟"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''تو حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے فرمایا: کیا میں تمہیں اس سے بھی زیادہ احمق انسان کے بارے میں نہ بتاؤں؟''

"قَالُوْا بَلٰی"

''تو انہوں نے کہا: ہاں کیوں نہیں!''

"قَالَ: رَجُلٌ بَاعَ آخِرَتَهُ بِدُنْيَا غَيْرِهِ"

(حلية الأولياء و طبقات الاصفياء، ص : ٣٢٥)

''فرمایا: وہ شخص جو اپنی آخرت کو کسی دوسرے کی دنیا بنانے کے لیے بیچ دے۔''

اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حج کی توفیق اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام

﴿وَالْفَجْرِ ۝١ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۝٢ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۝٣ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ۝٤ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ۝٥﴾ (الفجر: ١-٥)

اللہ تعالیٰ خالق و مالکِ کائنات ہے اور وہ یقیناً اپنی تمام مخلوقات کے لیے رحمٰن و رحیم ہے مگر وہ اپنے مومن بندوں کے لیے رحمت کا خصوصی معاملہ کرتا ہے جس کا ایک پہلو یہ ہے کہ وہ انہیں وقفے وقفے سے نیکی کے اور نتیجتاً اپنے قرب اور اپنی محبت کے مواقع فراہم کرتا رہتا ہے، ابھی تقریباً دو مہینے پہلے رمضان المبارک کی صورت میں سال بھر کا سب سے بڑا اور سب سے اہم موقع ہمیں دیا گیا تھا اور ابھی چند روز بعد ایک اور موقع دیا جا رہا ہے اور وہ ہے فریضۂ حج کی ادائیگی کا موقع۔

حج فرض ہو یا نفل، حج کی سعادت یقیناً اک بہت بڑی سعادت ہے، قبولیت کی صورت میں یہ انسان کی کامیابی کا نچوڑ ہے کیونکہ حقیقی اور حتمی کامیابی تو یہی ہے کہ انسان آخرت میں کامیاب ہوجائے اور فریضۂ حج کا آخرت کی کامیابی کے ساتھ تعلق یوں ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ حَجَّ لِلَّهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ))

(بخاري، كتاب الحج: ١٥٢١)

جس کسی نے محض اللہ کے لیے حج کیا اور اس میں فحش گوئی اور فحش عملی نہ کی، احکام کی بجا آوری کی اور فسق و فجور اور معصیت و نافرمانی سے اجتناب کیا تو وہ اس طرح لوٹتا ہے یعنی وہ گناہوں سے اس روز کی طرح پاک وصاف ہوکر لوٹتا ہے جس روز اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یہ کتنی بڑی خوش خبری، کتنی بڑی سعادت اور کتنا بڑا انعام اور احسان ہے کہ شاید دنیا میں تو اس کا اندازہ اور احساس نہ ہو مگر آخرت میں قدم قدم پر اس کی قدر و قیمت کا یقین اور اقرار و اعتراف ہوگا جب آخرت کے مختلف اور متعدد مراحل سے گزرنا پڑے گا اور ہر مرحلے پر گناہوں کی نحوست کا خطرہ ہوگا اور اگر کسی چھوٹی سے چھوٹی لغزش اور کوتاہی پر بھی کسی کی گرفت ہوگئی تو وہ مارا جائے گا، اسے عذاب ہو کر ہی رہے گا، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ حُوسِبَ عُذِّبَ))

''جس کا حساب ہو گیا، اس کو عذاب ہو گیا۔''

اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

((أَوَ لَيْسَ يَقُولُ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا ۝٨﴾ (الانشقاق: ٨) .))

''کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: جسے سیدھے ہاتھ میں اعمال نامہ دیا گیا اس سے ہلکا حساب لیا جائے گا۔''

((فَقَالَ: إِنَّمَا ذٰلِكَ الْعَرْضُ، وَلٰكِنْ مَنْ نُوْقِشَ الْحِسَابَ يَهْلِكُ)) (بخاری، کتاب العلم: ١٠٣)

''تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ تو فقط نامۂ اعمال کی پیشی ہے، لیکن جس کی پوچھ گچھ ہوگئی وہ ہلاک ہو گیا، یعنی اسے عذاب ہو کر ہی رہے گا۔''

اور عذاب تو آپ جانتے ہیں ہلکے سے ہلکا بھی ناقابل برداشت ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ فرمائے، آمین۔

آیئے جانتے ہیں کہ سب سے ہلکا عذاب کیسا ہوگا، حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ أَهْوَنَ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا مَّنْ لَهُ نَعْلَانِ وَشِرَاكَانِ مِنْ نَّارٍ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

يَغْلِي مِنْهُمَا دِمَاغُهُ كَمَا يَغْلِي الْمِرْجَلُ مَا يَرٰى أَنَّ أَحَدًا أَشَدُّ مِنْهُ عَذَابًا وَإِنَّهُ لَأَهْوَنُهُمْ عَذَابًا .)) (مسلم ، كتاب الإيمان : ٢١٣)

''اہل جہنم میں سے سب سے ہلکا عذاب اس شخص کو ہوگا جسے آگ کے دو جوتے اور دو تسمے پہنائے جائیں گے جن سے اس کا دماغ اس طرح کھولے گا جس طرح ہنڈیا ابلتی ہے اور وہ نہیں سمجھ رہا ہوگا کہ اس سے زیادہ سخت عذاب کسی اور کو ہے، حالانکہ اسی کو سب سے ہلکا عذاب ہو رہا ہوگا۔''

تو جب ساٹھ پینسٹھ سال کی سیاہ کاریوں سے انسان نے اپنا نامۂ اعمال سیاہ کر رکھا ہو تو طبعی طور پر فکر تو دامن گیر ہوتی ہی ہے اور ہونی بھی چاہیے کہ اگر ان کی معافی نہ ہوئی تو کیا ہوگا!

وہ پاک باز ہستیاں کہ جنھیں افضل الخلائق بعد الانبیاء ہونے کا شرف حاصل ہے، یعنی صحابہ کرام، جن کی زندگیاں اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے تکلیفیں اٹھاتے گزریں ان کا یہ حال تھا کہ وہ اس بات کے لیے بہت فکر مند اور پریشان رہتے تھے کہ کل کو جب اللہ کے حضور پیش ہوں گے تو کیا ہوگا، جیسا کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے وقتِ وفات ان سے کہا:

''ضَعْ خَدِّيْ عَلَى الْأَرْضِ''

''میرے رخسار زمین پر رکھ دو۔''

''فَقُلْتُ: وَمَا كَانَ عَلَيْكَ ، كَانَ فِيْ حِجْرِيْ أَوْ عَلَى الْأَرْضِ! . ''

''تو میں نے کہا: اس سے کیا فرق پڑتا ہے، آپ کے رخسار میری گود میں ہو یا زمین پر۔''

کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سر ان کے بیٹے کی گود میں رکھا ہوا تھا۔

''فَقَالَ: ضَعْهُ لَا أُمَّ لَكَ . ''

''تو انھوں نے کہا: میرے رخسار زمین پر رکھ اے بن ماں کے۔''

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

یہ جملہ کہ بن ماں کے یا تیری ماں نہ ہو بے کار آدمی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔
اور زمین پر رخسار رکھنا گویا عاجزی کے اظہار کے لیے تھا۔

"فَوَضَعْتُهُ."

"تو میں نے زمین پر رکھ دیا۔"

"فَقَالَ: وَيْلِي وَوَيْلُ أُمِّيْ إِنْ لَمْ يَرْحَمْنِيْ رَبِّيْ"

(المحتضرين لابن أبي الدنيا، ص: ٥٤)

"ہائے میری کم بختی اور بربادی اور میری ماں کی کم بختی اور بربادی اگر میرے رب نے مجھ پر رحم نہ فرمایا تو۔"

تو وہ لوگ جو کائنات میں انبیاء علیہم السلام کے بعد افضل ترین انسان تھے ان کا یہ حال ہے کہ وہ آخرت کے لیے اتنے فکرمند تھے، اور آج بہت سے لوگ جو کہ ان کے مقابلے میں تلچھٹ اور بھوسا ہیں چھان بورا ہیں، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((كَيْفَ بِكُمْ وَبِزَمَانٍ يُوْشِكُ أَنْ يَأْتِيَ، يُغَرْبَلُ النَّاسُ فِيْهِ غَرْبَلَةً، تَبْقَى حُثَالَةٌ مِنَ النَّاسِ، قَدْ مَرِجَتْ عُهُوْدُهُمْ وَأَمَانَاتُهُمْ.)) (ابوداود، كتاب الملاحم: ٤٣٤٢)

"فرمایا: تمہارا کیا حال ہوگا جب ایسا وقت آئے گا کہ جب نیک لوگ چھلنی میں چھان کر برے لوگوں سے الگ کر دیئے جائیں گے۔ اور پیچھے صرف چھان بورا رہ جائے گا، پست اور گھٹیا ترین لوگ رہ جائیں گے کہ جن کے وعدے اور امانت داریاں خلط ملط ہو جائیں گی" یعنی ان کی پرواہ نہیں کی جائے گی۔

آج اس قسم کے لوگ اپنی کوتاہیوں کے انجام سے نہ گھبرائیں، بے خوفی کی زندگی گزاریں، اپنے آپ کو نیک و پارسا اور متقی و پرہیزگار گردانیں اور بخشے بخشائے سمجھنے لگیں تو اسے ان کی سادگی کہیں یا کیا کہیں! حقیقت میں تو اس طرح کا رویہ نادانی اور حماقت سے کم نہیں ہوسکتا کہ جہاں یہ معلوم و مسلّم ہو کہ زبان سے نکلی ہوئی کوئی ایسی بات جسے انسان معمولی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سمجھتا ہو وہ بسا اوقات اتنی سنگین ہوتی ہے کہ اسے جہنم میں اتنی گہرائی میں پھینک دیئے جانے کا باعث ہوتی ہے کہ جہاں مسلسل ستر برس گرتے رہنے کے بعد پہنچا جاتا ہو۔

جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ الرَّجُلَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ لَا يَرَى بِهَا بَأْسًا يَهْوِي بِهَا سَبْعِيْنَ خَرِيفًا فِي النَّارِ)) (ترمذي ، كتاب الزهد : ٢٣١٤)

''یقیناً آدمی کوئی ایسی بات کرتا ہے جسے وہ کوئی حرج کی بات نہیں سمجھ رہا ہوتا جبکہ وہ اس کے سبب ستر برس جہنم میں گرتا رہتا ہے۔''

جی ہاں جہنم اتنی ہی گہری ہے کہ اس کی تہہ تک پہنچنے کے لیے ستر برس لگ جاتے ہیں، جیسا کہ حدیث میں ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

((كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ اِذْ سَمِعَ وَجْبَةً))

''ایک بار ہم آپ ﷺ کے ساتھ تھے کہ اک خوفناک آواز سنائی دی۔''

((فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ تَدْرُونَ مَا هٰذَا))

''تو آپ ﷺ نے فرمایا: جانتے ہو یہ کیا ہے؟''

((قَالَ قُلْنَا اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ اَعْلَمُ))

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، ہم نے کہا: اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔''

((قَالَ هٰذَا حَجَرٌ رُمِيَ بِهٖ فِي النَّارِ مُنْذُ سَبْعِينَ خَرِيفًا فَهُوَ يَهْوِي فِي النَّارِ الْآنَ حَتّٰى انْتَهٰى اِلَى قَعْرِهَا)) (مسلم ، كتاب الجنة وصفة نعيمها واهلها : ٢٨٤٤)

''فرمایا: یہ ایک پتھر کی آواز ہے جو ستر سال پہلے جہنم میں پھینکا گیا تھا اور تب سے مسلسل اس میں گرتا جا رہا تھا اب وہ اس کی گہرائی کی تہہ تک پہنچا ہے۔''

تو جب صورت حال یہ ہو کہ نامۂ اعمال سیاہ ہو، قدم قدم پر گناہوں کے انجام بد کا خطرہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہو، کسی گناہ کو معمولی سمجھ کر کر گزرنے پر ستر سال مسلسل جہنم میں گرتے رہنے کی سزا ملنے کا ڈر ہو، کم از کم ہلکی سے ہلکی سزا آگ کے دو جوتے اور دو تسمے پہنائے جانے کا ڈر رہو، پھر بھی کوئی شخص بے خوفی کی زندگی گزارے، انجام کی فکر نہ کرے اور اسے کوئی پریشانی نہ ہو بلکہ ڈائریکٹ یا اِن ڈائریکٹ معاشرے میں بے حیائی پھیلانے کا ذمہ دار بھی ہو، تو ایسے شخص کی عقل پر ماتم ہی کیا جا سکتا ہے اور اس کی بدبختی پر کہ جس کا ذمہ دار وہ خود ہے افسوس ہی کیا جا سکتا ہے۔

تاہم خوش قسمت لوگ ہیں وہ کہ جنہیں حج کی سعادت نصیب ہو جائے، رزق حلال، سچی توبہ اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم بالخصوص کوئی بڑا گناہ، اور اثنائے حج میں فحش گوئی و فحش عملی سے مکمل اجتناب بھی ہو اور معصیت و نافرمانی سے کلی طور پر پہلو تہی بھی، تو ایسے شخص کو ایسی نوید سنائی جاتی ہے کہ اس کی زندگی بھر کی کوتاہیوں پر خط تنسیخ پھیر دیا جاتا، اور اس کے صحیفۂ اعمال میں درج ہر چھوٹی بڑی لغزش اور معصیت کو مکمل طور پر محو کر کے Factory Reset کر دیا جاتا ہے اور ایسی تشبیہ کے ساتھ اس کو پاک وصاف ہونے کا سرٹیفیکیٹ دیا جاتا ہے کہ:

((رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ))

وہ گناہوں سے اس طرح پاک صاف ہو کر لوٹتا ہے جس طرح اس دن پاک صاف تھا جس دن اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا، بالکل کورا کاغذ کہ جس پر کوئی نیکی درج ہے اور نہ گناہ۔

حج قبول ہونے کی صورت میں یہ مژدہ اور یہ خوشخبری تو حق اور سچ ہے اس میں قطعاً کوئی شک نہیں ہے مگر اس کی تھوڑی سی تفصیل بھی ہے اس کا جاننا بھی ضروری ہے اور وہ یہ کہ اس معافی میں حقوق العباد شامل نہیں ہیں، جیسا کہ قرض ہے، قتل ہے اور ظلم و زیادتی وغیرہ ہے یہ بندوں کے معاف کرنے سے ہی معاف ہوتے ہیں، بالخصوص قتل کے ساتھ تو تین حقوق متعلق ہوتے ہیں، ایک اللہ تعالیٰ کا حق، ایک مظلوم مقتول کا حق اور تیسرا ولی اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

وارث کا حق۔

اگر قاتل اپنے آپ کو رضا کارانہ طور پر پیش کر دیتا ہے اور سچی توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا حق معاف ہوجاتا ہے اور وارثوں کو خون بہا دے کر یا صلح صفائی اور معافی کے ساتھ معاملہ طے کر لیتا ہے تو وارثوں کا حق بھی ادا ہو گیا، اب مقتول کا حق باقی رہ جاتا ہے اور اگر بندے نے سچی توبہ کی ہوگی اور دل سے شرمندہ ہوگا تو اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو مقتول کو اپنی طرف سے اس کا حق دے کر قاتل کو معاف فرما دے گا۔

اب دوسرا مسئلہ گناہوں کی معافی سے متعلق یہ ہے کہ مقبول و مبرور حج کرنے سے، یا ویسے ہی سچی توبہ کرنے سے گناہ تو معاف ہوجاتے ہیں لیکن کیا وہ نامۂ اعمال میں موجود رہتے ہیں یا مٹا دیئے جاتے ہیں، تو اس میں اختلاف ہے، بعض دلائل اس مؤقف کی تائید کرتے ہیں کہ مٹا دیئے جاتے ہیں اور بعض دلائل اس دوسرے موقف کی تائید کرتے ہیں کہ تمام اعمال نامۂ اعمال میں موجود رہتے ہیں مگر تمام دلائل کو ملا کر جو نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بندے کو گناہوں کا اقرار اور اعتراف کروا کر کچھ کو مٹا دے گا اور کچھ دوسرے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے گا، اقرار کرانے تک کم از کم اس میں موجود رہیں گے۔

جیسا کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”فَالْعَبْدُ يُذْنِبُ ثُمَّ يَتُوْبُ وَيَسْتَغْفِرُ يُغْفَرَ لَهُ“

”بندہ گناہ کرتا ہے پھر توبہ و استغفار کرتا ہے تو اسے معاف کر دیا جاتا ہے۔“

”وَلٰكِنْ لَا يُمْحَاهُ مِنْ كِتَابِهِ دُوْنَ أَنْ يَقِفَهُ عَلَيْهِ، ثُمَّ يَسْأَلُهُ عَنْهُ“

”لیکن اسے نامۂ اعمال سے مٹایا نہیں جاتا جب تک کہ وہ اس پر پیش نہیں کر لیا جاتا اور پھر اس سے سوال نہیں کر لیا جاتا۔“

”ثُمَّ بَكَى الْحَسَنُ بُكَاءً شَدِيْدًا وَقَالَ“

”پھر حضرت حسن بصری رحمہ اللہ بہت سخت روئے اور فرمایا:“

”لَوْ لَمْ نَبْكِ إِلَّا لِلْحَيَاءِ مِنْ ذٰلِكَ الْمُقَامِ لَكَانَ يَنْبَغِي لَنَا ان

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

نَبْكِيْ" (جامع العلوم والحكم، الحديث الثامن عشر ، ص ٤٢٥)

''اگر رونے کی کوئی اور وجہ نہ بھی ہو سوائے اس کے کہ گناہوں کے ساتھ اللہ کے حضور پیش ہوتے ہوئے شرم اور حیاء آتی ہے تو ہمیں رونا چاہیے۔''

مطلب یہ ہے کہ وہ کس قدر حیاء اور شرمندگی کا مقام ہوگا جب اللہ تعالیٰ بندے کا اعمال نامہ کھول کر اس کے سامنے رکھ دے گا اور فرمائے گا:

((إِقْرَأْ يَابْنَ آدَمَ كِتَابَكَ))

''اے ابن آدم! اپنا اعمال نامہ پڑھ لے۔''

((فَيَقْرَأُ، فَيَمُرُّ بِالْحَسَنَةِ فَيَبْيَضُّ لَهَا وَجْهُهُ، وَيُسَرُّ بِهَا قَلْبُهُ))

''چنانچہ آدمی پڑھے گا اور جب اس میں درج شدہ نیک اعمال کو پڑھے گا تو اس کا چہرہ اس سے روشن ہو جائے گا اور دل خوش ہو جائے گا۔''

((قَالَ: فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: أَتَعْرِفُ يَا عَبْدِيْ؟))

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے میرے بندے اس نیکی کو پہچانتے ہو؟''

((فَيَقُوْلُ: نَعَمْ يَا رَبِّ))

''تو وہ کہے گا: ہاں میرے رب۔''

((قَالَ: فَيَقُوْلُ))

''تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا:''

((إِنِّيْ قَدْ قَبِلْتُهَا مِنْكَ .))

''میں نے تیری یہ نیکی قبول کر لی ہے۔''

((قَالَ: فَيَخِرُّ لِلّٰهِ سَاجِدًا))

''تو بندہ اللہ کے حضور سجدے میں گر جائے گا۔''

((فَيَقُوْلُ: إِرْفَعْ رَأْسَكَ ، وَعُدْ فِيْ كِتَابِكَ .))

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

”تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اپنا سر اٹھا اور پڑھنا جاری رکھ۔“

((فَيَمُرُّ بِالسَّيِّئَةِ فَيَسْوَدُّ لَهَا وَجْهُهُ، وَيَوْجَلُ مِنْهَا قَلْبُهُ وَتَرْتَعِدُ مِنْهَا فَرَائِصُهُ، وَيَأْخُذُهُ مِنَ الْحَيَاءِ مِنْ رَبِّهِ لَا يَعْلَمُهُ غَيْرُهُ))

”پڑھتے پڑھتے جب وہ گناہ کے درج شدہ اعمال کے پاس سے گزرے گا تو شرمندگی کے مارے اس کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ جائے گا، سیاہ ہوجائے گا، دل ڈر جائے گا، خوف سے کانپنے لگے گا اور اپنے رب سے شدید حیاء اور شرمندگی محسوس کرنے لگے گا، اس کی اس کیفیت کا اس کے علاوہ کسی اور کو علم نہ ہو سکے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پوری دنیا سے اس کو پردے میں لے رکھا ہوگا۔“

((فَيَقُوْلُ اللّٰهُ: أَتَعْرِفُ يَا عَبْدِيْ؟))

”تو اللہ فرمائے گا: اے میرے بندے! اس کو پہچانتا ہے؟“

((فَيَقُوْلُ: نَعَمْ يَا رَبِّ أَعْرِفُ))

”تو وہ کہے گا: ہاں اے میرے رب! میں پہچانتا ہوں۔“

((فَيَقُوْلُ إِنِّيْ قَدْ غَفَرْتُهَا لَكَ))

”تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے تجھے یہ معاف کر دیا ہے۔“

((قَالَ: فَلَا يَزَالُ حَسَنَةٌ تُقْبَلُ فَيَسْجُدُ، وَسَيِّئَةٌ تُغْفَرُ فَيَسْجُدُ))

”تو یوں نیکی قبول ہوتی رہے گی اور وہ سجدہ کرتا رہے گا اور گناہ معاف ہوتا جائے گا اور وہ سجدہ کرتا چلا جائے گا۔“

((فَلَا تَرَى الْخَلَائِقُ مِنْهُ إِلَّا السُّجُوْدَ))

”تو لوگوں کو اس کا صرف سجدہ کرنا ہی نظر آئے گا۔“

((حَتّٰى تُنَادِي الْخَلَائِقُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا))

”تو لوگ آپس میں ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہوئے کہیں گے۔“

((طُوْبَى لِهٰذَا الْعَبْدِ الَّذِيْ لَمْ يَعْصِ اللّٰهَ قَطُّ))

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

''کتنا خوش نصیب آدمی ہے یہ جس نے کبھی اللہ کی نافرمانی نہیں کی۔''

((وَلَا يَدْرُوْنَ مَا قَدْ لَقِيَ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ))

(تفسير ابن رجب الحنبلي، ج ٢، ص ١٣٢)

''اور لوگوں کو یہ معلوم نہ ہوگا کہ اس کی اللہ کے سامنے اس پیشی کے دوران اسے کیا کیا پیش آیا اور اللہ نے جس جس بات سے اسے اقرار واعتراف کرایا اسے اس میں کس کیفیت سے گزرنا پڑا اور کس شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا۔''

حقیقت یہ ہے کہ شرم و حیاء ایک بہت بڑی نعمت ہے، ایمان کا حصہ ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ:

((اَلْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيْمَانِ)) (مسلم، كتاب الإيمان، ٣٥)

''حیاء ایمان کا ایک شعبہ ہے۔''

بالخصوص اللہ تعالیٰ سے حیاء کرنا تو خوش بختی کی علامت ہے، بہت بڑے اعزاز کی بات ہے اور بہت بڑے اجر و انعام کی نوید ہے اور حیاء اللہ کے خوف کا عنوان ہے، چنانچہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتٰنِ ﴿٤٦﴾﴾ (الرحمٰن : ٤٦)

''اور ہر اس شخص کے لیے جو اپنے رب کے حضور پیش ہونے کا خوف رکھتا ہے، دو جنتیں ہیں۔''

حیا کیا ہے، اس کے کیا دنیوی اور اخروی فوائد ہیں، حیا نہ ہونے کے کیا نقصانات ہیں، اس وقت اس کی تفصیل میں جانے کا وقت نہیں ہے اور نہ ہی یہ آج کا اصل موضوع ہے، اصل موضوع تو حج کی سعادت کے حوالے سے ہے کہ حج کی توفیق بہت بڑی توفیق ہے اور اس کی قبولیت بہت بڑا انعام ہے اور انسان کی کامیابی کا گویا نچوڑ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جہاں حج کرنے والوں سے اتنے بڑے انعام کا وعدہ فرمایا ہے وہاں غیر حاجیوں کو بھی حج کے ان مبارک ایام سے مستفید ہونے کا موقع عطا فرمایا ہے جیسا کہ حدیث

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنْ أَيَّامٍ الْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيهِنَّ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ مِنْ هٰذِهِ الْأَيَّامِ الْعَشْرِ))

''کسی بھی دن میں کیا ہوا اچھا عمل اللہ تعالیٰ کو ان دس دنوں میں کیے جانے والے عمل سے زیادہ پیارا نہیں۔''

((فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَلَا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ))

''صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں؟''

((فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ))

''تو آپ ﷺ نے فرمایا: جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں۔''

((إِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ فَلَمْ يَرْجِعْ مِنْ ذٰلِكَ بِشَيْءٍ))

(ترمذي، كتاب الصوم: ٧٥٧)

''فرمایا: مگر وہ شخص جو اپنی جان و مال کے ساتھ راہ جہاد میں نکلے اور ان میں سے کچھ بھی لے کر واپس نہ لوٹے''، یعنی جس کا سارا مال بھی اللہ کی راہ میں خرچ ہو گیا جو وہ گھر سے لے کر نکلا تھا اور جان بھی اس کی راہ میں قربان ہو گئی تو ایسا جہاد ان سے بہتر ہو سکتا ہے۔

ذوالحجہ کے ابتدائی دس دنوں کی فضیلت میں دیگر آیات و احادیث بھی ہیں مگر عمل کے حوالے سے بات کرتے ہیں، یوں تو ہر عملِ صالح ان دس دنوں میں کیا جا سکتا ہے اور عمل صالح ہر وہ عمل ہے جو خالص اللہ کی رضا کے لیے کیا گیا ہو اور سنت کے مطابق ہو اور اعمال صالحہ میں سرفہرست کام نفل نماز، نفل روزے، قرآن پاک کی تلاوت، صدقہ و خیرات اور ذکر و اذکار وغیرہ ہیں اور اگر یہ سارے کام کیے جا سکیں تو کیا ہی کہنے ورنہ کم از کم کثرت سے تسبیح و تکبیر ضرور کہنی چاہیے کہ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے ان دس دنوں کی فضیلت بیان کرنے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے بعد فرمایا:

((فَأَكْثِرُوْا فِيهِنَّ مِنَ التَّهْلِيْلِ وَالتَّكْبِيْرِ وَالتَّحْمِيْدِ))

(مسند احمد : ٧/ ٢٢٤)

''پس تم ان دس دنوں میں کثرت سے: لا الٰه الا اللّٰه ، اللّٰه اكبر اور الحمد للّٰه کہو۔''

اسی طرح خصوصی طور پر نو ذوالحجہ کا روزہ رکھنے کی فضیلت بھی حدیث میں بیان کی گئی ہے کہ:

((يُكَفِّرُ السَّنَةَ الْمَاضِيَةَ وَالْبَاقِيَةَ))

(مسلم ، كتاب الصيام : ١١٦٢)

''عرفہ کے دن کا روزہ گذشتہ اور آئندہ سال کے گناہ دور کر دیتا ہے۔''

تکبیرات ان دس دنوں میں ایک عمومی عمل ہے، کثرت سے کہنی چاہئیں، البتہ کچھ تکبیرات خاص ہیں اور وہ یوم عرفہ کے دن فجر کی نماز کے بعد شروع ہوتی ہیں اور ۱۳ ذوالحجہ کی عصر تک جو کہ ایام تشریق کا آخری دن ہوتا ہے۔(۱۱،۱۲،۱۳ ایام التشریق) جاری رہتی ہیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰه رب العالمين

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عشرہ ذوالحجہ اک موقعِ غنیمت

﴿وَالْفَجْرِ ۙ﴿١﴾ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۙ﴿٢﴾ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۙ﴿٣﴾ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ۚ﴿٤﴾ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ۭ﴿٥﴾﴾ (الفجر : ۱۔۵)

اللہ تعالیٰ نے عشرۂ ذوالحجہ کی صورت میں نیکیوں کا جو موقع عطا فرمایا ہے اس سے مستفید ہونا بہت بڑی خوش بختی، خوش نصیبی اور سعادت کی بات ہے چنانچہ ہر عقلمند، دوراندیش اور سمجھدار مسلمان کو ان مبارک ایام سے مستفید ہونے کی بھرپور کوشش کرنی چاہیے کیونکہ عقلمند، دوراندیش اور سمجھدار لوگ ہی موقعے کو غنیمت جانتے ہیں جبکہ نادان، ناسمجھ، غیر سنجیدہ اور غیر ذمہ دار لوگ اسے کھیل کود، ہنسی مذاق اور لاابالی پن میں گزار دیتے ہیں۔

یوں تو زندگی کا ایک ایک پل نہایت ہی قیمتی ہے اور اتنا قیمتی ہے کہ اس کا کوئی متبادل نہیں ہے اور اتنا قیمتی ہے کہ اس کے گزرے ہوئے لمحات کو واپس نہیں لوٹایا جا سکتا اور اتنا قیمتی ہے کہ اس کو غنیمت جاننے والا، اور اس سے مستفید ہونے والا شخص بھی قیامت کے دن حسرت کرتا ہوا نظر آئے گا کہ وہ اس سے زیادہ استفادہ کیوں نہ کر سکا، چنانچہ قیامت کے دن کے ناموں میں سے ایک نام یوم الحسرۃ بھی ہے کہ حسرت وافسوس کا دن کہ اس دن نیک و بد ہر شخص حسرت کر رہا ہوگا۔

وقت کی اہمیت کے حوالے سے ہر قوم اور ہر زبان میں بہت سی کہاوتیں اور اقوال ہیں مگر ان میں سے ایک جو کہ حقیقت کے قریب تر ہے اور وقت کی اہمیت سے غافل انسان کو بیدار کرنے کے لیے نہایت ہی مؤثر اور جاندار قول ہے کہ:

"إِضَاعَةُ الْوَقْتِ أَشَدُّ مِنَ الْمَوْتِ"

''وقت کو ضائع کرنا موت واقع ہونے سے بھی زیادہ سنگین ہے۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

”لِأَنَّ إِضَاعَةَ الْوَقْتِ تَقْطَعُكَ عَنِ اللّٰهِ وَالدَّارِ الْآخِرَةِ ، وَالْمَوْتُ يَقْطَعُكَ عَنِ الدُّنْيَا وَأَهْلِهَا“

(الفوائد لإبن القيم ص : ٤٤)

”کیونکہ وقت کا ضیاع آپ کو اللہ سے اور دارِ آخرت سے کاٹ کر الگ کر دیتا ہے جبکہ موت آپ کو دنیا سے اور دنیا والوں سے دور کر دیتی ہے۔“

چنانچہ وقت انسان کے پاس اس کا مہنگا ترین سرمایہ ہے اور پھر وقت میں کوئی موقع دیا جانا، وہ اس سے بھی مہنگا اور قیمتی ہے کیونکہ وہ وقت کا جوہر، اس کا خلاصہ اور نچوڑ ہوتا ہے۔

لہٰذا ہمیں اسی حساب سے اس موقع کی قدر کرنی چاہیے اور اسے غنیمت جاننا چاہیے اور غنیمت جاننے کا مطلب ان مبارک ایام میں زیادہ سے زیادہ نیکی، بھلائی اور خیر خواہی ور ثواب کے کام کرنے چاہئیں۔

اور نیکی اور ثواب کے کاموں کی فہرست تو یقیناً بہت طویل ہے لیکن ان میں سے اگر چند چھوٹے چھوٹے، آسان اور سہل، کم خرچ اور بلاخرچ کاموں پر بھی توجہ دی جائے تو اللہ کے فضل سے مقصد حاصل ہوسکتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((أَرْبَعُونَ خَصْلَةً أَعْلَاهُنَّ مَنِيحَةُ الْعَنْزِ))

”چالیس خصلتیں، صفات، خوبیاں اور نیکی کے کام کہ جن میں سے سب سے اعلیٰ اور بلند پایہ کام کسی کو بکری عاریۃً عطیہ کرنا ہے۔“

((مَا مِنْ عَامِلٍ يَعْمَلُ بِخَصْلَةٍ مِنْهَا رَجَاءَ ثَوَابِهَا وَتَصْدِيقَ مَوْعُودِهَا إِلَّا أَدْخَلَهُ اللّٰهُ بِهَا الْجَنَّةَ)) (بخاري، كتاب الهبة وفضلها والتحريض عليها : ٢٦٣١)

”جو شخص ان میں سے کسی ایک نیکی کے کام پر بھی عمل کرتا ہے ثواب پانے کی امید سے اور کیے گئے وعدے کی تصدیق اور یقین کے ساتھ کہ وعدے کے مطابق اسے وہ ثواب یقیناً حاصل ہوگا، تو اللہ اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔“

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اب اس حدیث میں آپ ﷺ نے نیکی کے چالیس کاموں کا بتلایا مگر ان میں سے صرف ایک کا ذکر فرمایا جو کہ سب سے بلند مرتبہ ہے اور باقی کا ذکر نہیں فرمایا حالانکہ یقیناً آپ ﷺ کو ان کا علم بھی ہوگا اور اس میں حکمت شاید یہ ہو کہ لوگ کہیں انہیں چند نیک اعمال پر ہی اقتصار اور اکتفا نہ کر لیں، اپنے آپ کو محدود نہ کر لیں، بلکہ ہر چھوٹے سے چھوٹے عمل کے کہ جس سے دوسروں کو فائدہ پہنچتا ہو ثواب کی نیت سے کرنے کا موقع تلاش کرتے رہیں۔

اسی طرح ایک دوسرے مقام پر نیکی کی ترغیب دیتے ہوئے نیکی کے کاموں کو کسی عدد میں محدود کرنے کی بجائے معروف کا لفظ استعمال کر کے اس میں وسعت پیدا کر دی گئی ہے، جیسا کہ فرمایا:

((كُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ)) (ابوداود، كتاب الأدب: ٤٩٤٧)

''ہر معروف صدقہ ہے۔''

اور معروف کی تعریف یہ ہے کہ ہر وہ اچھا کام جو لوگوں میں نیک اور اچھے کام کی حیثیت سے مشہور و متعارف ہو، چاہے اس کا تعلق عبادات سے ہو یا معاملات سے، جیسا کہ حدیث ہے:

((فَكُلُّ تَسْبِيحَةٍ صَدَقَةٌ وَكُلُّ تَحْمِيدَةٍ صَدَقَةٌ وَكُلُّ تَهْلِيلَةٍ صَدَقَةٌ وَكُلُّ تَكْبِيرَةٍ صَدَقَةٌ وَأَمْرٌ بِالْمَعْرُوفِ صَدَقَةٌ وَنَهْيٌ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ)) (مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها: ٧٢٠)

''آپ ﷺ نے فرمایا: ہر تسبیح صدقہ ہے، یعنی ہر بار سبحان اللہ کہنا ایک صدقہ ہے، ہر بار لا الہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے، ہر بار الحمد للہ کہنا صدقہ ہے، امر بالمعروف صدقہ ہے اور نہی عن المنکر صدقہ ہے۔''

اب ان اچھے، نیکی کے اور معروف کاموں کا تعلق عبادات سے ہے اور انہیں صدقہ قرار دیا گیا ہے۔ دوسری طرف کچھ ایسے اچھے کام کہ جن کا تعلق معاملات سے ہے انہیں بھی صدقہ کہا گیا ہے کہ جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((كُلُّ سُلَامَى مِنَ النَّاسِ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ كُلَّ يَوْمٍ تَطْلُعُ فِيهِ الشَّمْسُ))

''لوگوں پر ہر روز کہ جس میں سورج طلوع ہوتا ہے، ہر جوڑ کے بدلے ایک صدقہ لازم آتا ہے۔''

((تَعْدِلُ بَيْنَ الِاثْنَيْنِ صَدَقَةٌ))

''دولوگوں میں عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کردے تو صدقہ شمار ہوگا۔''

((وَتُعِينُ الرَّجُلَ فِي دَابَّتِهِ فَتَحْمِلُهُ عَلَيْهَا أَوْ تَرْفَعُ لَهُ عَلَيْهَا مَتَاعَهُ صَدَقَةٌ))

''کسی بندے کو اس کی سواری کے معاملے میں مدد کرنا اس کو اس کی سواری پر سوار ہونے میں مدد دینا یا اس کا سامان سواری پر لادنے میں مدد کرنا صدقہ ہے۔''

((قَالَ وَالْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ))

''فرمایا: اور کوئی اچھی بات کہنا صدقہ ہے۔'' دین کے تعلق سے ہو یا دنیا کے حوالے سے ہو۔

((وَكُلُّ خُطْوَةٍ تَمْشِيهَا إِلَى الصَّلَاةِ صَدَقَةٌ))

''اور ہر قدم جو تم نماز کے لیے چل کے جاتے ہو صدقہ ہے۔''

((وَتُمِيطُ الْأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ صَدَقَةٌ)) (مسلم، کتاب الزکاۃ: ۱۰۰۹)

''کوئی ضرر رساں چیز راستے سے ہٹا دو تو صدقہ ہے''

جیسے کوئی غلاظت، گندگی اور بدبودار چیز ہو یا پتھر، لکڑی، کانٹا، چھلکا، شیشہ، لوہا یا کوئی اور چیز ہو جس سے کسی آدمی کے گرنے، پھسلنے، ٹھوکر لگنے اور چوٹ لگنے کا خطرہ ہو تو اس کے راستے سے ہٹا دینا کہ جہاں سے عموماً لوگوں کا گزر ہوتا ہو صدقہ بن جاتا ہے۔''

تو اس حدیث میں ان معروف اور نیکی کے کاموں کا ذکر فرمایا جن کا تعلق معاملات سے ہے حتی کہ نماز بھی ایک طرح سے آدھی عبادات میں اور آدھی معاملات میں آتی ہے کہ اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں اجتماعیت ہے کہ جس سے ایک دوسرے کو سہارا ملتا ہے اور جذبۂ ایمانی میں اضافہ ہوتا ہے اور اجتماعات سے، بالخصوص دینی اجتماعات سے معاشرہ مضبوط ہوتا ہے، ایک دوسرے کے لیے ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبات بڑھتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ الفت اور قربت پیدا ہوتی ہے اور ایک دوسرے کو بعض مسائل میں معاونت اور مشاورت حاصل ہوتی ہے۔

تو بات ہو رہی تھی کہ ان مبارک ایام سے مستفید ہونے کے لیے اگر چھوٹے چھوٹے اور آسان آسان کاموں پر بھی توجہ مرکوز رکھی جائے تو مقصود حاصل ہوسکتا ہے ان شاء اللہ۔

اور خود آپ ﷺ نے بھی ان مبارک ایام کی، عشرۂ ذوالحجہ کی فضیلت بیان کرنے کے بعد چھوٹے اور آسان کاموں کا ہی ذکر فرمایا کہ:

((فَأَكْثِرُوْا فِيهِنَّ مِنَ التَّهْلِيْلِ وَالتَّكْبِيْرِ، وَالتَّحْمِيْدِ))

(مسند احمد : ٧/ ٢٢٤)

''ان دنوں میں کثرت سے، لا اِلٰه الا اللّٰه، اللّٰه اکبر اور الحمد للّٰه کہو۔''

لہٰذا چند مزید ہلکے اور آسان کاموں کے بارے میں جاننے کی کوشش کرتے ہیں تا کہ ان ایام سے آسانی سے مستفید ہوا جا سکے۔

تو ایک حدیث میں آپ ﷺ نے ((كُلُّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ)) ''ہر معروف اور نیکی کا کام صدقہ ہے۔'' کا مژدہ سنانے کے بعد دو ہلکی سی نیکیوں کا ذکر بھی فرما دیا کہ:

((وَإِنَّ مِنْ الْمَعْرُوفِ أَنْ تَلْقَى أَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ))

''نیکی کے کاموں میں سے ایک یہ ہے کہ تم اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آؤ۔''

((وَأَنْ تُفْرِغَ مِنْ دَلْوِكَ فِي إِنَاءِ أَخِيكَ)) (ترمذي، كتاب البر والصلة : ١٩٧٠)

''اور یہ کہ تم اپنی بالٹی اور ڈول کو اپنے بھائی کے برتن میں خالی کر دو۔'' یعنی اپنے برتن کا پانی دوسرے کے برتن میں ڈال دو۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اندازہ کیجیے کہ یہ اتنی ہلکی سی نیکیاں ہیں کہ شاید ہمارے معاشرے میں ان کو نیکیاں بھی نہیں سمجھا جاتا، خندہ پیشانی سے پیش آنا، مسکرا کر بات کرنا، کسی سے ملتے وقت اور بات کرتے وقت چہرے پر بشاشت بکھیر لینا کون سا مشکل کام ہے، لیکن کچھ لوگوں کے لیے شاید یہ بھی مشکل ہوتا ہے۔

تو اس چھوٹی سی نیکی کو بھی آپ ﷺ نے صدقہ قرار دیا ہے، یعنی اس کا ثواب ایسے ہی ہے جیسے مال خرچ کرنے کا ثواب ہوتا ہے۔ اس چھوٹے سے نیکی کی بھی آپ ﷺ نے یوں ترغیب دی کہ فرمایا:

((لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ شَيْئًا وَلَوْ أَنْ تَلْقَى أَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ .)) (مسلم، كتاب البر والصلة : ٢٦٢٦)

''کسی بھی نیکی کو قطعاً حقیر نہ جانو چاہے آپ اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ خندہ پیشانی سے ہی پیش آئیں۔''

مطلب یہ کہ جس نیکی کو آپ حقیر سمجھ کر چھوڑ دو گے، ہوسکتا ہے وہی نیکی آپ کے لیے نجات کا ذریعہ بننے والی ہو، جیسا کہ مختلف واقعات میں ہم نے دیکھا کہ چھوٹی چھوٹی نیکیاں کچھ لوگوں کی نجات کا ذریعہ بن گئیں جیسا کہ کتے کو پانی پلانے والی عورت کا واقعہ ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ بڑے کاموں کا یقیناً بڑا اجر ہوتا ہے مگر چھوٹے نیکی کے کاموں کی ایک الگ ہی افادیت اور خصوصیت ہے اور وہ یہ کہ بڑے کام دین کے ہوں یا دنیا کے ہر آدمی سوچ سمجھ کر اور پلاننگ کے ساتھ کرتا ہے مگر چھوٹے کاموں کے لیے پلاننگ نہیں کرتا، وہ اس سے بے ساختہ ادا ہوتے ہیں اور وہی اس کی شخصیت کا مظہر ہوتے ہیں وہی اس کی اصلیت ہوتے ہیں، انھی سے آدمی پہچانا جاتا ہے، انھی روزمرہ کی عادتوں سے، صفات اور اخلاق سے معاشرے کو فائدہ ہوتا ہے یا نقصان ہوتا ہے۔

چنانچہ آپ ﷺ نے انھی چھوٹی چھوٹی باتوں کی ترغیب دی ہے، انھی پر زور دیا ہے اور ان کا بہت بڑا اجر بتایا ہے، لیکن ان کاموں کو اپنانا اور ان کی پابندی کرنا ہی سب سے مشکل

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

ہے کیونکہ اس کا مطلب ہوتا ہے اپنی اصلاح کرنا، اپنے آپ کو چیلنج کرنا، اپنے آپ پر ضبط کرنا، اپنے جذبات کو قابو میں رکھنا، لوگوں کے لیے دل میں خیر خواہی کے جذبات کو تقویت پہنچانا۔

لہٰذا ظاہر میں یہ چھوٹے چھوٹے کام، حقیقت میں لوگوں میں اک خوشگوار معاشرے کی بنیاد ہوتے ہیں۔معاشی خوشحالی انسانی معاشرے میں یقیناً ایک اہمیت رکھتی ہے مگر معاشرتی خوشگواری، خیر سگالی، ہمدردی و خیر خواہی، ایثار و قربانی، ادب و احترام، عزت و توقیر اور باہمی تعاون کے جذبات اور احساسات و خیالات معاشرے کے لیے زیادہ ضروری اور اہم ہوتے ہیں اور انہیں معاشی خوشحالی کی خواہشات اور دعووں اور وعدوں پر قربان نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی معاشی بدحالی کا اخلاقی رویوں پر کچھ اثر ہوتا ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین غریب تھے، تہی دست اور مفلس و نادار تھے، تن ڈھانپنے کو مناسب لباس دستیاب نہ ہوتا، کھانے کو خوراک میسر نہ ہوتی، زیادہ تر گزر اوقات کھجور اور پانی پر ہوتی اور کبھی یہ نوبت بھی آتی کہ پورے دن کے لیے صرف ایک ایک کھجور دستیاب ہوتی جسے وہ چوس کر گزارہ کرتے اور کئی کئی مہینے پیٹ بھر کر کھانا نصیب نہ ہوتا مگر انہوں نے ایک ایسے صالح، مضبوط اور ہم آہنگ معاشرے کی بنیاد رکھی کہ جہاں خود غرضی تھی نہ لالچ تھا، نہ ظلم و زیادتی تھی بلکہ سراسر ہمدردی اور خیر خواہی تھی اور ایسی خیر خواہی کہ تاریخ انسانی میں جس کی مثال نہیں ملتی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ساتویں آسمان سے ان کی مدح و تعریف کرتے ہوئے اور ان کی اس صفت اور خوبی کو بیان کرتے ہوئے قیامت تک کے لیے اک جیتی جاگتی تصویر بنا دیا اور فرمایا:

﴿ وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ ﴾ (الحشر : ۹)

''اور وہ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔''

اسی طرح ان کی بہت سی خوبیوں میں سے ایک خوبی اور صفت یہ بھی بیان فرمائی کہ:

﴿ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ﴾ (الفتح : ۲۹)

''وہ آپس میں بڑے رحمدل ہیں۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور یہ رحمدلی انہوں نے معلّمِ انسانیت، رسولِ رحمت، رحمت للعالمین ﷺ سے سیکھی۔

خود آپ ﷺ کے اخلاق عالیہ کی ایک جھلک ملاحظہ فرمایئے جسے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بہت قریب سے مشاہدہ کرنے کے بعد یوں بیان کرتی ہیں:

((إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ))

''آپ یقیناً صلہ رحمی کرتے ہیں۔''

((وَتَحْمِلُ الْكَلَّ))

''درماندوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔''

((وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ))

''تہی دستوں کا بندوبست کرتے ہیں۔''

((وَتَقْرِي الضَّيْفَ))

''مہمان کی میزبانی کرتے ہیں۔''

((وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ)) (بخاري، كتاب بدء الوحي : ۳)

''اور حق کے مصائب پر اعانت کرتے ہیں۔''

اور یہی اُس مثالی معاشرے کی چند بنیادی خصوصیات تھیں۔

تو حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی معاشرہ سماجی یکجہتی اور باہمی تعاون کے بغیر پروان نہیں چڑھ سکتا، پھل پھول نہیں سکتا اور یہ ضرورتیں ان اخلاقی خوبیوں کے بغیر نہیں ہوتیں جن کی اسلام ترغیب دیتا اور تاکید کرتا ہے۔

لیکن چونکہ یہ دور فتنوں کا دور ہے، جھوٹ کا دور ہے، دھوکے کا دور ہے، معیار اور پیمانے الٹ پلٹ اور خلط ملط ہونے کا دور ہے، اس دور میں سچ اور جھوٹ کے، حق اور باطل کے، صحیح اور غلط کے پیمانے ہی بدل گئے ہیں، سچوں کو جھوٹا اور جھوٹوں کا سچا قرار دیا جاتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((سَيَأْتِي عَلَى النَّاسِ سَنَوَاتٌ خَدَّاعَاتٌ ، يُصَدَّقُ فِيهَا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الْكَاذِبُ ، وَيُكَذَّبُ فِيهَا الصَّادِقُ ، ويُؤْتَمَنُ فِيهَا الْخَائِنُ وَيُخَوَّنُ فِيهَا الْأَمِينُ)) (ابن ماجة ، كتاب الفتن : ٤٠٣٦)

''فرمایا: عن قریب لوگوں پر ایک ایسا وقت آئے گا جس میں ہر طرف دھوکہ ہی دھوکہ ہوگا، جھوٹے کو سچا سمجھا جائے اور سچے کو جھوٹا سمجھا جائے گا، خائن کو امانت داراور امانت دار کو خائن سمجھا جائے گا۔''

چنانچہ بریں سبب معاشرے کی خوشحالی اور بدحالی کا، ترقی اور تنزلی کا، عروج اور زوال کا معیار بھی بدل جاتا ہے۔

آج معاشرے کی خوشحالی کا معیار، معاشی خوشحالی سمجھا جانے لگا ہے اور معاشی خوشحالی کہ جس کا سیاستدانوں کی طرف سے بڑا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے، وعدے اور دعوے کیے جاتے ہیں، سبز باغ دکھائے جاتے ہیں، اسے حقیقی کامیابی قرار دیا جاتا ہے، چنانچہ وہ معاشی خوشحالی کا راگ الاپتے اور ڈگڈگی بجاتے ہیں اور سادہ لوح عوام اس پر رقص کرتے اور جھومنے لگتے ہیں۔

آج ضرورت ہے یہ جاننے کی قرآن وحدیث کی روشنی میں معاشی خوشحالی کا مفہوم کیا ہے اور کن اصولوں پر چل کر لائی جاتی ہے، اس کی حقیقت جاننا ضروری ہے، کیونکہ یہ کوئی سادہ، چھوٹی سی اور معمولی بات نہیں ہے کہ اسے نظر انداز کر دیا جائے بلکہ اس کا تعلق عقیدے اور ایمان سے ہے اس کا تعلق انسان کی حقیقی کامیابی یا حقیقی تباہی سے ہے اس لیے اس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، البتہ کسی دوسرے وقت میں اس کی حقیقت جانے کی کوشش کریں گے۔ ان شاء اللہ

اس وقت اس ضمن میں صرف اتنی سی بات عرض کرنا چاہوں گا کہ جتنی ضرورت انسان کو معاشی خوشحالی کی ہے اس سے کہیں زیادہ ضرورت اسے اخلاقی خوشحالی کی ہے کہ قوموں کی زندگی ان کی اخلاقی خوشحالی سے وابستہ ہوتی ہے اور ان کی تباہی، ان کی اخلاقی بربادی سے وابستہ ہوتی ہے کہ:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

إِنَّمَا الْأُمَمُ الْأَخْلَاقُ مَا بَقِيَتْ
فَإِنْ هُمُو ذَهَبَتْ أَخْلَاقُهُمْ ذَهَبُوْا

''قومیں اپنے اخلاق کے سبب زندہ رہتی ہیں اور جب ان کے اخلاق رخصت ہوجائیں تو قومیں انحطاط اور زوال کا شکار ہوجاتی ہیں۔''

اس لیے اسلام نے سب سے زیادہ زور اخلاق کی تعلیم پر دیا ہے، بلکہ پورے دین کو ہی اخلاق کا نام دیا ہے، جیسا کہ فرمایا:

((إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ))

(الأدب المفرد، کتاب حسن الخلق : ۲۷۳)

''میں صرف اور صرف مکارم اخلاق کے اتمام کے لیے بھیجا گیا ہوں۔''

اور یہاں اخلاق سے مراد عقیدہ و ایمان بھی ہے، عبادات بھی ہیں، معاملات بھی ہیں اور بالخصوص اخلاق حسنہ بھی ہیں۔

اخلاق و آداب کوئی صرف زبان سے ادا ہونے والی بات ہی نہیں ہوتی جیسا کہ عموماً سمجھا جاتا ہے، بلکہ اس میں تمام شعبۂ ہائے زندگی شامل ہیں۔

لہٰذا عشرۂ ذوالحجہ کے بابرکت ایام سے مستفید ہونے کے لیے بڑی نیکیوں کے ساتھ ساتھ چھوٹی چھوٹی نیکیوں کو ضرور مدنظر رکھنا چاہیے کیونکہ بڑی نیکیوں کے لیے بسا اوقات آدمی پلاننگ ہی کرتا رہ جاتا ہے مگر اسے فرصت نہیں ملتی اور یوں وہ چھوٹی نیکیوں سے بھی محروم رہ جاتا ہے۔

اور چھوٹی نیکیوں پر عمل کرتے ہوئے یاد رہے کہ مصنوعی طریقے سے نہیں کرنی چاہئیں بلکہ انہیں اپنی فطرت ثانیہ بنالینا چاہیے۔

حقیقت یہ ہے کہ چھوٹی چھوٹی نیکیاں ہی کسی معاشرے کو خوبصورت اور خوشگوار بناتی ہیں، ایسا خوشگوار کہ جہاں سکونت اختیار کرنے کو جی چاہے، جس کی مثالیں دی جاسکیں، جہاں آدمی اپنائیت محسوس کرتا ہو۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

آپ کو یاد ہوگا کہ پہلے ہمارے معاشروں میں کیسا اپنائیت والا ماحول ہوا کرتا تھا بالخصوص دیہات میں امانت تھی، شرافت تھی، سادگی تھی، شرم وحیا تھی، لحاظ تھا، اپنائیت تھی، ہمدردی و خیرخواہی تھی، مگر آج کل ٹی وی اور انٹرنیٹ نے دیہات کا ماحول بھی خراب کر دیا ہے، ہر طرف خودغرضی اور اجنبیت ہے۔

بہرحال کسی نیکی کو کبھی حقیر مت جانیں، آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ کس طرح چھوٹی نیکیاں کبھی انسان کی دنیا اور آخرت کی زندگی کا دھارا ہی بدل دیتی ہیں، اس کی بہت سی مثالوں میں سے چند ایک مثالیں ذکر کرتا ہوں، وہ حدیث یقیناً آپ نے بارہا مرتبہ سن رکھی ہوگی جس میں ایک بار آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے دریافت فرمایا:

((مَنْ أَصْبَحَ مِنكُمُ الْيَوْمَ صَائِمًا))

''آج تم میں سے کون روزے سے ہے؟''

((قَالَ أَبُو بَكْرٍ رضی اللہ عنہ أَنَا))

''تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میں۔''

((قَالَ فَمَنْ تَبِعَ مِنْكُمُ الْيَوْمَ جَنَازَةً))

''پھر آپ ﷺ نے پوچھا: آج تم میں سے جنازے کے ساتھ کون گیا ہے؟''

((قَالَ أَبُو بَكْرٍ رضی اللہ عنہ أَنَا))

''تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میں۔''

((قَالَ فَمَنْ أَطْعَمَ مِنْكُمُ الْيَوْمَ مِسْكِينًا))

''پھر آپ ﷺ نے پوچھا: آج تم میں سے کس نے کسی مسکین کو کھانا کھلایا؟''

((قَالَ أَبُوبَكْرٍ رضی اللہ عنہ أَنَا))

''تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے۔''

((قَالَ فَمَنْ عَادَ مِنْكُمُ الْيَوْمَ مَرِيضًا))

''پھر آپ ﷺ نے فرمایا: آج تم میں سے کس نے کسی مریض کی تیمارداری کی؟''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((قَالَ أَبُو بَكْرٍ ﷺ أَنَا))

''تو حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے۔''

((فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مَا اجْتَمَعْنَ فِي امْرِئٍ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ))

(مسلم ، كتاب فضائل الصحابة : ١٠٢٨)

''تو اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: یہ ساری خوبیاں جس شخص میں اکٹھی ہو جائیں وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔''

علماء کرام اس کا مفہوم یہ بیان کرتے ہیں کہ ایسا شخص بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہوگا۔

تو آپ نے ملاحظہ کیا کہ چھوٹی چھوٹی نیکیوں کا اتنا بڑا اجر وانعام بتایا گیا ہے کہ جس سے آدمی کی زندگی ہی بدل جاتی ہے۔ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کا قصہ ملاحظہ کیجیے کہ دوعورتوں کے جانوروں کو پانی پلانے پر کس طرح فی الفور امان بھی مل گئی، نیک اور صالح بیوی بھی مل گئی اور خوشحال اور خوشگوار زندگی بھی میسر آ گئی۔

آپ کی اک چھوٹی سی نیکی کس طرح کسی کے لیے ایک بہت بڑی نیکی ثابت ہوسکتی ہے، اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا، جیسا کہ کہتے ہیں کہ ایک بوڑھا آدمی بیٹھا بھیک مانگ رہا تھا، ایک لڑکی اس کے پاس سے گزری، رک کر پرس نکالا کہ اس کو کچھ دے مگر پرس خالی نکلا، اس نے اس بوڑھے آدمی سے معذرت کرتے ہوئے کہا: ابا! میں پیسے گھر بھول آئی ہوں ابھی جا کے لاتی ہوں اور آپ کو دیتی ہوں، تو اس بوڑھے آدمی نے کہا: بیٹی کوئی بات نہیں، تم نے جو کچھ مجھے دے دیا ہے آج تک کبھی کسی نے نہیں دیا، تم نے مجھے ابا کہہ کر پکارا ہے۔ یعنی عزت دی ہے، مگر آج کل بچوں کو عزت کرنا سکھایا ہی نہیں جاتا، جو کچھ سکھایا جاتا ہے وہ آپ کو معلوم ہی ہے، اللہ تعالیٰ ہماری اولادوں کو اس سے محفوظ فرمائے۔

بہرحال کسی نیکی کو حقیر مت جانیں کہ اسی حقیر سی نیکی سے کسی کی دنیا بھی بدل سکتی ہے اور کسی کی آخرت بھی سنور سکتی ہے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبۂ عید الاضحیٰ

اللّٰہ اکبر ، اللّٰہ اکبر ، اللّٰہ اکبر ، اللّٰہ اکبر ، اللّٰہ اکبر ، اللّٰہ اکبر ، اللّٰہ اکبر ، اللّٰہ اکبر ، اللّٰہ اکبر ، اللّٰہ اکبر ، لا الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر ، اللّٰہ اکبر وللّٰہ الحمد۔

اللّٰہ اکبر کبیرا ، والحمد للّٰہ کثیرا ، وسبحان اللّٰہ بکرۃ واصیلا۔

ان الحمد للّٰہ ، نحمدہ و نستعینہ ونستغفرہ......

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦٢﴾ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿١٦٣﴾﴾ (الانعام : ١٦٢ ، ١٦٣)

آج کا دن جو کہ عید الاضحیٰ کا دن ہے، سال بھر کے ایام میں سے سب سے افضل دن ہے جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَفْضَلُ الْأَيَّامِ عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمُ النَّحْرِ وَيَومُ الْقَرِّ))

(ابن ماجۃ ، باب العیدین : ٢٨١١)

''سب سے افضل ایام اللہ تعالیٰ کے ہاں، قربانی کا دن اور استقرار کا دن ہے۔''

اور استقرار کا مطلب ٹھہرنے کا دن اور اس سے مراد وہ دن ہے جب حج کے باقی اعمال ایک ہی جگہ یعنی منیٰ میں ٹھہرتے ہوئے ہی کیے جاتے ہیں اور وہ قربانی کے بعد کا دن ہے۔

عید کا معنی ومفہوم تو ہم ہر سال ہی عید کے خطبے میں سنتے ہیں اور اس بات کا بھی کئی بار ذکر ہوا کہ خوشی اور مسرت انسان کی بنیادی ضرورت ہے اور یہ بات تو بالکل بدیہی ہے کہ زندگی کے دیگر تمام شعبوں اور تمام کاموں کی طرح خوشی اور غمی کے بھی کچھ قواعد وضوابط اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اصول وآداب ہیں۔

کسی چیز کے قواعد وضوابط نہ ہونے کا مطلب، اس کا غیر موزوں، غیر مرتب، غیر منظّم، غیر اہم، بے ہنگم اور بے ڈھنگا پن ہونا ہوتا ہے، جیسا کہ خود روسبزہ اور جڑی بوٹیاں وغیرہ جو کہ باقاعدہ اک منصوبے اور ارادے کے ساتھ اور منظّم طریقے سے کاشت کیے گئے اناج، سبزیوں، پودوں اور درختوں کے مقابلے میں ہوتا ہے، اگرچہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ بھی حکمت، نظام، مقصد اور ارادے کے بغیر نہیں ہوتا، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۱۶﴾﴾ (الانبیاء : ۱۶)

''ہم نے اس آسمان اور زمین کو اور جو کچھ بھی ان میں ہے کچھ کھیل تماشے کے طور پر نہیں بنایا ہے۔''

اور فرمایا:

﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا﴾ (صٓ : ۲۷)

''ہم نے اس آسمان اور زمین کو اور جو کچھ بھی ان کے درمیان ہے، فضول پیدا نہیں کر دیا ہے۔''

اور فرمایا:

﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ (الحجر : ۸۵)

''اور ہم نے زمین اور آسمان کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے صرف حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔''

تو کائنات کی ہر چیز چاہے بظاہر وہ بے کار، فضول اور عبث ہی نظر آتی ہو، وہ بھی ایک نظام کے تحت اور ایک مقصد کے لیے وجود میں آئی ہے اور نہایت ہی مناسب، متناسب اور موزوں ہے، اس میں ہرگز کوئی افراط وتفریط نہیں، کوئی بے قاعدگی اور بدنظمی نہیں ہے۔

اسی طرح خوشی اور غمی جو کہ انسان کے قلبی جذبات اور احساسات کا نام ہے، جو انسان کی بنیادی اور فطری ضرورت ہے کہ اگر خوشی نہ ہوتی تو دنیا کی ہر نعمت اور ہر لذت بے معنی ہو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جاتی اور اگر غمی نہ ہوتی تو انسان کبھی کسی دکھ، درد، تکلیف، مصیبت، پریشانی، ظلم و زیادتی اور ناانصافی کا احساس نہ کر پاتا، اس کی پرواہ نہ کرتا اور اپنے آپ کو اس حالت سے نکالنے کے لیے ہرگز کوئی جدوجہد نہ کرتا، چنانچہ دنیا کی کشش، رونق اور چاشنی ختم ہو جاتی، انسان بے جان چیزوں کی طرح بے حس ہو جاتا، چھاؤں میں بٹھایا جاتا تو خوشی نہ ہوتی، دھوپ میں بٹھایا جاتا تو غم نہ ہوتا۔

تو خوشی اور غمی جو کہ انسان کی بنیادی اور فطری ضرورت ہے جب انسان کی زندگی میں اس قدر اہمیت رکھتی ہے اور پھر اس میں کمی اور زیادتی، افراط وتفریط اور اس کے حد سے گزر جانے کا بھی یقینی حد تک اندیشہ ہے اور مشاہدات بتلاتے ہیں کہ اس کے سنگین نتائج بھی برآمد ہوتے ہیں تو ایسے میں اسے قواعد وضوابط کا پابند کیے بغیر کیسے چھوڑا جا سکتا ہے۔

اور صرف خوشی اور غمی ہی نہیں بلکہ دین و دنیا کی ہر چیز اعتدال میں ہے، اعتدال میں رہنا ہی ضروری ہے اور اعتدال میں ہی اچھی لگتی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا نظام ہے۔

﴿لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝۴۰﴾ (یس : ٤٠)

”نہ سورج کے بس میں ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن پر سبقت لے جا سکتی ہے، سب ایک ایک فلک میں تیر رہے ہیں۔“

﴿اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ۝۴۹﴾ (القمر : ٤٩)

”ہم نے ہر چیز ایک تقدیر کے ساتھ پیدا کی ہے۔“

کائنات کی کوئی ایک چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی بے تدبیر، بے تکی، بے مقصد، بے ڈھنگی اور الل ٹپ پیدا نہیں کی گئی بلکہ ایک مقصد اور ایک نظام کے تحت پیدا کی گئی ہے۔

تو کائنات کی ہر چیز باقاعدہ اک نظام کے تحت معرض وجود میں لائی گئی ہے، جس کا معنی اور جس کا مطلب اور مقصد یہ ہے کہ ہر چیز اپنی اپنی حدود میں رہے، اعتدال میں رہے اور حد سے تجاوز نہ کرے کہ جب بھی کوئی چیز اپنی حد سے تجاوز کرتی ہے تو بگاڑ، خرابی اور فساد

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

پیدا ہوتا ہے، ٹکراؤ پیدا ہوتا ہے۔

دنیا کے معاملات میں تو یہ بات آسانی سے سمجھی جا سکتی ہے کہ گاڑی اگر اپنی لین میں رہنے کے بجائے زگ زیگ کرتی ہوئی چلے گی تو ایکسیڈنٹ کا خطرہ تو ہوگا اور اگر اپنی لین سے نکل کر سامنے سے آنے والی ٹریفک کی لین میں گھس جائے گی تو شدید ایکسیڈنٹ کا خطرہ ہوگا، مگر دین کے معاملے میں بے اعتدالی اس سے کہیں زیادہ سنگین ہوتی ہے۔

جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((يَاأَيُّهَا النَّاسُ! إِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فِي الدِّيْنِ))

''اے لوگو! دین میں غلو کرنے سے بچو۔''

((فَإِنَّمَا أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ اَلْغُلُوُّ فِي الدِّيْنِ))

(ابن ماجة، كتاب المناسك: ١٤٨)

''کہ تم سے پہلی قوموں کو غلو فی الدین نے ہی ہلاک کیا تھا۔''

غلو کا مطلب حد سے تجاوز کرنا ہے۔ زیادتی اور اضافہ ہو تو حد سے تجاوز ہے۔

اسلام دینِ اعتدال ہے، جو ہر چیز میں اعتدال اور میانہ روی کا درس دیتا ہے، ایسے ہی خوشی اور غمی میں بھی اعتدال سکھاتا ہے۔

جہاں تک خوشی کا تعلق ہے تو خوشی کی چند اقسام ہیں، ان میں کچھ محمود اور مطلوب ہیں اور اس کی بھی حدود قیود ہیں اور خوشی کی کچھ دوسری اقسام ہیں جو مذموم اور ناپسندیدہ اور ممنوع ہیں، خلاصہ اس کا یہ ہے کہ نیکی پر خوش ہونا مطلوب اور محمود ہے اور گناہ کے کام پر خوش ہونا مذموم اور ممنوع ہے، جیسا کہ آیات واحادیث میں ان کی تفصیل موجود ہے۔

جبکہ غم وحزن نہ مطلوب ہے اور نہ محمود ہے، بلکہ اس سے منع کیا گیا ہے، کیونکہ اس کا انسان کو ہرگز کوئی فائدہ نہیں ہے بلکہ سراسر نقصان ہی نقصان ہے، چنانچہ قرآن پاک میں متعدد مقامات پر غم وحزن سے منع کیا گیا ہے، جیسا کہ فرمایا:

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

﴿ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝١٣٩ ﴾

(آل عمران : ۱۳۹)

''اور سستی نہ کرو اور غمگین نہ ہو، تم ہی غالب رہو گے، اگر تم مؤمن ہو۔''

اور ایک جگہ فرمایا:

﴿ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ﴾ (التوبہ : ٤٠)

''غم نہ کر، اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔''

اسی طرح دیگر متعدد آیات بھی ہیں، البتہ اگر مسلمان کو غم پہنچتا ہے تو اس کا اجر ضرور ملتا ہے۔

یوں تو انسان کی زندگی میں بے شمار خوشیاں آتی ہیں اور لوگوں کی غالب اکثریت خوشی کے ان موقعوں پر اکثر و بیشتر حد سے تجاوز کر جاتی ہے لیکن خوشی کے یہ دو دن، عید الفطر اور عید الاضحیٰ جو کہ خصوصی طور پر خوشی کے لیے مقرر کیے گئے ہیں، حالانکہ خالصتاً اک دینی خوشی کے تہوار ہیں مگر دیکھنے میں آتا ہے کہ خوشی کے ان موقعوں پر بھی لوگ حد سے تجاوز کر جاتے ہیں۔

اب دیکھیں ایک طرف ثواب کی نیت سے سنت ابراہیمی پر عمل کرتے ہوئے جانور ذبح کرتے ہیں مگر دوسری طرف بکریوں کی کیٹ واک اور مقابلۂ حسن اور انہیں فلمی ستاروں کے ناموں سے موسوم کرنا، سنت کا استخفاف اور حد سے تجاوز نہیں تو اور کیا ہے۔

عید کی خوشی جو کہ جائز اور مباح بلکہ مطلوب و محمود خوشی ہے، اس میں حد سے تجاوز کرتے ہوئے اسے کھیل تماشا بنا دیا گیا ہے، دین کی روح گم ہو چکی ہے، اب صرف اک رسم رہ گئی ہے، اصلاح کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، کیونکہ نہ گھر سے اس کی تربیت ملتی ہے، نہ مسجدوں اور مدرسوں میں اس کی اصلاح کا کام ہوتا ہے، نہ حکومتی سطح پر اس کا کوئی اہتمام کیا جاتا ہے بلکہ اس کے برعکس ناچ گانے اور ہلڑ بازی کی ترغیب دی جاتی ہے، اسلامی معاشرے کی کہیں کوئی جھلک نظر نہیں آتی۔

اب تو صرف ایک ہی صورت نظر آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا خصوصی فضل فرماتے ہوئے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امت مسلمہ کو اس بے راہ روی سے نکال کر صراط مستقیم پر گامزن کر دے، تاہم انفرادی طور پر کوئی آدمی اس ذمہ داری سے بری الذمہ نہیں ہوسکتا، ہر شخص کو بقدر استطاعت اپنے گھر سے ابتدا کرتے ہوئے اصلاح کا کام کرنا ہوگا کہ:

((كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ))

(بخاري، كتاب الاحكام : ٧١٣٨)

''تم میں سے ہر شخص سرپرست اور نگہبان ہے اور تم میں سے ہر شخص ذمہ دار اور جواب دہ ہے۔''

اقول قولی هذا واستغفر اللّٰه العظیم لی ولکم ولسائر المسلمین من کل ذنب انه هو الغفور الرحیم۔

اللهم الف بين قلوبنا واصلح ذات بيننا، واهدنا سبل السلام ونجنا من الظلمات الى النور، وجنبنا الفواحش ما ظهر منها وما بطن، وبارك لنا فی اسماعنا، وابصارنا، وقلوبنا وازواجنا وذُرِّياتنا، وتب علينا انك انت التواب الرحيم واجعلنا شاكرين لِنعمك مثنين بها عليك، قابلين لها، واتممها علينا، اللهم اصلح لنا ديننا الذى هو عصمة امرنا، واصلح لنا دنيانا التى فيها معاشنا، واصلح لنا آخرتنا التى فيها معادنا، واجعل الحياة زيادة لنا فی كل خير، واجعل الموت راحة لنا من كل شر، اللهم انا نعوذ برضاك من سخطك، وبمعافاتك عن عقوبتك، ونعوذ بك منك، لا نحصى ثناءً عليك، انت كما اثنيت على نفسك۔ اللهم انا نسألك موجبات رحمتك، وعزائم مغفرتك، والسلامة من كل اثم، والغيمة من كل بِر، والفوز بالجنة والنجاة من

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

النار۔

اللّٰھم احسن عاقبتنا فی الأمور کلھا ، واجرنامن خزیِ الدنیا وعذاب الآخرۃ

ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار۔

ربنا تقبل منا انك انت السمیع العلیم ، وتب علینا انك انت التواب الرحیم۔

وصلی اللّٰہ تعالٰی علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین ، برحمتك یا ارحم الراحمین۔ آمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تنگدستی کا حل کہاں تلاش کریں

﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝٩٦﴾ (الاعراف : ٩٦)

یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان کو زندگی میں بے شمار مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے، آدمی اپنی سمجھ بوجھ اور اپنی دانست کے مطابق مسائل کا حل تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے، اگر سمجھ نہ آئے تو کسی اپنے سے زیادہ سمجھدار، پڑھے لکھے اور تجربہ کار سے مشورہ کر لیتا ہے اور اگر پھر بھی سمجھ نہ آئے تو کسی Consulting firm کی خدمات حاصل کر لیتا ہے، غرضیکہ وہ مسائل کے حل کے لیے آگے سے آگے بڑھتا چلا جاتا ہے، اس کی اس جدوجہد میں ایک بات یقینی ہے کہ وہ حل کی تلاش میں جہاں تک بھی چلا جائے اس میں غلطی کا امکان بہرحال موجود رہتا ہے، لیکن اگر اسے باوثوق ذرائع سے کسی ایک ایسی کتاب کا پتہ لگ جائے کہ جس میں اس کے کسی ایک نہیں بلکہ تمام مسائل کا حل موجود ہو اور اس میں غلطی کا امکان بھی زیرو پرسنٹ ہو تو وہ بھلا کیا کرے گا؟ یقیناً فوری طور پر اس کتاب کی طرف دیکھے گا، لیکن اگر وہ ایسا نہ کرے بلکہ اپنے انہی ذرائع پر اکتفا اور یقین کرتے ہوئے مسائل کے حل کے لیے کوششیں جاری رکھے تو ایسے شخص کو کیا کہیں گے؟

مجھے یہاں پنجابی کا ایک شعر یاد آ رہا ہے جو شیخ القرآن مولانا محمد حسین شیخوپوری رحمہ اللہ کا ہے کہ:

دن ہندیاں جیہڑا دیوا بالے احمق اس نوں کہیے
تے احمد ہندیاں جیہڑا مرشد ڈھونڈے اس دا نام کی لیّے

"دن کی روشنی میں جو آدمی چراغ جلائے اسے احمق کہا جاتا ہے اور جو شخص محمد

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کے مرشد و رہنما ہوتے ہوئے کسی اور کو اپنا مرشد بنا لے تو اسے کیا کہیں گے۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے اپنا خصوصی فضل و کرم اور عنایت و مہربانی کرتے ہوئے تمام بنی نوع انسان کو بالعموم اور اہل ایمان کو بالخصوص ایک ایسے ہدایت نامے سے نوازا جو سراسر رحمت ہے، کامل ہدایت و رہنمائی ہے، غلطیوں اور خامیوں سے، عیوب و نقائص سے، شکوک وشبہات اور تضادات سے مکمل طور پر پاک صاف ہے۔

اللہ تعالیٰ نے وہ ہدایت نامہ جن وانس کو دینے کا وعدہ کرتے ہوئے انہیں ایک خوشخبری بھی سنائی کہ:

﴿فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٣٨﴾﴾ (البقرہ : ۳۸)

’’تو جولوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے ان پر کوئی خوف اور غم نہ ہوگا۔‘‘

اس خوش خبری میں دو باتوں کا ذکر فرمایا: خوف کا اور غم کا، اسی طرح ایک دوسرے مقام پر ایک اور خوش خبری کے ذریعے دو اور باتوں کا ذکر فرمایا:

﴿فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَىٰ ﴿١٢٣﴾﴾ (طٰہٰ : ۱۲۳)

’’جو کوئی میری اس ہدایت کی پیروی کرے گا، وہ نہ بھٹکے گا اور نہ بدبختی میں مبتلا ہوگا۔‘‘

غم گزرے ہوئے دکھ، درد، تکلیف، مصیبت اور پریشانی پر ہوتا ہے اور خوف کسی آنے والی مصیبت اور پریشانی پر۔

تو اس ہدایت نامے کی اتباع اور پیروی کے نتیجے میں آدمی کو چار چیزوں سے امان مل جاتی ہے، خوف سے، غم سے، بھٹکنے اور گمراہ ہونے سے اور بدبختی سے۔

ہدایت نامے کی اتباع کرنے والے سے چار چیزوں کی نفی کا مطلب ان کی اضداد کا اثبات ہے، مطلب یہ کہ جیسے بیماری کی ضد صحت وتندرستی ہے اور جب کہا جائے کہ آدمی بیمار نہیں ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ آدمی صحت مند اور تندرست ہے، لہٰذا جب کہا جائے کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خوف اور غم نہیں ہوگا تو اس کا مطلب ہوگا کہ مکمل طور پر امن و امان ہوگا، اور مکمل امن و امان اس وقت حاصل ہوسکتا ہے جب آدمی کی ان دونوں قسم کی اذیتوں سے خلاصی ہو جائے، کسی گذشتہ مصیبت اور نقصان پر غمگین اور رنجیدہ ہونے سے نجات مل جائے اور کسی متوقع مصیبت اور پریشانی سے امان مل جائے۔

سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی گئی ہدایت کی پیروی کرنے سے خوف وغم سے کس طرح نجات مل جاتی ہے؟ تو اصل میں تو اس کا جواب تفصیل کا متقاضی ہے مگر مختصراً یہ ہے کہ تقدیر پر پختہ یقین اور ایمان حاصل ہونے سے یہ کیفیتیں خود بخود کافور ہو جاتی ہیں۔

دوسرے دو انعامات جو ہدایت کی پیروی کرنے پر حاصل ہوتے ہیں، بھٹکنے اور گمراہ ہونے سے محفوظ رہنے کا وعدہ اور بدبختی کا شکار ہونے سے امان کی ضمانت۔

بھٹکنے سے محفوظ رہنے کا مطلب، ہدایت، راہ راست اور صراط مستقیم پر گامزن رہنا اور بدبختی سے محفوظ رہنے کا مطلب، خوش نصیبی اور سعادت مندی حاصل ہونا ہے۔

اب ذرا غور کیجیے کہ یہ چار چیزیں نعمت اسلام کے بعد کتنی بڑی نعمتیں ہیں! یہ اتنی بڑی نعمتیں ہیں کہ ہر ایک شخص انہی کی تلاش میں عمر بھر سرگرداں رہتا ہے اور یہ اتنی بڑی نعمتیں ہیں کہ دنیا بھر کی دولت سے خریدی نہیں جا سکتیں اور یہ اتنی بڑی اور اتنی نایاب نعمتیں ہیں کہ صرف اور صرف ایک ہی جگہ پر دستیاب ہیں اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہدایت نامے کے اندر، اور ان کی قیمت اس ہدایت کی پیروی اور اتباع ہے۔

ہم میں سے ہر شخص یقیناً ان چیزوں کا متلاشی ہے اور انہی کا حصول اس کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش ہے اور اسے سب سے بڑی کامیابی سمجھتا ہے اور اس کی تمام تر سعی و جہد، تمام تر کوششیں انہیں چیزوں کے حصول کے لیے صرف ہوتی ہیں، یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ یہ مطلوب کہاں دستیاب ہے اور کس طرح حاصل ہوتا ہے، ہم اسے کہاں تلاش کرتے ہیں اور کس طریقے سے تلاش کرتے ہیں، یہ سوال ہم میں سے ہر ایک کو اپنے آپ سے کرنا ہے، اپنے ضمیر سے کرنا ہے، مگر جواب سے پہلے یہ بات ذہن میں رکھ لینا ضروری ہے کہ ہم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

صرف اپنے آپ کو دھوکہ دے سکتے اور بے وقوف بنا سکتے ہیں، کسی اور کو نہیں، یعنی اگر وہ سمجھتا ہے کہ اس نے کسی کو دھوکہ دے لیا اور بے وقوف بنا لیا ہے تو اس کا حقیقی اور حتمی نقصان خود اسی کو ہوگا۔

یہ تو خیر تمہید تھی، اب آیئے اصل موضوع کی طرف:

ان بے شمار مسائل میں سے کہ انسان کو زندگی میں جن کا سامنا کرنا پڑتا ہے انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی، ان میں سے ایک بڑا مسئلہ ہے اقتصادیات کا، پھر اس کی آگے کئی ایک شاخیں ہیں جیسا کہ اس وقت دنیا کے جو دس (۱۰) سب سے بڑے مسئلے ہیں، ان میں سے ایک غربت ہے اور ایک اقتصادی مواقع اور روزگار کی کمی کا مسئلہ ہے اور ایک خوراک اور پانی کی حفاظت کا مسئلہ ہے اور یہ تینوں مسئلے حقیقت میں ایک ہی ہیں۔

اسی طرح ایک مسئلہ موسمیاتی تبدیلی یا ماحولیاتی تباہی کا ہے۔ لوگ ان مسائل کے حل کے لیے یقیناً فکر مند اور پریشان ہیں، انفرادی طور پر بھی اور قومی اور حکومتی سطح پر بھی اور اپنی بساط، اپنی استطاعت اور اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق مسائل کا حل تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور جزوی اور وقتی کامیابی حاصل بھی ہوتی ہے مگر کسی نہ کسی حد تک وہ مسائل اپنی جگہ موجود رہتے ہیں اور کچھ عرصے بعد پھر سر اٹھا لیتے ہیں، لیکن تعجب ہے اسلام کے نام لیواؤں پر کہ کوئی اسلام کے تجویز کردہ حل کے مطابق اپنے مسائل حل کرنا چاہتا ہی نہیں اور دعویٰ یہ ہے کہ وہ اسلام پر صدق دل سے ایمان رکھتے ہیں، اس کی ہر بات کو حق اور سچ مانتے ہیں اور اسلام ہی کو دنیا و آخرت کی کامیابی کا ضامن سمجھتے ہیں، مگر ملک چلانے کے لیے، رزق حاصل کرنے کے لیے اور ترقی کی منزلیں طے کرنے کے لیے نظام غیروں کا پسند کرتے ہیں۔

تاہم اب آیئے دیکھتے ہیں کہ اسلام ان مسائل کا کیا حل پیش کرتا ہے، بالخصوص اقتصادیات کا مسئلہ کیسے حل کرتا ہے۔

سب سے پہلے یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ رزق جسے دنیا کے بڑے بڑے مسائل میں سے ایک بڑا مسئلہ سمجھا جاتا ہے سرے سے کوئی مسئلہ ہے ہی نہیں، اس لیے کہ اللہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تعالیٰ نے خود اپنے فضل خاص سے اس کی ذمہ داری لے رکھی ہے، جیسا کہ فرمایا:

﴿وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَ يَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَ مُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾ (هود: ٦)

''اور زمین پر چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ کے ذمے نہ ہو، اور جس کے متعلق وہ جانتا نہ ہو کہ وہ کہاں رہتا ہے اور کہاں سونپا جاتا ہے، سب کچھ کتاب مبین میں موجود ہے۔''

یہ بات آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات بے حد وحساب ہیں۔

﴿وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ﴾ (المدثر: ٣١)

''اور تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔''

اور یقیناً اس کی جاندار مخلوقات کا احاطہ بھی کوئی نہیں کر سکتا، وہ آسمانوں میں ہیں، فضا میں ہیں، زمین پر ہیں، زمین کے نیچے ہیں، سمندروں میں ہیں، پہاڑوں میں ہیں اور کوئی اتنی چھوٹی بھی ہیں کہ جنہیں سر کی آنکھ سے نہیں دیکھا جا سکتا، جنہیں ٹیلی سکوپ، مائیکروسکوپ اور دیگر ڈیوائسز کی مدد کے بغیر نہیں دیکھا جا سکتا، مگر اللہ تعالیٰ کو ان کے ٹھکانے معلوم ہیں، ان کے گھروں کے ایڈریسز معلوم ہیں، شہر، محلّہ، گلی اور مکان نمبر معلوم ہے، اپارٹمنٹ نمبر معلوم ہے اور بیڈ روم معلوم ہے، اللہ تعالیٰ کو ان کا رزق ان تک پہنچانے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی اور ان کے پاس ملک الموت کو بھیجنے میں بھی کوئی دقت نہیں ہوتی اور اللہ کو یہ بھی معلوم ہے کہ ان مخلوقات کو مر کر دفن کہاں ہونا ہے۔

﴿وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا﴾ (هود: ٦)

اللہ تعالیٰ کو اس کے گھر سے اس کی قبر تک کے ایک ایک انچ کا پتا ہے۔

کسی کا رزق مس ہونے کے کوئی چانسز نہیں ہیں، اس کے فرشتے کسی کا رزق بھول کر، یا غلطی سے کہیں اور ڈیلیور نہیں کر دیتے، لیٹ نہیں ہوتے، چھٹی نہیں کرتے، ناغہ نہیں کرتے، انکار نہیں کرتے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿لَّا يَعْصُونَ اللَّهَ مَآ أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾ (التحریم : ٦)

”وہ اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے، جو حکم دیا جاتا ہے اسے بجالاتے ہیں۔“

تو کیا اللہ کے وعدے پر یقین نہیں ہے، اس کی قدرت، طاقت اور اختیارات پر یقین نہیں ہے، کیا اس پر بھروسہ نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جو رزق کا ذمہ لیا ہے تو یہ اس کا فضل، اس کا کرم اور سراسر اس کی مہربانی ہے، ورنہ وہ کہہ سکتا تھا کہ تمہیں عقل دی ہے، صلاحیت دی ہے، ہاتھ پاؤں دیئے ہیں، وسائل دیئے ہیں، اختیارات دیئے ہیں، اب جاؤ اپنا رزق خود تلاش کرو۔ رزق کی تلاش کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے کا تو اب بھی حکم ہے، لیکن جو رزق ملتا ہے تو اس کے وعدے اور تقسیم کے مطابق ملتا ہے۔

تو بات ہو رہی تھی کہ رزق کا مسئلہ سرے سے کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے، تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا خود وعدہ فرمایا ہے اس کے لیے بہت فکر مند اور پریشان ہیں اور ہدایت کہ جس کا وعدہ نہیں فرمایا، اس کے لیے کوئی فکر مندی نہیں ہے، البتہ اس بات کا یقین ضرور دلایا ہے کہ:

﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ (العنکبوت : ٦٩)

”جو لوگ ہماری خاطر کوشش کرتے ہیں، انہیں ہم اپنے راستے ضرور دکھائیں گے۔“

رزق تو اللہ تعالیٰ نے کائنات بناتے وقت، زمین و آسمان کی تخلیق فرماتے وقت ٹھیک ٹھیک ضرورت کے مطابق رکھ دیا تھا۔ جیسا کہ فرمایا:

﴿قُلْ أَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُونَ لَهُ أَندَادًا ذَٰلِكَ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿٩﴾﴾ (حم السجدہ : ٩)

”اے نبی! ان سے کہو کیا تم اس ذات سے کفر کرتے ہو اور دوسروں کو اس کا ہم سر ٹھہراتے ہو جس نے زمین کو دو دنوں میں بنا دیا، وہی تو سارے جہاں والوں

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

کا رب ہے۔“

﴿وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِن فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً لِّلسَّائِلِينَ ﴾ (حم السجده : ۱۰)

زمین کو وجود میں لانے کے بعد، اس نے اوپر سے اس پر پہاڑ جما دیئے اور اس میں برکتیں رکھ دیں اور اس کے اندر سب مانگنے والوں کے لیے، ہر ایک کی طلب وضرورت کے مطابق ٹھیک اندازے سے خوراک کا سامان مہیا کر دیا۔ یہ سب کام چار دن میں ہو گئے۔ یعنی دو دن میں زمین بنانا اور دو دن میں اس کے اندر رزق پھیلانا اور پھر اس کے بعد دو دن میں سات آسمان بنانا۔

﴿فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ فِي يَوْمَيْنِ﴾ (حم السجده : ۱۲)

”پھر دو دن کے اندر سات آسمان بنا دیئے۔“

تو رزق کوئی بڑا مسئلہ تو کیا، سرے سے کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔اس کا اس نے وعدہ فرما رکھا ہے، پہلے سے انتظام کر رکھا ہے اور وہ انسان کے دنیا میں آنے سے پہلے تیار بھی ہو جاتا ہے، اس لیے رزق کوئی مسئلہ نہیں ہے، البتہ اسے مسئلہ بنا ضرور لیا گیا ہے اور وہ ہے تجوریاں بھرنے کے لیے، ذخیرہ کرنے کے لیے، گن گن کر رکھنے کے لیے، سہولتوں اور تن آسانیوں کے لیے، دوسروں سے آگے نکل جانے کے لیے، اپنی حیثیت بنانے کے لیے، غریبوں پر رعب جمانے کے لیے، شہرت کے لیے اور اپنی انانیت کی تسکین کے لیے، ورنہ رزق تو آدمی کے لیے اتنا بھی کافی ہے کہ اسے ایک وقت کا کھانا نصیب ہو جائے، بلکہ کافی سے بھی زیادہ ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے جو کہ ہم کئی بار پہلے بھی سن چکے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ أَصْبَحَ مِنْكُمْ آمِنًا فِي سِرْبِهِ مُعَافًى فِي جَسَدِهِ عِنْدَهُ قُوتُ يَوْمِهِ فَكَأَنَّمَا حِيزَتْ لَهُ الدُّنْيَا)) (ترمذي ، كتاب الزهد : ٢٣٦٤)

”تم میں سے جو کوئی اپنے گھر اور اپنے اہل خانہ میں امن وامان سے ہو، جسمانی طور پر تندرست ہو، اس کے پاس اس دن کا کھانا موجود ہو تو ایسے شخص کے لیے

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

گویا دنیا سمیٹ کر رکھ دی گئی ہے۔''

یعنی ایک دن کا رزق موجود ہو اور اگلے روز کا پتا نہ ہو کہ کہاں سے آئے گا، تو ایسا شخص دوسری دو نعمتوں کے ساتھ اتنا بڑا خوش نصیب انسان قرار دیا گیا ہے کہ گویا اس کو پوری دنیا کی نعمتیں مل گئیں۔

اور یہ بات کوئی تصوراتی اور خیالی نہیں ہے کہ اتنا رزق انسان کے لیے کافی ہے، جب اس رزق پر سید ولد آدم، اولاد آدم کے سردار ﷺ کا گزارہ ہوسکتا ہے تو کسی اور کا کیوں نہیں!

جیسا کہ حضرت عروۃ بن الزبیر رضی اللہ عنہ اپنی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہا کرتی تھیں:

((أَنَّهَا كَانَتْ تَقُوْلُ وَاللّٰهِ يَا ابْنَ أُخْتِي إِنْ كُنَّا لَنَنْظُرُ إِلَى الْهِلَالِ ثُمَّ الْهِلَالِ ثُمَّ الْهِلَالِ ثَلَاثَةَ أَهِلَّةٍ فِي شَهْرَيْنِ وَمَا أُوقِدَ فِي أَبْيَاتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَارٌ))

''اے میرے بھانجے! ہم چاند دیکھا کرتے تھے، پھر چاند دیکھا کرتے تھے اور پھر چاند دیکھا کرتے تھے، دو مہینوں میں تین چاند، یعنی پورے دو دو مہینے، نبی کریم ﷺ کے گھروں میں آگ نہیں جلائی جاتی تھی۔''

یعنی کچھ پکانے کو ہوتا ہی نہیں تھا۔

((فَقُلْتُ يَا خَالَةُ مَا كَانَ يُعَيِّشُكُمْ))

''تو میں نے کہا: خالہ! پھر آپ لوگوں کا گزارہ کیسے ہوتا تھا؟''

((قَالَتِ الْأَسْوَدَانِ التَّمْرُ وَالْمَاءُ)) (مسلم، كتاب الزهد: ٢٩٧٢)

''تو انہوں نے کہا: دو سیاہ چیزیں، یعنی کھجور اور پانی۔''

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، کہتے ہیں:

((وَالَّذِي نَفْسُ أَبِي هُرَيْرَةَ بِيَدِهِ))

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی جان ہے۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((مَا أَشْبَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَهْلَهُ ثَـلَاثَةَ أَيَّامٍ تِبَاعًا مِنْ خُبْزِ حِنْطَةٍ حَتَّى فَارَقَ الدُّنْيَا)) (مسلم ، كتاب الزهد : ٢٩٧٦)

''آپ ﷺ نے کبھی مسلسل اور متواتر تین دن اپنے اہل خانہ کو گندم کے آٹے کی روٹی سے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھلایا، حتی کہ آپ ﷺ دنیا سے رخصت ہو گئے۔''

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

((لَـقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَـظَـلُّ الْيَوْمَ يَلْتَوِي مَا يَجِدُ دَقَلًا يَمْلَأُ بِهٖ بَطْنَهٗ)) (مسلم ، كتاب الزهد : ٢٩٧٨)

''میں نے آپ ﷺ کو دیکھا کہ دن بھر بھوک سے لوٹ پوٹ ہوتے رہتے اور پیٹ بھرنے کو ردی اور نکمی کھجور بھی دستیاب نہ ہوتی۔''

اور ایسے ہی اس ضمن میں آپ ﷺ دعاء بھی فرمایا کرتے تھے کہ:

((اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ آلِ مُحَمَّدٍ قُوْتًا .)) (مسلم ، كتاب الزهد : ١٠٥٥)

''اے اللہ! آل محمد ﷺ کو رزق بس اتنا دے جو گزارے کے لیے کافی ہو۔''

آئندہ خطبۂ جمعہ میں ان شاء اللہ یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ قرآن کریم اس مسئلے کا کیا حل پیش کرتا ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رزق کی فراوانی اللہ کا فضل یا استدراج

﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴾ (الاعراف: ٩٦)

گذشتہ جمعے ہم نے سنا کہ رزق جو دنیا کے بڑے بڑے مسائل میں سے ایک بڑا مسئلہ سمجھا جاتا ہے وہ حقیقت میں کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا وعدہ فرما رکھا ہے اور سب کے لیے فرما رکھا ہے، اس میں مؤمن و کافر اور نیک و بد کے درمیان کوئی فرق اور امتیاز نہیں رکھا، بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اللہ کے حضور دعاء کی کہ:

﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ (البقرہ: ١٢٦)

”اے میرے رب! اس شہر کو امن کا شہر بنا دے اور اس کے باشندوں میں سے جو اللہ اور آخرت کو مانیں، انہیں ہر قسم کے پھلوں کا رزق دے۔“

تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا:

﴿وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴾ (البقرہ: ١٢٦)

”اور جو نہ مانے گا، دنیا کی چند روزہ زندگی کا سامان تو میں اسے بھی دوں گا، مگر آخر کار اسے عذاب جہنم کی طرف بے بس کر دوں گا اور وہ بدترین ٹھکانہ ہے۔“

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو دعاء فرمائی کہ صرف اہل ایمان کو ہی رزق دے تو یہ شاید اس بناء پر تھی کہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آزمائشوں پر پورا اترنے کے نتیجے میں انعام کے طور پر انہیں بنی نوع انسان کا امام و رہنما بنانے کا اعلان فرمایا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

نے دریافت کیا کہ:

﴿ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ﴾ (البقرہ: ١٢٤)

''کیا میری اولاد میں سے بھی یہ وعدہ ہے؟''

تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ﴾ (البقرہ: ١٢٤)

''کہ میرا یہ وعدہ ظالموں سے متعلق نہیں ہے۔''

تو اس سے شاید ابراہیم علیہ السلام یہ سمجھے ہوں کہ رزق کے لیے بھی شاید یہی معیار ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ رزق کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔

تو رزق مسئلہ نہیں ہے کہ رزق کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے نیک و بد اور مسلم و غیر مسلم ہر ایک کے لیے کر رکھا ہے، البتہ رزق کی فراوانی، اس میں وسعت و کشادگی کی خواہش، پر تعیش اور شاہانہ زندگی کے خواب اور اس کی آرزوئیں اور تمنائیں پوری نہ ہونا اک مسئلہ ضرور ہے اور یہ مسئلہ انسان کا اپنا پیدا کردہ ہے، اب وہ لوگ جو روزانہ پندرہ پندرہ گھنٹے کام کرتے ہیں تو کیا اس لیے کرتے ہیں کہ انہیں دو وقت کا کھانا میسر نہیں ہوتا؟ ہرگز نہیں! بلکہ اس لیے کہ:

﴿ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ﴾ (الهمزہ: ٢)

''مال جمع کرے اور اسے گن گن کر رکھے۔''

اسی کو وہ خوشحال زندگی کا راز سمجھتا ہے، اسی میں اس کی تسکینِ نفس ہے کہ وہ اپنا بینک بیلنس بڑھتا ہوا دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا رہتا ہے اور اگر اس میں کچھ کمی ہو جائے تو رنجیدہ ہو جاتا ہے اور پھر کام کرنے کا وقت بڑھا دیتا ہے اور وقت تو انسان کے پاس محدود ہے، اسے یقیناً دوسری ذمہ داریوں سے کچھ وقت کاٹ کر، کچھ دوسرے فرائض و واجبات کو نظر انداز کر کے اور ان کی حق تلفی کر کے ہی دولت جمع کرنے کی حرص اور ہوس کو پورا کیا جا سکتا ہے۔

اپنے جسم کا حق مار کر، اس پر ظلم اور زیادتی کر کے، اپنے بیوی اور بچوں کی حق تلفی کر کے، اپنے بوڑھے والدین کی خدمت سے وقت چرا کر، نوافل کی ادائیگی، قرآن پاک کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تلاوت اور ذکر و اذکار کا وقت قربان کر کے اور چھین کر کے ہی کام کو دیا جا سکتا ہے، لیکن مقصد پھر بھی پورا نہیں ہوتا، تسکین نفس پھر بھی حاصل نہیں ہوتی اور حرص بڑھتا ہی چلا جاتا ہے مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی کے مصداق۔

خیر! اس کے باوجود کہ یہ انسان کا خود ساختہ مسئلہ ہے اس کی حقیقت کچھ بھی نہیں ہے، اسلام پھر بھی اس کا حل پیش کرتا ہے، کوئی انسان شاہانہ زندگی بسر کرنا چاہے، مال و دولت کی وسعت، کثرت اور کشادگی کا خواہشمند ہو تو اس کے لیے اس کی راہ بھی ہموار کر دی جاتی ہے، مگر کچھ شرطوں کے ساتھ۔

ان شرطوں کے بارے میں جاننے سے پہلے یہ بات سمجھ لینا ضروری ہے کہ یہ دنیا دارالامتحان ہے، یہاں کثرت و کشادگئ رزق تو بہت بڑی بات ہے، وہ بنیادی رزق کہ جو چند نوالوں پر مشتمل ہوسکتا ہے اس میں بھی انسان کو بسا اوقات امتحان سے گزرنا پڑتا ہے، تو پھر رزق کی فراوانی بھلا کیونکر آزمائش اور امتحان سے بالاتر ہوسکتی ہے اور پھر امتحان کی کئی ایک شکلیں ہیں جن میں سے چند ظاہری شکلیں یہ ہیں کہ فراوانئ رزق کی شرطوں پر پورا اترنے کے نتیجے میں مال و دولت کی بہتات سے نوازا جاتا ہے، اگرچہ یہ ایک انعام ہوتا ہے مگر انعام بھی آزمائش ہوتا، جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب پلک جھپکنے سے پہلے ملکۂ سبا کا تخت ان کے سامنے حاضر کر دیا گیا تو فرمایا:

﴿ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۖ لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ۭ ﴾ (النمل : ٤٠)

”یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا کفران نعمت کرتا ہوں۔“

اسی طرح کبھی دولت کی فراوانی سزا کے طور پر ہوتی ہے، بالخصوص کافروں کے لیے، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَھُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِھِمْ ۭ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَھُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَھُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴾ (آل عمران : ١٧٨)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

''اور کافر لوگ اس ڈھیل کو اپنے حق میں بہتری نہ سمجھیں جو ہم انہیں دے رہے ہیں، ہم تو انہیں ڈھیل اس لیے دے رہے ہیں تا کہ وہ خوب گناہ سمیٹ لیں پھر ان کے لیے سخت ذلیل کرنے والی سزا ہے۔''

اور یہ ڈھیل کہ جسے شرعی اصطلاح میں استدراج بھی کہتے ہیں صرف کافر کے لیے ہی نہیں بلکہ اہل ایمان کے لیے بھی ہوتی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِذَا رَأَيْتَ اللّٰهَ يُعْطِي الْعَبْدَ مِنَ الدُّنْيَا عَلَى مَعَاصِيهِ مَا يُحِبُّ، فَإِنَّمَا هُوَ إِسْتِدْرَاجٌ، ثُمَّ تَلَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ﴿فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّى إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُبْلِسُونَ﴾ (الانعام: ٤٤).)) (السلسلة الصحيحة: ٤١٣)

جب تم دیکھو کہ اللہ تعالیٰ بندے کو اس کے گناہوں اور معصیتوں کے باوجود اس کی پسند کی چیزوں سے نواز رہا ہے، اسے گناہ، بدکاری، بے حیائی اور فحاشی کے باوجود مال و دولت اور عہد و منصب میں ترقی اور عروج سے ہمکنار کر رہا ہے تو یہ یقیناً اللہ کی طرف سے ڈھیل اور استدارج ہے، یعنی رفتہ رفتہ اور درجہ بدرجہ اس کی گرفت کرنا چاہتا ہے اور پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّى إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُبْلِسُونَ﴾ (الانعام: ٤٤)

''کہ جب انہوں نے اس نصیحت کو بھلا دیا جو انہیں کی گئی تھی تو ہم نے ہر طرح کی خوشحالیوں کے دروازے ان پر کھول دیئے، یہاں تک کہ جب ان بخششوں میں جو انہیں عطا کی گئی تھیں، خوب مگن ہو گئے تو اچانک ہم نے انہیں پکڑ لیا اور اب حال یہ تھا کہ وہ ہر خیر سے مایوس تھے۔''

لوگوں کے ہاں ترقی اور عروج کے، خوشحالی، مالی فراوانی اور آسودہ حالی کے کچھ اپنے ہی اصول اور اپنے ہی معیار ہوتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے ہاں قوموں کی ترقی اور عروج کے اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زوال اور انحطاط کے، معاشی خوشحالی اور بدحالی اور معاشی استحکام اور عدم استحکام کے اپنے اصول وقوانین اور سنن الٰہیہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کی سنتیں ثابت، لازوال اور اٹل ہیں، ان میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں آتی۔

﴿فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيلًا ﴿٤٣﴾﴾

(فاطر: ٤٣)

”تم اللہ کے طریقے میں ہرگز کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے اور تم اللہ تعالیٰ کی سنت کو اس کے مقرر شدہ راستے سے ہٹتا ہوا نہ پاؤ گے۔“

جس قوم میں ترقی اور عروج اور خوشحالی اور معاشی استحکام کی شرطیں پوری ہو جائیں، انہیں ترقی وعروج اور خوشحالی ملتی ہے اور جس قوم میں زوال وانحطاط اور تباہی و بربادی کے اسباب ثابت ہوجائیں ان کے مقدر میں تباہی لکھ دی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی اس سنت اور اس طریقے میں ہرگز ہرگز کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی، گزشتہ قوموں کے عروج وزوال کے جو اصول تھے وہی اصول رہیں گے،

﴿فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا ۚ﴾ (فاطر: ٤٣)

اللہ تعالیٰ کا طریقۂ کار جن اصولوں پر قائم ہے، اس میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں آتی۔

ہاں تو لوگوں کے ہاں ترقی اور خوشحالی کے اسباب کچھ اور ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں کچھ اور، مگر حقیقی، حتمی، نتیجہ خیز اور انجام کار ترقی اور خوشحالی کے اصول اور اسباب وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بتائے ہیں۔

مثلاً موسم ابر آلود ہو تو دل کھلنے لگتے ہیں، اسے ابر کرم کی نوید سمجھا جاتا ہے کہ بارش برسے گی تو کھیت لہلہائیں گے، کلیاں کھلیں گی، فضا صاف ہوگی اور موسم خوشگوار ہوگا، لوگ آسمان پر بادل چھا جانے کی بس اتنی ہی تعبیر جانتے ہیں اور اس سے آگے کچھ سوچنے کی ہمت نہیں کرتے، کچھ جاننے کی زحمت گوارا نہیں کرتے اور کچھ سننے کا حوصلہ اور یارا نہیں پاتے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا کوئی اور مطلب بھی ہوسکتا ہے۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ھود علیہ السلام کی قوم، قومِ عاد کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۭ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ۭ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ﴾ (الاحقاف : ٢٤)

''پھر جب انہوں نے اس عذاب کو اپنی وادیوں کی طرف آتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگے: یہ بادل ہے جو ہم سب کو سیراب کر دے گا۔ نہیں! بلکہ یہ وہی چیز ہے جس کے لیے تم جلدی مچا رہے تھے، یہ ہوا کا طوفان ہے جس میں دردناک عذاب جلدی آ رہا ہے۔''

یعنی وہ بادل دیکھ کر سمجھے کہ بارش برسے گی، مگر اللہ کے ہاں اس کا کیا مطلب تھا وہ نہ سمجھ سکے۔

ایسے ہی لوگ دولت کی کثرت وفراوانی کو دیکھ کر سمجھنے لگتے ہیں کہ وہ اللہ کی نعمت، اس کی رحمت اور اس کی رضا اور خوشنودی ہے جبکہ وہ استدراج اور ڈھیل بھی ہو سکتی ہے۔

اور کوئی یہ جاننے کی زحمت ہی گوارا نہیں کرتا کہ اس پر اللہ کا فضل ہے یا استدراج ہے، بلکہ لوگ اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے اور اپنے تئیں یقینی اور حتمی طور پر سمجھ بیٹھتے ہیں کہ وہ اللہ کا فضل ہی ہے حالانکہ ایسے موقعوں پر رسول کریم ﷺ کا طریقہ اس سے یکسر مختلف رہا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ:

((وَكَانَ إِذَا رَأَى غَيْمًا أَوْ رِيحًا عُرِفَ فِي وَجْهِهِ))

''جب کبھی آسمان پر بادل چھاتے یا ہوا چلتی تو آپ ﷺ کے چہرے سے بے چینی اور بے قراری پہچانی جاتی۔''

((قَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوُا الْغَيْمَ فَرِحُوا رَجَاءَ أَنْ يَكُونَ فِيهِ الْمَطَرُ وَأَرَاكَ إِذَا رَأَيْتَهُ عُرِفَ فِي وَجْهِكَ الْكَرَاهِيَةُ))

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! لوگ تو بادلوں کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اس امید سے کہ اس سے مینہ برسے گا، مگر آپ جب بادل دیکھتے ہیں تو آپ کے چہرے سے ناپسندیدگی کا اظہار ہوتا ہے۔"

((فَقَالَ يَا عَائِشَةُ مَا يُؤْمِنِّي أَنْ يَكُونَ فِيهِ عَذَابٌ عُذِّبَ قَوْمٌ بِالرِّيحِ وَقَدْ رَأَى قَوْمٌ الْعَذَابَ فَقَالُوا هَذَا عَارِضٌ مُمْطِرُنَا))

(بخاري، كتاب التفسير: ٤٨٢٨)

"تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! کیا ضمانت (امان) ہے کہ اس میں عذاب نہیں ہوگا، ایک قوم کو ہوا کے ذریعے عذاب ہوا اور ایک قوم نے عذاب کو دیکھ کر کہا کہ یہ تو بادل ہیں ہم پر بارش برسائیں گے۔"

لہٰذا رزق کی فراوانی دیکھ کر، دولت کی کثرت اور بہتات دیکھ کر، معاشی خوشحالی دیکھ کر، نعمتوں کا انبار دیکھ کر، سہولتوں اور آسائشوں کا افراط دیکھ کر یہ سمجھ بیٹھنا کہ وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا اور خوشنودی ہے، سراسر نادانی ہے، اپنے گریبان میں جھانکے بغیر یہ یقین کر لینا کہ سب خیر ہے، نادانی اور حماقت کی بات ہے۔

اندازہ کریں جب حال یہ ہو کہ ادھر ہم جھوٹ، فراڈ، ظلم و ناانصافی اور بے حیائی اور فحاشی کو فروغ دینے میں مصروف ہوں اور ادھر یہ سمجھ بیٹھیں کہ فراخیِ رزق اور فراوانیِ دولت اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی کی علامت ہے، یہ تجاہل عارفانہ ہے، یا حماقت کا شاخسانہ ہے!

ہمیں کہاں سے یہ امان مل گئی کہ ہم پر زلزلے نہیں آئیں گے، سونامی نہیں آئیں گے، بیماریاں اور وبائیں نہیں آئیں گی، آپس میں لڑائی جھگڑے اور قتل و غارت نہیں ہوگی، خسف اور مسخ کے واقعات رونما نہیں ہوں گے، آسمانوں سے پتھر نہیں برسیں گے اور آندھیاں اور طوفان نہیں آئیں گے۔

﴿أَفَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَن يَأْتِيَهُم بَأْسُنَا بَيَاتًا وَهُمْ نَائِمُونَ ﴿٩٧﴾﴾

(الاعراف: ٩٧)

"کیا بستیوں کے لوگ اب اس سے بے خوف ہوگئے ہیں کہ ہماری گرفت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اچانک ان پر رات کے وقت نہ آجائے گی جب کہ وہ سوئے پڑے ہوں؟''

﴿ اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّ هُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝۹۸ ﴾

(الاعراف : ۹۸)

''یا انہیں اطمینان ہو گیا ہے کہ ہمارا عذاب ان پر دن کے وقت نہیں آن پڑے گا جب کہ وہ کھیل کود میں مصروف ہوں۔''

﴿ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ﴾ (الاعراف : ۹۹)

''کیا یہ لوگ اللہ کی چال سے بے خوف ہو گئے ہیں۔''

﴿ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۹۹ ﴾ (الاعراف : ۹۹)

''اللہ کی چال سے وہی قوم بے خوف ہوتی ہے جو تباہ ہونے والی ہو۔''

تعجب ہے کہ آج ہم اللہ کے عذاب سے اتنے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ہم پر کسی آیت، کسی حدیث اور کسی نصیحت کا کوئی اثر نہیں ہوتا، اتنے پتھر دل اور اتنے بے حس ہو گئے ہیں کہ گذشتہ قوموں کی ایسی ہی بد اعمالیوں پر جو درگت بنائی گئی، جس طرح ذلیل و رسوا کرنے والے عذاب ان پر آئے، ہم ان سے کوئی عبرت لینے کو تیار نہیں ہیں۔

کس کس بد عملی کا نام لیں، حقیقت یہ ہے کہ دنیا جہان کے معاشروں میں جو جو بداعمالیاں پائی جاتی ہیں وہ تمام کی تمام ہمارے مسلم معاشروں میں بدرجہ اتم موجود ہیں اور اگر وہ برائیاں اور بداعمالیاں صرف بعض افراد میں ہوتیں تو شاید اتنے ڈر اور خوف کی بات نہ ہوتی مگر وہ تو پورے معاشرے میں رچ بس چکی ہیں اور کوئی گھر ایسا نہیں رہا جہاں شیطانی ڈبے (ٹی وی) نے اپنے پنجے نہ گاڑ رکھے ہوں الا ماشاء اللہ۔

اور اس سے بڑھ کر خوفناک بات یہ ہے کہ وہ بداعمالیاں ہمارے سربراہوں میں، سرکردہ لوگوں میں، اونچے طبقے کے لوگوں میں، کھاتے پیتے خوشحال اور باثر افراد میں پائی جاتی ہیں اور یہی وہ اصل خطرے کی گھنٹی ہے جس سے کسی بھی مسلمان کو بے چین و بے قرار اور فکر مند اور پریشان ہونا چاہیے کہ اللہ فرماتے ہیں:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿وَإِذَآ أَرَدْنَآ أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا۟ فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا ٱلْقَوْلُ فَدَمَّرْنَٰهَا تَدْمِيرًا ﴿١٦﴾﴾ (الاسراء : ١٦)

”جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے خوشحال لوگوں کو حکم دیتے ہیں اور وہ اس میں نافرمانیاں کرنے لگتے ہیں، تب عذاب کا فیصلہ اس بستی پر چسپاں ہو جاتا ہے اور ہم اسے برباد کر کے رکھ دیتے ہیں۔“

یعنی کسی قوم کی تباہی و بربادی کا سبب غریب، کمزور اور مفلوک الحال طبقے کی کوتاہیاں، لغزشیں، خطائیں، گناہ اور بداعمالیاں نہیں ہوتے، بلکہ اس کا اصل سبب امیر، کبیر اور باا ثر افراد ہوتے ہیں۔

معاشرے میں برائیاں ان کی ترغیب اور اشتعالک سے ہوتی ہیں، ان کی حوصلہ افزائی سے ہوتی ہیں، ان کی پشت پناہی سے ہوتی ہیں اور انہی کی ضرورت اور خواہش پہ ہوتی ہیں، ورنہ کسی بے چارے غریب آدمی کی کیا مجال کہ وہ سرعام کسی برائی اور غلط کام کی جرأت کر سکے، اگر کوئی غریب آدمی کسی جرم میں پکڑا جائے تو کسی دوسرے غریب آدمی کی اس کے حق میں گواہی قبول ہوتی ہے نہ سفارش قبول ہوتی ہے اور نہ ضمانت۔ تو کسی غریب آدمی کو برائی، بے حیائی اور فحاشی پھیلانے کی ہمت کیسے ہوسکتی ہے!

تو وسعتِ رزق اور خوشحالی کی بات ہو رہی تھی کہ وسعت رزق کی کچھ شرطیں ہیں، تو وسعت وفراوانیِ رزق کی شرطیں جاننے سے پہلے ایک بار پھر اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ رزق کہ جس کا اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار مخلوق سے وعدہ کر رکھا ہے اور اپنے ذمے لے رکھا ہے وہ بس اتنا ہے کہ جس سے گزر اوقات ہوتی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَا مَلَأَ آدَمِيٌّ وِعَاءً شَرًّا مِنْ بَطْنٍ))

”کبھی کسی آدمی نے پیٹ سے برا کوئی برتن، کوئی ظرف اور کوئی شریان نہیں بھری۔“

((بِحَسْبِ ابْنِ آدَمَ أُكُلَاتٌ يُقِمْنَ صُلْبَهُ))

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

''ابن آدم کے بیٹے کے لیے چند نوالے ہی کافی ہیں جو اس کی کمر سیدھی کر دیں۔''

((فَإِنْ كَانَ لَا مَحَالَةَ فَثُلُثٌ لِطَعَامِهِ وَثُلُثٌ لِشَرَابِهِ وَثُلُثٌ لِنَفَسِهِ)) (ترمذي، كتاب الزهد: ٢٣٨٠)

''اس سے زیادہ کھانا اور پیٹ بھرنا اگر ناگزیر ہو تو بھی صرف اتنا کہ ایک تہائی کھانے کے لیے، ایک تہائی پینے کے لیے اور ایک تہائی سانس کے لیے۔''

اور حقیقت یہ ہے کہ انسان اگر اتنا سا رزق بھی پا لے تو کاروبار زندگی ہرگز متاثر نہیں ہوتا، تھمتا نہیں ہے، نظام زندگی جاری رہ سکتا ہے، پیٹ پر پتھر باندھ کر پتھر توڑے جا سکتے ہیں، پتھریلی خندقیں کھودی جا سکتی ہیں اور دن بھر میں فقط ایک کھجور چوس کر بھی گزارہ کیا جا سکتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ کچھ لوگوں کا اوڑھنا بچھونا، جینا مرنا عیش وعشرت اور کھانا پینا ہوتا ہے۔

جیسا کہ شاعر کہتا ہے کہ:

خَلَقَ اللّٰهُ لِلْحُرُوبِ رِجَالاً
وَرِجَالًا لِقَصْعَةٍ وَثَرِيْدِ

''کچھ لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے مرد میدان بنایا ہے اور کچھ لوگوں کو خورد ونوش کا فریفتہ۔''

بلکہ قرآن پاک اُن کے کھانے پینے کی اس ہوس کو یوں بیان کرتا ہے کہ:

﴿وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ﴾ (محمد: ١٢)

''اور وہ ایسے کھاتے ہیں جیسے جانور کھاتے ہیں۔''

یعنی آخرت سے اور مقصد زندگی سے بے فکر ہو کر کھاتے ہیں، ان کی زندگی کا مقصد ہی گویا کھانا پینا، عیش وعشرت اور دولت جمع کرنا ہوتا ہے۔

خیر یہ بھی ایک الگ اور مستقل موضوع ہے کہ کھانے کے لیے جینا ہے، یا جینے کے لیے کھانا ہے، کبھی اس پر بھی گفتگو کریں گے ان شاء اللہ۔ فی الحال فراخیٔ رزق کے حوالے سے موضوع چل رہا ہے جس کی کچھ تفصیل آئندہ خطبۂ جمعہ میں جاننے کی کوشش کریں گے ان شاء اللہ۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کثرتِ مال کے نقصانات

﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝﴾ (الاعراف : ۹۶)

مال و دولت اس دنیا میں اجتماعی زندگی گزارنے کے لیے انسان کی ضرورت بھی ہے اور مجبوری بھی اور اس ضرورت اور مجبوری کے ساتھ انسان کو قلبی لگاؤ بھی ہے اور فطری تعلق بھی اور وہ لگاؤ اتنا شدید ہے کہ اسے خود اللہ تعالیٰ نے شدید کہا ہے۔

﴿وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝﴾ (العادیات : ۸)

''یہ مال کی محبت میں بڑا ہی سخت ہے۔''

﴿وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ۝﴾ (الفجر : ۲۰)

''اور مال کی محبت میں بری طرح گرفتار ہے۔''

مال کی محبت میں انسان کتنا سخت ہے، اس کا اندازہ آیات و احادیث سے لگایا جا سکتا ہے، جیسا کہ فرمایا:

﴿جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۝﴾ (الھمزہ : ۲)

''مال کو جمع کرتا ہے اور گن گن کے رکھتا ہے۔''

یعنی کثرتِ دولت کا شدید خواہاں ہے اور اس کی تگ و دو میں ایسا مگن اور اس کی طلب و جستجو میں اتنا مدہوش ہے کہ دولت آنے تک پردۂ غفلت دور نہیں ہوتا۔

﴿اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝﴾ (التکاثر : ۱۔۲)

''تم لوگوں کو زیادہ سے زیادہ اور ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر دنیا حاصل کرنے کی دھن نے غفلت میں ڈال رکھا ہے یہاں تک کہ تم لبِ گور تک پہنچ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جاتے ہو۔''

اور کثرتِ دولت کی انسان پر ایسی دھن سوار ہے کہ وہ جانتے بوجھتے ہوئے بھی اسے آخرت پر ترجیح دیتا ہے۔

﴿كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ ﴿٢٠﴾ وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ ﴿٢١﴾﴾ (القيامه : ٢٠، ٢١)

''اصل وجہ یہ ہے کہ تم لوگ جلدی حاصل ہونے والی چیز ''دنیا'' سے محبت رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑ دیتے ہو۔''

اور ایسے ہی احادیث میں بھی انسان کے مال و دولت کے ساتھ شدید قلبی لگاؤ کے بارے میں بیان ہوا ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ مَالٍ لَابْتَغَى ثَالِثًا وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا التُّرَابُ)) (بخاري، كتاب الرقاق : ٦٤٣٦)

''اگر ابن آدم کے پاس سونے کی دو وادیاں بھی ہوتیں تو تیسری کی خواہش بھی کرتا، ابن آدم کا پیٹ صرف مٹی ہی بھر سکتی ہے۔''

تو اس لحاظ سے مال و دولت انسان کی زندگی کا ایک سب سے بڑا مسئلہ ضرور ہے، ورنہ حقیقت میں اس کی کوئی حیثیت ہے نہ اہمیت، سوائے اس کے کہ انسان کو کمر سیدھی کرنے کے لیے چند نوالے میسر آجائیں۔

البتہ ایک اور لحاظ سے بھی مال و دولت انسان کی زندگی کا ایک بہت بڑا مسئلہ قرار پاتا ہے مگر وہ مال و دولت کا نہ ہونا نہیں بلکہ مال و دولت کا ہونا اور کثرت اور فراوانی کے ساتھ ہونا ہے اور وہ یوں کہ مال و دولت کے کثرت و فراوانی کے ساتھ ہونے کے دنیا و آخرت میں کچھ نقصانات ہو سکتے ہیں، بلکہ کہہ سکتے ہیں 99.99% چانسز یہ ہیں کہ مال و دولت کے آدمی پر منفی اثرات ہوتے ہیں، مال و دولت کے نقصانات سے بچنے والے دنیا میں شاید انگلیوں پر گنے جا سکتے ہوں یا زیادہ سے زیادہ آپ کہہ سکتے ہیں کہ ہزار میں سے کوئی ایک شخص اس کے نقصانات سے بچ پاتا ہے جو کہ ریشو ہے جنت میں جانے والے لوگوں کی ہے، جیسا کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حدیث میں ہے۔

دولت کے کچھ یقیناً فوائد بھی ہیں، ان کا ذکر بھی کریں گے ان شاء اللہ۔ اگرچہ ان کا ذکر کرنے کی شاید چنداں ضرورت نہ ہو کیونکہ لوگ پہلے ہی اس کے حصول میں اتنے مگن ہیں اور اس کی تگ و دو میں اتنے غرق ہیں کہ اس سے زیادہ کچھ کرنے کی گنجائش ہی نہیں رکھتے، جیسا کہ بعض اہل اللہ کے بارے میں کہ جو عبادت میں خوب مشغول و مصروف رہتے تھے، کہا جاتا ہے جیسا کہ حماد بن سلمہ رحمہ اللہ کے بارے میں ہے کہ:

((لَوْ قِيْلَ لَهُ إِنَّكَ تَمُوْتُ غَدًا مَا قَدِرَ أَنْ يَزِيْدَ فِي الْعَمَلِ شَيْئًا))

(حلية الأولياء وطبقات الاصفياء، ج٦، ص ٢٥٠)

"کہ اگر اس سے کہا جاتا کہ تم کل فوت ہو جاؤ گے تو جو کچھ عبادت وہ پہلے سے کرتے چلے آرہے تھے اس میں کسی چیز کا اضافہ نہ کر پاتے۔"

لہٰذا مال و دولت کے فوائد اگر بتلا بھی دیئے جائیں تو اس کے حصول میں جتنی محنت وہ پہلے سے کر رہے ہیں اس میں کوئی اضافہ نہ کر پائیں گے۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ اصل چیز دولت کے نقصانات سے بچنا ہے لہٰذا اس کے نقصانات جاننے کی کوشش کرتے ہیں:

تو کثرتِ مال و دولت کا ایک بہت بڑا نقصان یہ ہے کہ وہ انسان کو تکبر، غرور اور سرکشی پر ابھارتا ہے، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۝ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۝﴾ (العلق: ٦، ٧)

"ہرگز نہیں! انسان سرکشی کرتا ہے اس بنا پر کہ وہ اپنے آپ کو بے نیاز دیکھتا ہے۔"

تو انسان جب اپنے آپ کو دیکھتا ہے کہ اس کے پاس وافر مقدار میں مال و دولت ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں ہے، وہ بے نیاز اور مستغنی ہے تو وہ اپنے چال چلن اور اپنے رویے میں بے نیازی دکھاتا ہے کہ جس میں تکبر و غرور بھی ہوتا ہے، ظلم و زیادتی بھی ہوتی ہے، لوگوں کو حقیر جاننا بھی ہوتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چنانچہ اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے مقام پر یوں بیان فرمایا ہے:

﴿وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ﴾ (الشورىٰ : ٢٧)

''اللہ اگر اپنے بندوں کو کھلا رزق دے دیتا تو وہ زمین میں سرکشی کا طوفان برپا کر دیتے۔''

اس کے علاوہ بھی مال و دولت کی کثرت اور بہتات انسان کو گناہوں کی طرف راغب کرتی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ نفس انسانی کی ایک کمزوری ہے کہ جب وہ دیکھتا ہے کہ وہ اپنی کسی جائز یا ناجائز خواہش کی تکمیل کی استطاعت رکھتا ہے تو وہ اس کی طرف لپکتا ہے۔

اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ عموماً مال و دولت والے ہی دین بے زار ہوتے ہیں، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿٣٤﴾﴾ (سباء : ٣٤)

''کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہم نے کسی بستی میں ایک خبردار کرنے والا بھیجا ہو اور اس بستی کے کھاتے پیتے لوگوں نے یہ نہ کہا ہو کہ جو پیغام تم لے کر آئے ہو اس کو ہم نہیں مانتے۔''

﴿وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿٣٥﴾﴾ (سباء : ٣٥)

''اور کہا کہ ہم تم سے زیادہ مال و اولاد رکھتے ہیں اور ہم ہرگز سزا پانے والے نہیں ہیں۔'' گویا کہ خوشحال طبقہ ہمیشہ اکثر دین بے زار رہا ہے۔

اسی طرح مال و اولاد کے نقصانات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ اللہ کے ذکر سے غفلت کا سبب بنتے ہیں جیسا کہ فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٩﴾﴾ (المنافقون : ٩)

''اے ایمان والو! تمہارے مال اور تمہاری اولادیں تم کو اللہ کی یاد سے غافل نہ

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

کر دیں، جو لوگ ایسا کریں گے وہی خسارے میں رہنے والے ہیں۔''

کثرتِ مال کا ایک بڑا نقصان یہ ہے کہ وہ انسان کو بخل پر آمادہ کرتا ہے اور بخل انسان کی شخصیت کو نہایت ہی ناپسندیدہ اور مکروہ بنا دیتا ہے، بخل کبھی انسان پر اس درجہ غالب آجاتا ہے کہ وہ اس کی زکاۃ سے ہاتھ روک لیتا ہے اور زکاۃ ادا نہ کرنے والوں کو شدید وعید سنائی گئی ہے، اس کی سزا قرآن وحدیث میں یہ بتلائی گئی ہے کہ اسی سونے چاندی کو آگ میں گرم کر کے ان سے ان لوگوں کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا۔

اسی طرح مال و دولت کے بہت سے نقصانات میں سے ایک یہ ہے کہ اس کی کشش انسان کو ایسا گھائل کر دیتی ہے کہ وہ اس کے حصول کے لیے حلال اور حرام کی تمیز کھو بیٹھتا ہے اور پھر حرام کمائی کے دنیا و آخرت میں جو نقصانات ہیں ان کی ایک الگ تفصیل ہے۔

غرضیکہ مال کے بہت سے نقصانات ہیں، مگر یہاں اس وقت ان کی تفصیل بیان کرنا مقصود نہیں ہے صرف انتباہ و مقصود ہے کہ جس دولت کے لیے ہم دن رات دوڑ دھوپ کرتے ہیں، زندگی بھر مصروف رہتے ہیں، جس دولت کے لیے ہم فرائض و واجبات کو نظر انداز کر دیتے ہیں، جس دولت کے لیے ہم حلال اور حرام کی تمیز کھو بیٹھے ہیں اس دولت کی حقیقت کیا ہے، وہ انجام کار ہمارے فائدے میں ہے یا ہماری ذلت و رسوائی اور تباہی و بربادی کا باعث بننے والی ہے، تو دولت کے نقصانات جاننا اس حقیقت سے آگاہی کے لیے ہے۔

یہ جاننے کے لیے کہ دولت جسے ہم دن رات سمیٹنے میں مصروف ہیں ہمارے لیے فائدہ مند ہے یا نقصان دہ ہے، ایک مختصر سا شرعی قاعدہ اور ضابطہ ہے اس پر اپنے آپ کو جانچیں اور پرکھیں تو حقیقت منکشف ہو جائے گی، نتیجہ سامنے آجائے گا اور وہ قاعدہ یہ ہے، حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلْمَرْءِ الصَّالِحِ))

(الأدب المفرد، كتاب حسن الخلق: ٢٩٩)

''صالح مال، صالح آدمی کے لیے کیا ہی اچھا ہے۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لفظ صالح بڑا سادہ، آسان اور عام فہم سا لفظ ہے، اس کا معنی ومفہوم سمجھنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آنی چاہیے، یہ لفظ سنتے ہی فوری طور پر جو اس کا مفہوم سمجھ میں آتا ہے وہ یہ کہ ایسا مال جو دھوکے، جھوٹ اور فراڈ سے حاصل کیا ہوا نہ ہو، جو سود اور رشوت کا پیسہ نہ ہو، جو لاٹو، بیئر، پورک اور سگریٹ وغیرہ کے کاروبار سے حاصل کیا ہوا نہ ہو اور کسی بھی دیگر حرام ذریعے سے کمایا ہوا نہ ہو، دوسرے لفظوں میں خالص حلال مال ہو۔

اسی طرح صالح آدمی کا معنی جاننا بھی کوئی مشکل بات نہیں، لفظ صالح ایک دینی اصطلاح ہے لہٰذا دین کی روشنی میں ہی اس کا معنی جاننا ضروری ہے، صالح کا معنی اردو میں تو نیک آدمی کیا جاتا ہے مگر نیک کا ہر شخص نے اپنا اپنا مفہوم بنا رکھا ہے جبکہ حقیقت میں نیک اور صالح وہ ہے جو قرآن وحدیث پر پورا پورا عمل پیرا ہو، تو یوں ((نعم المال الصالح للمرء الصالح)) کا معنی ہوگا کہ ''پاک اور حلال مال نیک آدمی کے لیے اچھا ہے کیونکہ وہ اسے جائز اور حلال طریقے پر ہی خرچ کرے گا۔''

تو صرف یہی ایک صورت ہے جب مال آدمی کے فائدے میں ہوسکتا ہے ورنہ مال کا ہونا سراسر خسارہ اور نقصان ہے۔

لہٰذا اگر کوئی شخص بہت سا مال حاصل کرنے کی خواہش رکھتا ہو تو اسے اس کے تقاضے بھی مدنظر رکھنے ہوں گے کہ حلال طریقے سے حاصل کرے اور بکثرت اللہ کی راہ میں خرچ کرے۔

جیسا کہ حدیث میں ہے، حضرت قیس بن عاصم السعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

((اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: هٰذَا سَيِّدُ أَهْلِ الْوَبَرِ))

''میں آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ صحرائی لوگوں کا سردار ہے۔''

خیموں میں رہنے والوں کا یعنی بدوؤں اور دیہاتیوں کا سردار ہے۔ الوَبَر اونٹ اور خرگوش کی اون کو کہتے ہیں اور چونکہ صحرا میں بدو لوگ اسی سے اپنے خیمے بناتے تھے اس لیے انہیں اهل الوبر کہا جاتا تھا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور حضرت قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ اپنے علاقے کے امیر ترین آدمی تھے، کہتے ہیں:

((فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا الْمَالُ الَّذِي لَيْسَ عَلَيَّ فِيهِ تَبِعَةٌ مِنْ طَالِبٍ وَلَا مِنْ ضَيْفٍ))

''میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کس مقدار میں مال ہو تو مجھ پر کسی سائل یا مہمان کا حق نہیں ہوگا؟ یعنی تمام حقوق ادا کرنے کے بعد کتنی مقدار میں جمع پونجی رکھ سکتا ہوں؟''

((فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: نِعْمَ الْمَالُ أَرْبَعُوْنَ))

''تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چالیس اچھا مال ہے۔'' یعنی چالیس اونٹ۔

اونٹ اس زمانے میں سب سے اچھا مال تصور کیا جاتا تھا اور سب سے مہنگا جانور بھی تھا، آج بھی قربانی کے جانوروں میں سب سے مہنگا جانور ہے، درمیانے قسم کے اونٹ کی قیمت تقریباً دو لاکھ روپے ہے اور قتل کی دیت اور خون بہا بھی اونٹ ہی مقرر کیا گیا ہے، سو (۱۰۰) اونٹ، اونٹ کی قیمت بڑھتی اور کم ہوتی رہتی ہے مگر اس کی تعداد میں کمی بیشی نہیں ہوسکتی، دیت سو اونٹ ہی رہتی ہے اور اس میں حکمت شاید یہ ہے کہ:

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبد المطلب نے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے انہیں دس بیٹے دیئے اور اس کی حفاظت کرنے کی عمر کو پہنچے تو وہ ان میں سے ایک بیٹے کو کعبے کے پاس ذبح کرے گا۔

اللہ تعالیٰ نے دس بیٹے دیئے، جوان ہوئے تو عبد المطلب نے ان میں سے قرعہ اندازی کی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد عبداللہ کا نام نکل آیا۔ عبد المطلب نے چھری پکڑی اور ذبح کرنے کے لیے تیار ہوئے تو قریش کے لوگوں نے انہیں ایسا کرنے سے منع کیا، تو عبد المطلب نے کہا کہ پھر میں اپنی نذر کا کیا کروں؟ تو انہوں نے کہا کہ اس کی جگہ دس اونٹ ذبح کر دو، عبد المطلب نے دس اونٹوں اور بیٹے عبداللہ کے درمیان قرعہ اندازی کی تو پھر ان کے بیٹے عبداللہ کا نام نکل آیا، انہوں نے دس اونٹ اور بڑھائے، قرعہ اندازی کی، پھر عبداللہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کا نام نکل آیا، چنانچہ وہ دس دس اونٹ بڑھاتے گئے حتی کہ جب سو (۱۰۰) اونٹ ہو گئے تو قرعہ اونٹوں پر نکل آیا، تو انہوں نے ان کی جگہ ۱۰۰ اونٹ ذبح کر دیئے۔ تب سے قریش میں خون بہا ۱۰۰ اونٹ مقرر ہو گئی۔

اور پھر آپ ﷺ نے بھی قتلِ خطاء کی دیت ۱۰۰ اونٹ ہی رہنے دی۔ لہٰذا آج بھی اونٹ کی قیمت میں جو بھی کمی بیشی ہوتی ہے اونٹوں کی تعداد میں کمی بیشی نہیں کی جا سکتی۔

تو آپ ﷺ نے حضرت قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ کے سوال کے جواب میں فرمایا:

((نِعْمَ الْمَالُ أَرْبَعُوْنَ))

''سب سے اچھا مال چالیس اونٹ ہے۔''

((وَالْأَكْثَرُ سِتُّوْنَ))

''اور زیادہ سے زیادہ ساٹھ اونٹ۔''

((وَوَيْلٌ لِأَصْحَابِ الْمِئِيْنَ .))

''اور تباہی ہے سینکڑوں والوں کے لیے۔''

یعنی جس کے پاس سو سے زیادہ اونٹ ہوں ان کا معاملہ بڑا خطرناک ہے وہ گویا دلدل میں پھنس گیا، وہ اس سے باہر نہیں نکل سکتا کیونکہ جیسے جیسے مال بڑھتا جاتا ہے اس کی حرص بھی بڑھتی جاتی ہے، اس میں کچھ کمی کرنا تو گویا اک ناممکن سی بات ہوتی ہے۔

البتہ اس میں آپ ﷺ نے اک استثناء ضرور بیان فرمایا ہے، فرمایا:

((إِلَّا مَنْ أَعْطَى الْكَرِيْمَةَ، وَمَنَحَ الْغَزِيْرَةَ، وَنَحَرَ السَّمِيْنَةَ فَأَكَلَ، وَأَطْعَمَ الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ))

''البتہ جو شخص سب سے اچھے اور مہنگے اونٹ عطیہ کرے اور زیادہ دودھ والی اونٹنی کسی کو عاریتاً دے کہ وہ دودھ دوھ کر واپس کر دے اور موٹے تازے اونٹ ذبح کر کے خود بھی کھائے، قناعت کر بیٹھنے والوں کو بھی کھلائے اور اپنی ضرورت پیش کرنے والوں کو بھی کھلائے۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یعنی جو ایسا کر سکتا ہو، اتنا بڑا دل رکھتا ہو وہ ساٹھ سے بڑھ کر سینکڑوں اونٹ بھی رکھ سکتا ہے، اس کے لیے مال نقصان دہ نہیں ہے۔

لیکن اس کے برعکس جو ملینز کا مالک ہو اور صدقہ کرتے وقت دس ڈالر کسی کے ہاتھ پر رکھ کر سمجھنے لگ جائے کہ وہ حاتم طائی کے پائے کا سخی ہے تو ایسے شخص کے مال نے اسے کیا بنا دیا ہے، سمجھنا مشکل نہیں ہے۔

((قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَا أَكْرَمُ هَذِهِ الْأَخْلَاقِ))

''حضرت قیس کہتے ہیں، میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ کتنے کریمانہ اخلاق ہیں!''

((لَا يُحَلُّ بِوَادٍ أَنَا فِيْهِ مِنْ كَثْرَةِ نَعَمِيْ))

''جس وادی میں میں ہوتا ہوں، وہاں کسی اور کے آنے کی گنجائش نہیں ہوتی، میرے جانوروں کی کثرت و بہتات کی وجہ سے۔''

یعنی میرے پاس اونٹ کوئی سو، دو سو اور چار سو نہیں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں ہیں۔

((فَقَالَ: كَيْفَ تَصْنَعُ بِالْعَطِيَّةِ؟))

''تو آپ ﷺ نے فرمایا: پھر عطیات میں تمہارا معاملہ کیسا ہے؟''

((قُلْتُ: أُعْطِي الْبِكْرَ وَأُعْطِي النَّابَ))

''میں نے کہا: جواں اونٹ بھی دیتا ہوں اور بڑے بھی دیتا ہوں۔''

((قَالَ: كَيْفَ تَصْنَعُ فِي الْمَنِيْحَةِ؟))

''فرمایا: عاریتاً دیئے جانے والے جانوروں کے بارے میں کیا کرتے ہو؟''

((قَالَ: إِنِّيْ لَأَمْنَحُ النَّاقَةَ))

''کہا: میں اونٹنی دیتا ہوں۔''

((قَالَ: كَيْفَ تَصْنَعُ فِي الطَّرُوْقَةِ؟))

''فرمایا: قابلِ حمل اونٹنیوں کے بارے میں کیا کرتے ہو؟''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((قَالَ: يَغْدُوا النَّاسُ بِحِبَالِهِمْ، وَلَا يُوْزَعُ رَجُلٌ مِنْ جَمَلٍ يَخْتَطِمُهُ فَيُمْسِكُهُ مَا بَدَا لَهُ، حَتَّى يَكُوْنَ هُوَ يَرُدُّهُ))

''کہا: لوگ اپنی رسیاں لے کر آتے ہیں جس اونٹ کو چاہتے ہیں لے جاتے ہیں حتی کہ واپس بھی وہ خود ہی کرتے ہیں، انہیں واپسی کے لیے کہا نہیں جاتا۔''

حضرت قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ کی اس قدر فراخدلی اور سخاوت کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((فَمَا لُكَ أَحَبُّ إِلَيْكَ أَمْ مَالُ مَوَالِيْكَ؟))

''تمہیں اپنا مال اچھا لگتا ہے یا اپنے رشتہ داروں اور وارثوں کا مال؟''

((قَالَ: مَالِيْ))

''کہا: اپنا مال۔''

((قَالَ: فَإِنَّمَا لَكَ مِنْ مَالِكَ مَا أَكَلْتَ فَأَفْنَيْتَ، أَوْ أَعْطَيْتَ فَأَمْضَيْتَ وَسَائِرُهُ لِمَوَالِيْكَ))

''فرمایا: پھر تیرے مال میں تیرا صرف وہ ہے جو تم نے کھا کر ختم کر لیا، یا دے کر خرچ کر دیا اور باقی سب تیرے وارثوں کا ہے۔''

((فَقُلْتُ: لَا جَرَمَ، لَئِنْ رَجَعْتُ لَأُقِلَّنَّ عَدَدَهَا))

(الأدب المفرد، کتاب الحرکات: ۹۵۳)

''تو میں نے کہا کہ جب میں واپس لوٹوں گا تو ضرور اس کی تعداد کم کر دوں گا۔''

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مال و دولت اک خیر ہے مگر اس کا ناجائز حصول اور غلط استعمال اسے شر بنا دیتا ہے

﴿وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٩٦﴾﴾ (الاعراف: ٩٦)

گذشتہ تین جمعوں سے مال و دولت کے حوالے سے بات ہو رہی ہے، مال و دولت ایک نہایت ہی پیچیدہ، مشکل اور آسانی سے نہ سمجھ آنے والا موضوع ہے اور اس کا سبب جیسا کہ گذشتہ جمعے عرض کیا گیا کہ وہ انسان کی ضرورت بھی ہے، اس کی مجبوری بھی ہے، اور اس کے ساتھ انسان کو فطری اور شدید قلبی لگاؤ بھی ہے، تو پھر ایسے میں کوئی ایسی بات کہ جس میں اس کے حدود و قیود اور قواعد وضوابط متعین کیے گئے ہوں، کچھ اخلاق و آداب اور ارشادات و ہدایات کا پابند کیا گیا ہو اور جس میں اس سے اجتناب و احتراز اور احتیاطات کا ذکر ہو، آسانی سے بھلا کیسے سمجھ میں آسکتی ہے، انسان اس میں کھلی چھٹی چاہتا ہے، پابندی اسے ناگوار گزرتی ہے، جیسا کہ شعیب علیہ السلام کی قوم نے ان سے کہا:

﴿يَا شُعَيْبُ أَصَلَاتُكَ تَأْمُرُكَ أَن نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا أَوْ أَن نَّفْعَلَ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ ۖ﴾ (ھود: ٨٧)

''اے شعیب! کیا تیری نماز تجھے یہ سکھاتی ہے کہ ہم ان سارے معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے تھے، یا یہ کہ ہم کو اپنے مال میں اپنی منشا کے مطابق تصرف کرنے کا اختیار نہ ہو۔''

اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿ يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ ﴾ (هود : ٩١)

''اے شعیب! تیری بہت سی باتیں تو ہماری سمجھ ہی میں نہیں آتیں۔''

تو مال و دولت کے حوالے سے کی گئی باتیں اکثر لوگوں کو سمجھ نہیں آتیں لیکن ناممکن بہرحال نہیں ہیں، کیونکہ یہ باتیں بہت سے لوگوں کو سمجھ میں آتی بھی رہی ہیں اور آتی رہیں گی اور جنہیں سمجھ میں آتی رہی ہیں انہیں ایسی وضاحت اور صراحت کے ساتھ اور ایسی آسانی سے سمجھ میں آتی رہی ہیں کہ انہیں ((کأنا رأیَ عین)) کی تسلی، تشفی اور تصدیق بھی حاصل ہوجاتی، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جب حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیوی بچوں کے ساتھ گھل مل جانے، خوش گپیوں میں مصروف ہوجانے اور حصول معاش میں مشغول و مستغرق ہوجانے کو نفاق خیال کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی اس کیفیت کو بیان کرتے ہوئے عرض کیا کہ:

((يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَكُوْنُ عِنْدَكَ تُذَكِّرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ كَأَنَّا رَأْيَ عَيْنٍ)) (مسلم، كتاب التوبة : ٢٧٥٠)

اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہم جب آپ کے پاس ہوتے ہیں اور آپ ہمیں جہنم اور جنت کا ذکر کر کے نصیحت فرماتے ہیں تو ایسے لگتا ہے جیسے وہ سب کچھ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں لیکن جب ہم اپنے بیوی بچوں کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف ہوجاتے ہیں اور کاروبار میں مشغول ہو جاتے ہیں تو ہم بہت کچھ بھول جاتے ہیں، ہمارے ذہنوں سے بہت سی باتیں اوجھل ہوجاتی ہیں۔

تو آخرت کی باتیں، زہد و تقویٰ کی باتیں، مال و دولت اور دنیا سے اجتناب و احتراز ور احتیاط کی باتیں کچھ لوگوں کو یوں آسانی سے سمجھ میں آتی ہیں اور ان پر انہیں تصدیق قلبی بھی حاصل ہوتی ہے، جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں بھی ہے، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

((أَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْكِبِي فَقَالَ كُنْ فِي

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ))

(بخاري، كتاب الرقاق : ٦٤١٦)

''آپ ﷺ نے میرے کندھے کو پکڑ کر فرمایا: دنیا میں ایسے رہو گویا کہ تم اجنبی ہو یا راہ گیر ہو۔''

آپ ﷺ کا فرمان تو اپنے معانی میں ویسے بھی بڑا واضح ہے اور جب دل صاف اور شفاف ہوں اور ان کی مٹی زرخیز ہو تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا کلام ان پر فوراً اثر کرتا ہے اور اس ھامد و جامد زمین میں ایک ہلچل اور تحریک پیدا کر دیتا ہے تو وہ زمین پھبک اٹھتی ہے اور پھول جاتی ہے اور اس میں ہر قسم کی خوش منظر نباتات اگ آتی ہیں جس طرح کہ دنیا کی زمین کے نباتات اگلنے کے مراحل کا اللہ تعالیٰ نے یہاں ذکر فرمائے ہیں:

﴿وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنبَتَتْ مِن كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ۝﴾ (الحج : ٥)

''اور تم دیکھتے ہو کہ زمین سوکھی پڑی ہے، پھر جہاں ہم نے اس پر مینہ برسایا کہ یکا یک وہ پھبک اٹھی اور پھول گئی اور اس نے ہر قسم کی خوش منظر نباتات اگلنی شروع کر دی۔''

تو ایسے ہی دلوں کی زمین بھی ہے کہ اگر اسے پراگندہ نظریات نے، شرکیہ اعتقادات نے، توہمات اور خرافات نے اور دنیا کی کشش اور ہوس نے بنجر نہ بنا دیا ہو تو کلام اللہ اور کلام الرسول ﷺ کا اس پر اثر ہوتا ہے اور بات آسانی سے سمجھ میں آتی ہے اور دل میں گھر کر جاتی ہے، اور عمل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو دنیا کی کشش سے اجتناب کی بات ایسے ہی آسانی سے سمجھ میں آئی اور دل میں گھر کر گئی اور ایسا گہرا اثر چھوڑا کہ پھر وہ اسی بات کو اپنے انداز میں یوں سمجھایا کرتے تھے کہ:

((إِذَا أَمْسَيْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ وَإِذَا أَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

الْمَسَاءَ)) (بخاري ، كتاب الرقاق : ٦٤١٦)

”جب تمہاری شام ہو جائے تو صبح کا انتظار نہ کرو اور صبح ہو جائے تو شام تک کا انتظار مت کرو۔“

یعنی آج کا کام کل پر مت ڈالو، کہ تم جس کل کے لیے کام کو مؤخر کر رہے ہو نہ جانے وہ آئے یا نہ آئے۔

کل حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جو بات کہا کرتے تھے، آج ہم بھی وہی بات کہتے ہیں، بلکہ عملاً کر کے دکھاتے ہیں، مگر کتنا فرق ہے ہماری بات میں اور ان کی بات میں! زمین و آسمان کے فرق سے بھی زیادہ، کہ وہ یہ بات دین کے حوالے سے کہا کرتے تھے اور ہم دنیا کے حوالے سے، کہ آج ہی کر لو جو کچھ کرنا ہے، کل کس نے دیکھی۔

تو مال و دولت سے اجتناب و احتراز کی باتیں جو کہ بظاہر مشکل نظر آتی ہیں لیکن اگر کوئی سمجھنا چاہے تو اتنی آسان ہیں کہ گویا آدمی اس حقیقت کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہا ہو، مگر شرط یہ ہے کہ اس نے دل میں سرتاپا دنیا نہ بسا رکھی ہو، کم از کم سانس لینے کی گنجائش باقی ہو تو یہ باتیں سمجھ آسکتی ہیں۔

نصیحت تو آپ جانتے ہیں کہ ذرا کڑوی ہی ہوتی ہے، نصیحت کی بات پر غور و فکر اور تدبر و تامل کرنا اور اس پر عمل کرنا تو بہت دور کی بات ہے انسان کو سننا بھی گوارہ نہیں ہوتا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ انسان کے فطری مزاج کے خلاف ہے، انسان پسند نہیں کرتا کہ کوئی اسے روکے ٹوکے، اس کی مرضی، اس کی پسند اور اس کی خواہش میں رکاوٹ بنے، غرضیکہ جس چیز سے جتنا زیادہ لگاؤ اور تعلق ہوگا اسی قدر اس کے متعلق نصیحت سننا ناگوار ہوگا۔

ویسے تو انسان نے دنیا کی ہر چیز دل میں بسا رکھی ہوتی ہے، مگر دولت سے اسے کچھ زیادہ ہی لگاؤ ہے، چنانچہ دولت سے متعلق کوئی نصیحت سننا اس کے لیے اور بھی دشوار ہوتا ہے۔

نصیحت سے بھاگنا، نصیحت سے منہ موڑنا، اسے توجہ نہ دینا، اس پر غور و فکر نہ کرنا انتہائی شدید اور سنگین غلطی ہے، آخرت کی ناکامی اور تباہی و بربادی کی بنیادی وجہ ہے، یہ ایک ایسا

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ناپسندیدہ اور مکروہ فعل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو گدھے کے بدکنے سے تشبیہ دی ہے، جیسا کہ فرمایا:

﴿فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ ﴿٤٩﴾ كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنفِرَةٌ ﴿٥٠﴾ فَرَّتْ مِن قَسْوَرَةٍ ﴿٥١﴾﴾ (المدثر : ٤٩ تا ٥١)

''ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ اس نصیحت سے منہ موڑ رہے ہیں، گویا یہ جنگلی گدھے ہیں جو شیر سے ڈر کر بھاگ پڑے ہیں۔''

نصیحت سے اعراض ہی انسان کی ناکامی کا بنیادی سبب ہے، آج دنیا میں نصیحت سے منہ موڑنے والے کل کو اپنی اس کوتاہی کا اعتراف کرتے نظر آئیں گے۔

﴿وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ ﴿١٠﴾ فَاعْتَرَفُوا بِذَنبِهِمْ فَسُحْقًا لِّأَصْحَابِ السَّعِيرِ ﴿١١﴾﴾ (الملك : ١٠، ١١)

''اور وہ کہیں گے: کاش! ہم سنتے اور سمجھتے، تو آج اس بھڑکتی ہوئی آگ کے سزاواروں میں شامل نہ ہوتے۔ اس طرح وہ اپنے قصور کا خود اعتراف کر لیں گے، دوری ہوان دوزخیوں کی۔''

تو دولت جو کہ ہماری ضرورت اور مجبوری ہے اور ہم اس کے ساتھ شدید قلبی لگاؤ بھی رکھتے ہیں، اگر اسے اصول و قواعد اور احکام و ضوابط کے بغیر حاصل کیا جائے اور استعمال کیا جائے تو یقیناً دنیا و آخرت میں سنگین نتائج کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔

جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ مِمَّا اَخَافُ عَلَيْكُمْ بَعْدِیْ مَا يُفْتَحُ عَلَيْكُمْ مِّنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتِهَا))

''مجھے اپنے بعد تم پر دنیا کی زیبائش و آرائش کے کھل جانے کا خدشہ ہے۔''

یعنی دنیا کی نعمتوں، مال و دولت کی فراوانی اور اس کی زیب و زینت کی تم پر وسعت اور کشادگی ہوگی۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

((فَقَالَ رَجُلٌ اَوَ يَاتِى الْخَيْرُ بِالشَّرِّيَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ))

''تو اہل مجلس میں سے ایک شخص نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا خیر سے شر برآمد ہوتا ہے؟''

یعنی مال و دولت تو اک خیر ہے، تو پھر اس کی فراوانی اور وسعت سے ڈرنے کا کیا معنی ہے۔

((فَسَكَتَ عَنْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ))

''تو آپ ﷺ خاموش ہو گئے۔''

((فَقِيْلَ لَهٗ مَاشَانُكَ تُكَلِّمُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَلَا يُكَلِّمُكَ))

''تو لوگوں نے اس سے کہا: تمہیں کیا مسئلہ ہے، تم نبی کریم ﷺ سے بات کرتے ہو، مگر آپ ﷺ تم سے بات نہیں کر رہے۔''

((قَالَ وَرُئِيْنَا أَنَّهٗ يُنْزَلُ عَلَيْهِ))

''کہا: تو اتنے میں ہم نے دیکھا کہ آپ ﷺ پر وحی نازل ہو رہی ہے۔''

((فَاَفَاقَ يَمْسَحُ عَنْهُ الرُّحَضَاءَ وَقَالَ إِنَّ هٰذَا السَّآئِلَ))

''آپ ﷺ نے پسینہ پونچھا اور فرمایا: یہ سوال کرنے والا!''

((وَكَانَّهٗ حَمِدَهٗ))

''آپ ﷺ نے اس لہجے میں اس کے بارے میں دریافت فرمایا گویا کہ اس کا سوال کرنا قابل تعریف ٹھہرا۔''

((فَقَالَ اِنَّهٗ لَا يَاْتِى الْخَيْرُ بِالشَّرِّ))

''تو آپ ﷺ نے فرمایا: یقیناً خیر سے شر برآمد نہیں ہوتا۔''

((وَاِنَّ مِمَّا يُنْبِتُ الرَّبِيْعُ يَقْتُلُ اَوْ يُلِمُّ اِلَّا اٰكِلَةَ الْخَضِرِ))

''اور موسم بہار جو کچھ اگاتا ہے اس سے جانور پیٹ کے پھولنے سے مر جاتا ہے یا مرنے کے قریب ہو جاتا ہے، سوائے اس کے جو سبزہ وغیرہ کھاتا ہے۔''

یعنی موسم بہار جب آتا ہے تو ہر طرف ہریالی نظر آنے لگتی ہے بالخصوص ندی نالوں کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کناروں پر، تو مویشی وہ دیکھ کر بہت خوش ہوتے ہیں اور پھر خوب کھاتے ہیں اور کھاتے ہی چلے جاتے ہیں حتی کہ ان کے پہلو پھول جاتے ہیں اور مزید کچھ کھانے کی گنجائش باقی نہیں رہتی، تو اتنا زیادہ کھانے سے یا تو جانور مر جاتے ہیں یا پھر بیمار پڑ جاتے ہیں سوائے ان جانوروں کے جو کھیتوں میں چرتے ہیں اور کھیتی پک جانے کے بعد جب کاٹ لی جاتی ہے تو وہاں بچا کھچا سبزہ یا سوکھی پڑی کھیتی کے ٹکڑے وغیرہ کھاتے ہیں تو وہ بچے رہتے ہیں اور وہ بھی اس صورت میں کہ:

((اَكَلَتْ حَتّٰى اِذَا امْتَلَأَتْ خَاصِرَتَاهَا اسْتَقْبَلَتْ عَيْنَ الشَّمْسِ فَثَلَطَتْ وَبَالَتْ ثُمَّ رَتَعَتْ))

''وہ روکھی سوکھی کھانے والا جانور جب کھاتا ہے اور کوکھیں بھر جاتی ہیں تو سورج کی طرف منہ کر کے بیٹھ جاتا ہے، جگالی کرتا ہے، بول و براز کرتا ہے تو پیٹ نارمل ہو جاتا ہے اور لوٹ کر پھر کھانے لگتا ہے۔''

((وَاِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرٌ حُلْوٌ))

''اور یہ مال سرسبز اور میٹھا ہے۔''

((وَنِعْمَ صَاحِبُ الْمُسْلِمِ هُوَ لِمَنْ اَعْطٰى مِنْهُ الْمِسْكِيْنَ وَالْيَتِيْمَ وَابْنَ السَّبِيْلِ))

''اور یہ مسلمان کا ایک اچھا ساتھی ہے، جس سے وہ مسکینوں، یتیموں اور مسافروں کو دیتا ہے۔''

((اَوْ كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ))

''یا جیسے آپ ﷺ نے فرمایا۔''

((وَاِنَّهُ مَنْ يَّاْخُذُهُ بِغَيْرِ حَقِّهِ كَالَّذِيْ يَاْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ وَيَكُوْنُ عَلَيْهِ شَهِيْدًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ)) (مسلم، کتاب الزکاۃ: ۱۰۵۲)

''اور جو اسے ناجائز طریقے سے حاصل کرے، تو وہ اس شخص کی طرح ہے جو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کھاتا چلا جاتا ہے مگر سیر نہیں ہوتا، اس کا پیٹ نہیں بھرتا اور وہ مال قیامت کے دن اس کے خلاف گواہ بنے گا۔"

اس حدیث کی تشریح کے لیے تو وقت درکار ہوگا، اس لیے خلاصے پر ہی اکتفا کرتے ہیں اور خلاصہ یہ ہے کہ لالچ بری بلا ہے اور جو شخص دولت کے حصول میں حلال وحرام کی تمیز نہیں کرتا، حقوق اللہ اور حقوق العباد کی پرواہ نہیں کرتا اور حاصل کر لینے کے بعد اللہ کی راہ میں وافر مقدار میں خرچ نہیں کرتا وہ دنیا و آخرت میں اس کے نقصانات سے نہیں بچ سکتا۔

مال و دولت کے ساتھ گہرے قلبی تعلق کے نتیجے میں جو نقصانات ہوتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اللہ پر توکل ختم ہو جاتا ہے اور سارا بھروسہ مال و دولت پر ہو جاتا ہے۔

بات کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے اگرچہ مثالوں کی ضرورت ہے مگر چونکہ لوگ بات کو سمجھنے کے بجائے اسے اپنی ذات، یا اپنی اپنی پارٹی کے خلاف تنقید سمجھنے لگ جاتے ہیں اس لیے مثالوں سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف آیات واحادیث کے ترجمے تک ہی محدود رہیں گے اور اگر وہ بھی برداشت نہ ہوں تو پھر کچھ نہیں کیا جا سکتا۔

مال و دولت سے شدید قلبی لگاؤ کی بنا پر اجتماعی طور پر ہمارے عقائد تک خراب ہو گئے ہیں، قوموں کی ترقی اور خوشحالی، عروج و کمال اور زوال و انحطاط کے اسباب قرآن و حدیث میں بہت وضاحت کے ساتھ اور مثالیں دے دے کر بیان کیے گئے ہیں۔

یہ موضوع اتنا طویل ہے کہ اسے یقیناً چند نشستوں میں نہیں سمیٹا جا سکتا، اس لیے فی الحال دو ایک آیات واحادیث پر ہی بس کریں گے ان شاء اللہ۔

خوشحالی کے حوالے سے آج کے مسلمان کے خیالات ونظریات کیا ہیں؟ وہ ہمارے قول و فعل سے، ہمارے طرز زندگی سے اور ہمارے اپنے لیے رہنماؤں کے انتخاب سے عیاں ہیں۔

دوسرے لفظوں میں مادی ترقی اور خوشحالی کے لیے ہمارا سراسر انحصار، توکل، اور بھروسہ مادی وسائل پر ہے، ہم کسی ایک شخص یا چند ماہرین اقتصادیات پر بھروسہ کرتے ہوئے اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مخصوص اقتصادی منصوبے پر یقین کرتے ہوئے اقتصادی خوشحالی کا نعرہ بلند کرتے ہیں۔

دنیا میں زندگی گزارنے کے لیے مادی وسائل کی ضرورت اور استعمال سے یقیناً انکار نہیں کیا جاسکتا، لیکن اس بات سے بھی انکار ممکن نہیں ہے کہ معاشی خوشحالی کی کوششوں سے پہلے معاشی بدحالی کے اسباب جانا بھی ضروری ہے۔

ایک سچے مسلمان کے عقیدے کے مطابق معاشی بدحالی کے اصلی اور حقیقی اسباب وہی ہیں جو قرآن و حدیث بیان کرتا ہے اور وہ اسباب دور کیے بغیر مسلمان قوم کو معاشی خوشحالی ہرگز نصیب نہیں ہوسکتی اور اگر اس کے باوجود کہ وہ اسباب اپنی جگہ موجود رہیں اور خوشحالی مل جائے تو وہ اللہ کا عذاب ہوگا، رحمت نہیں۔

اب آیئے مسلمان قوم کی بدحالی اور بالخصوص معاشی بدحالی کے اسباب میں سے چند اسباب جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

حدیث میں ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ:

((أَقْبَلَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: يَا مَعْشَرَ الْمُهَاجِرِيْنَ خَمْسٌ إِذَا ابْتُلِيْتُمْ بِهِنَّ وَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ تُدْرِكُوْهُنَّ))

”ایک بار آپ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: اے مہاجرین کی جماعت! پانچ چیزیں ایسی ہیں کہ اگر تم ان میں مبتلا ہو گئے اور میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں کہ تمھیں وہ زمانہ بھی دیکھنا پڑے۔“

۱۔ ((لَمْ تَظْهَرِ الْفَاحِشَةُ فِيْ قَوْمٍ قَطُّ حَتَّى يُعْلِنُوْا، إِلَّا فَشَا فِيْهِمُ الطَّاعُوْنُ وَالْأَوْجَاعُ الَّتِي لَمْ تَكُنْ مَضَتْ فِيْ أَسْلَافِهِمُ الَّذِيْنَ مَضَوا))

”جب کسی قوم میں فحاشی در آئے حتی کہ وہ اسے علی الاعلان کرنے لگ جائیں تو اس قوم میں ایسی ایسی وبائیں اور بیماریاں پھیل جاتی ہیں جو اس سے پہلے ان کے اسلاف میں نہ پائی جاتی تھیں۔“

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

۲۔ ((وَلَمْ يَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ إِلَّا أُخِذُوْا بِالسِّنِيْنَ وَشِدَّةِ الْمَؤُنَةِ وَجوْرِ السُّلْطَانِ عَلَيْهِمْ))

''اور جب کوئی قوم ناپ تول میں کمی کرنے لگ جاتی ہے تو قحط سالی، غذائی قلت اور مہنگائی اور حکمرانوں کے ظلم و ناانصافی کے ذریعے ان کی پکڑ ہوتی ہے۔''

۳۔ ((وَلَمْ يَمْنَعُوْا زَكَاةَ أَمْوَالِهِمْ إِلَّا مُنِعُوْا الْقَطْرَ مِنَ السَّمَاءِ، وَلَوْلَا الْبَهَائِمُ لَمْ يُمْطَرُوْا))

''اور جب کوئی قوم اپنے مالوں کی زکاۃ روک لیتی ہے تو آسمان سے ان کی بارش روک لی جاتی ہے اور اگر جانور اور مویشی نہ ہوتے تو ہرگز بارش نہ ہوتی۔''

٤۔ ((وَلَمْ يَنْقُضُوْا عَهْدَ اللّٰهِ وَعَهْدَ رَسُوْلِهِ، إِلَّا سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ غَيْرِهِمْ، فَأَخَذُوْا بَعْضَ مَا فِيْ أَيْدِيْهِمْ))

''اور جب کوئی قوم اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے کیے گئے عہد و پیمان کو توڑ دیتی ہے تو اللہ تعالیٰ کسی غیر قوم کو ان پر مسلط کر دیتا ہے اور وہ ان کے قبضے سے کچھ چھین لے جاتا ہے۔''

۵۔ ((وَمَا لَمْ تَحْكُمْ أَئِمَّتُهُمْ بِكِتَابِ اللّٰهِ، وَيَتَخَيَّرُوْا مِمَّا أَنْزَلَ اللّٰهُ إِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ بَأْسَهُمْ بَيْنَهُمْ))

''اور جب کسی قوم کے حکمران کتاب اللہ کے مطابق حکمرانی نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ رہنمائی کو اختیار نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ ان میں باہمی لڑائی جھگڑے پیدا کر دیتا ہے۔''

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انسان کا اصل مسئلہ غربت و افلاس یا کثرتِ مال

﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۹۶﴾ (الاعراف: ۹۶)

مال و دولت کہ جسے انسان اپنا سب سے بڑا مسئلہ سمجھتا ہے وہ درحقیقت اس کے مسائل کا سب سے بڑا سبب ہے، مال و دولت کے نہ ہونے کی وجہ سے بھی انسان کو زندگی میں کچھ مسائل کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے، مگر ہونے کی وجہ سے بہت زیادہ اور بڑے بڑے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ایسے مسائل کہ جو انسان کی دنیوی اور اخروی زندگی کی ناکامی اور تباہی کا باعث ہو سکتے ہیں، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((فَوَاللّٰهِ لَا الْفَقْرَ أَخْشَى عَلَيْكُمْ))

”اللہ کی قسم مجھے تمہارے مفلس اور کنگال ہونے کا ڈر نہیں ہے۔“

((وَلٰكِنْ أَخْشَى عَلَيْكُمْ أَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا كَمَا بُسِطَتْ عَلَى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ))

”لیکن تم پر دنیا کے کشادہ ہونے کا ڈر ہے، جس طرح کہ تم سے پہلی قوموں پر کشادہ ہوئی تھی۔“

((فَتَنَافَسُوهَا كَمَا تَنَافَسُوهَا))

”اور تم اس کے حصول کے لیے ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کی کوشش کرو گے جس طرح انہوں نے ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کی کوشش کی۔“

((وَتُهْلِكَكُمْ كَمَا أَهْلَكَتْهُمْ))

(بخاري، كتاب الجزية والموادعة: ۳۱۵۸)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

''اور تمہیں بھی اسی طرح تباہ و برباد کر دے گی جس طرح ان کو برباد کیا تھا۔''

تو انسان کا اصل مسئلہ غربت و افلاس نہیں بلکہ دولت کی ریل پیل اور فراوانی ہے جو کہ انسان کی بربادی کا باعث ہے، لہٰذا اسلام نے مال و دولت کے حوالے سے بہت زیادہ تفصیل کے ساتھ رہنمائی دی ہے، اس رہنمائی کو نظر انداز کر کے دنیا کے حصول کے لیے میدان میں کود پڑنا تباہی کا پیشگی اعلان ہے۔

اسلام نے مال و دولت کے حوالے سے جو تفصیلی رہنمائی دی ہے اس میں سب سے زیادہ زور تو اس بات پر دیا ہے کہ دولت سے جہاں تک ممکن ہو دور رہا جائے اور اس کے لیے کثرتِ مال و دولت کے عمومی نقصانات کا ذکر کیا گیا، اس میں گذشتہ قوموں کے مالدار لوگوں کی واقعاتی مثالیں پیش کی گئیں اور ان کا انجام بیان کیا گیا کہ دولت کی وجہ سے ان میں کیا کیا خرابیاں پیدا ہوئیں اور پھر ان کا انجام کیا ہوا اور پھر بہت سے حقائق بیان کیے گئے کہ دولت کے ناجائز حصول اور ناجائز استعمال کے نتیجے میں دنیا و آخرت میں کیا کیا سزائیں ہو سکتی ہیں اور قیامت کے دن انہیں کن کن ہولناک مراحل سے گزرنا پڑے گا۔

اگر آدمی کی اس پر بھی تسلی نہ ہو اور اس کے حرص اور ہوس کی آگ ٹھنڈی نہ ہو، اس کے لالچ میں کمی نہ آئے، دولت کی محبت میں تخفیف نہ ہو، جوش و جذبہ کم نہ ہو، رالیں ٹپکنا بند نہ ہوں تو پھر اسے تاکید کی جاتی ہے کہ ٹھیک ہے دولت حاصل کر لو، مگر دیکھنا کہ جائز اور حلال ہو اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں کوتاہی نہ ہو، تکبر اور غرور نہ کرنا، ظلم و زیادتی نہ کرنا، کسی کو حقیر نہ جاننا اور اللہ کی راہ میں یوں فراخدلی سے خرچ کرنا کہ:

((هَكَذَا وَهَكَذَا وَهَكَذَا))

''چلو بھر بھر کر، چلو بھر بھر کر اور چلو بھر بھر کر۔''

جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ الْأَكْثَرِينَ هُمُ الْأَقَلُّونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))

''دنیا میں کثرت والے، قیامت کے دن قلت والے ہوں گے۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

یعنی جن کے پاس دنیا میں بہت زیادہ مال و دولت ہوگا، قیامت کے دن وہ لوگ چھوٹے مرتبے والے ہوں گے۔

دنیا میں دنیا والوں کے نزدیک چھوٹے بڑے کا معیار مال و دولت کی قلت و کثرت مانا جاتا ہے، مگر قیامت کے دن مالدار لوگ نچلے مرتبے کے لوگ ہوں گے۔

((إِلَّا مَنْ قَالَ هَكَذَا وَهَكَذَا وَهَكَذَا))

(بخاري، كتاب الرقاق: ٦٤٤٤)

''سوائے ان لوگوں کے جو مال کو یوں، یوں اور یوں خرچ کرتے رہے۔''

آپ ﷺ نے دائیں، بائیں اور پیچھے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ جو لوگ مال کو یوں یوں فراخدلی سے خرچ کرتے رہے وہ قیامت کے دن چھوٹی حیثیت والے ہونے سے محفوظ رہیں گے، ورنہ دنیا کا ہر مالدار قیامت کے دن چھوٹے طبقے کے لوگوں میں شامل ہوگا۔

اب اگر کوئی چاہتا ہے کہ وہ دنیا کی زندگی کے پچاس ساٹھ سال بڑا بن کر جئے مگر پھر آخرت کی نہ ختم ہونے والی زندگی میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھوٹے طبقے میں رہے تو پھر وہ بے شک اپنے پیسے پر سانپ بن کر بیٹھا رہے اور اپنا کاروبار اور اپنا بینک بیلنس دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا رہے، اس کی مرضی ہے۔

مال بنیادی طور پر انسان کی دینی اور دنیوی بنیادی ضرورتوں کے لیے معرض وجود میں لایا گیا ہے، یہ دنیا میں عیش و عشرت کے لیے نہیں بنایا گیا، گن گن کر رکھنے کے لیے نہیں، تجوریاں بھرنے کے لیے نہیں اور بینکوں کے کھاتے سیاہ کرنے کے لیے نہیں بنایا گیا، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

((إِنَّا أَنْزَلْنَا الْمَالَ لِإِقَامَةِ الصَّلَاةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ))

(السلسلة الصحيحة: ١٦٣٩)

''ہم نے مال کو نماز قائم کرنے کے لیے اور زکاۃ ادا کرنے کے لیے نازل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیا ہے۔‘‘

لہٰذا مالِ مفید وہ مال ہے جو اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے استعمال ہو، شعائرِ دین کے اظہار کے لیے استعمال ہو، جو اسلام کی سربلندی کے لیے استعمال ہو، جو تقرّب الی اللہ کے لیے استعمال ہو، جو غریبوں، مسکینوں، درماندوں اور تہی دستوں کی مدد و اعانت کے لیے استعمال ہو، ورنہ وہ مال قیامت کے دن انسان کے خلاف گواہ بن کر پیش ہونے والا ہے۔

یاد رکھیں کہ مال کے تعلق سے دنیا میں آدمی کی دو ہی حیثیتیں اور دو ہی حالتیں ہیں، دو ہی گروہ ہیں، تیسرا کوئی نہیں، ہمارا ان میں سے کس میں شمار ہوتا ہے یہ جاننا ہم میں سے ہر ایک کے لیے ضروری ہے تاکہ کل کو ہمیں برے نتائج کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّمَا الدُّنْيَا لِأَرْبَعَةِ نَفَرٍ))

’’یہ دنیا چار قسم کے لوگوں کے لیے ہے۔‘‘

یعنی مال کے حوالے سے لوگوں کی چار حالتیں ہوسکتی ہیں۔

((عَبْدٍ رَزَقَهُ اللّٰهُ مَالًا وَعِلْمًا فَهُوَ يَتَّقِي فِيهِ رَبَّهُ وَيَصِلُ فِيهِ رَحِمَهُ وَيَعْلَمُ لِلّٰهِ فِيهِ حَقًّا))

’’ایک وہ بندہ جسے اللہ تعالیٰ نے مال سے بھی نوازا ہے اور علم بھی عطا فرما رکھا ہے اور وہ اس میں اللہ کا ڈر اور خوف رکھتا ہے، اس کا تقویٰ رکھتا ہے۔ وہ اس میں صلہ رحمی بھی کرتا ہے اور اس میں اللہ کا حق بھی جانتا ہے۔‘‘

یعنی مال کے کمانے اور خرچ کرنے میں تقویٰ اختیار کرتا ہے کہ حلال کماتا ہے اور جائز جگہ خرچ کرتا ہے، وہ اس مال کے ساتھ صلہ رحمی بھی کرتا ہے اور جانتا ہے کہ اس کے مال میں اللہ کا حق بھی ہے۔

((فَهٰذَا بِأَفْضَلِ الْمَنَازِلِ))

’’تو ایسا شخص بلند ترین مرتبے پر فائز ہے۔‘‘

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

((وَعَبْدٍ رَزَقَهُ اللّٰهُ عِلْمًا وَلَمْ يَرْزُقْهُ مَالًا فَهُوَ صَادِقُ النِّيَّةِ))

''اور ایک ایسا بندہ کہ جسے اللہ تعالیٰ نے علم دیا ہے، مگر مال نہیں دیا، لیکن وہ ایک سچی نیت رکھتا ہے۔''

((يَقُولُ لَوْ أَنَّ لِي مَالًا لَعَمِلْتُ بِعَمَلِ فُلَانٍ))

''وہ کہتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہو تو میں فلاں شخص کی طرح معاملہ کروں۔''

یعنی جس طرح وہ علم رکھنے والا، متقی، مالدار انسان خرچ کرتا ہے میں بھی اسی طرح خرچ کروں گا۔

((فَهُوَ بِنِيَّتِهِ فَأَجْرُهُمَا سَوَاءٌ))

''تو وہ اپنی نیت کے حساب سے ہوگا۔ چنانچہ وہ دونوں اجر و ثواب میں برابر ہوں گے۔''

((وَعَبْدٍ رَزَقَهُ اللّٰهُ مَالًا وَلَمْ يَرْزُقْهُ عِلْمًا فَهُوَ يَخْبِطُ فِي مَالِهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ لَا يَتَّقِي فِيهِ رَبَّهُ وَلَا يَصِلُ فِيهِ رَحِمَهُ وَلَا يَعْلَمُ لِلّٰهِ فِيهِ حَقًّا))

''اور ایک بندہ کہ جسے اللہ نے مال دیا ہے مگر علم نہیں دیا، وہ اپنا مال خرچ کرتا ہے، بغیر علم کے خرچ کرتا ہے، خرچ کرتے ہوئے اللہ سے نہیں ڈرتا، صلہ رحمی نہیں کرتا اور نہ اس میں اللہ کا کوئی حق سمجھتا ہے۔''

((فَهٰذَا بِأَخْبَثِ الْمَنَازِلِ))

''اور یہ سب سے خبیث درجے کا آدمی ہے۔''

((وَعَبْدٍ لَمْ يَرْزُقْهُ اللّٰهُ مَالًا وَلَا عِلْمًا))

''اور ایک شخص ایسا ہے جسے اللہ نے مال دیا ہے نہ علم''

((فَهُوَ يَقُولُ لَوْ أَنَّ لِي مَالًا لَعَمِلْتُ فِيهِ بِعَمَلِ فُلَانٍ))

''وہ کہتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہو تو میں فلاں شخص کی طرح اس میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

معاملہ کروں۔"

((فَهُوَ بِنِيَّتِهِ))

"بس اس کا درجہ اس کی نیت کے حساب سے ہوگا۔"

((فَوِزْرُهُمَا سَوَاءٌ)) (ترمذی : ۲۳۲۵)

"بس وہ دونوں گناہ میں برابر ہوں گے۔"

اب ہم اگر اپنے گریبانوں میں جھانکیں اور دیکھیں کہ ہمارا شمار ان میں سے پہلی دو قسموں میں ہوتا ہے یا بعد والی دو قسموں میں تو ہمیں اپنی حیثیت کا علم ہو جائے گا کہ اللہ کے ہاں ہمارا اسٹیٹس کیا ہے، اچھے مرتبے والوں میں شمار ہوگا ہے یا خبیث اور گھٹیا درجے کے لوگوں میں ہمارا نام آتا ہے۔

اچھے مرتبے والے لوگوں کا عمل تو آپ نے جان لیا کہ کہ وہ علم کی روشنی میں اور اللہ سے ڈرتے ہوئے رزق کماتے اور خرچ کرتے ہیں۔ دوسری طرف گھٹیا ترین اور خبیث مرتبے والے لوگوں کے طرز عمل کا میں ذکر نہیں کرنا چاہتا، وہ آپ کو معلوم ہی ہے کہ وہ مال کس طرح کماتے ہیں اور کن کاموں میں خرچ کرتے ہیں۔

ہم نے اپنی حیثیت جانني ہے کہ اللہ کے ہاں ہمارا کیا مقام ہے اور اس کے ہاں کس قسم کے لوگوں میں ہمارا شمار ہوتا ہے۔

اس حدیث کی تشریح میں یوں تو بہت سی باتیں کہنے اور سننے کی ہیں مگر اس میں ایک بہت اہم نکتہ مال اور علم کا کمبینیشن ہے اور اس میں فوقیت اور اہمیت علم کو حاصل ہے کہ علم کے بغیر مال نقصان دہ ہے جبکہ مال کے بغیر بھی علم کارآمد اور مفید ہے اور علم سے مراد دین کا علم ہے، قرآن و حدیث کا علم ہے۔ مگر اس کا مطلب ضروری طور پر عالم ہونا نہیں ہے بلکہ حلال اور حرام کا علم ہونا ہے اور یہ کہ کن کاموں سے اللہ خوش ہوتا ہے اور کن کاموں سے ناراض ہوتا ہے اور دیگر بنیادی باتوں کا علم ہونا وغیرہ۔ مگر ایسا علم کہ جس کے مطابق عمل بھی ہو۔

تو معنی یہ ہوا کہ دین کی بنیادی باتوں کا علم ہونا ضروری ہے بالخصوص کسی ایسے معاملے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں جس میں آپ اپنی ساری توانائیاں جھونک دینا چاہتے ہیں، جس کے لیے آپ دن رات تگ و دو کرنا چاہتے ہیں، جس کو آپ اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لینا چاہتے ہیں، اس کے لیے تو دین کے تقاضے معلوم کرتے چلیں، اس کے لیے تو دین کی ہدایات، ارشادات اور احکام جان کر چلیں، ورنہ تو آدمی کے ساتھ وہ معاملہ ہوسکتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، حدیث تو اگرچہ ضعیف ہے، مگر اسے اک مثال کے طور پر ذکر کرتے ہیں۔

((مَثَلُ الَّذِيْ يَجْلِسُ يَسْمَعُ الْحِكْمَةَ ثُمَّ لا يُحَدِّثُ عَنْ صَاحِبِهِ إِلَّا بِشَرِّ مَا يَسْمَعُ))

"اس شخص کی مثال جو کسی کے پاس بیٹھ کر حکمت کی باتیں سنتا ہے مگر جب وہ دوسروں سے جا کر بیان کرتا ہے تو وہ بات بیان کرتا ہے جو سب سے بری بات اس نے سنی ہوتی ہے۔"

((كَمَثَلِ رَجُلٍ اَتَى رَاعِيًا ، فَقَالَ: يَا رَاعِيْ اَجْزِرْنِيْ شَاةً مِنْ غَنَمِكَ .))

"اس کی مثال ایک ایسے شخص کی سی ہے جو کسی چرواہے کے پاس آیا اور کہا: اے چرواہے! مجھے اپنی بکریوں میں سے ایک بکری ذبح کرنے کے لیے دے دے۔"

((قَالَ اذْهَبْ فَخُذْ بِأُذُنِ خَيْرِهَا))

"تو چرواہے نے کہا کہ جاؤ اور جو سب سے اچھی بکری ہو اسے کان سے پکڑ کر لے جاؤ۔"

((فَذَهَبَ فَأَخَذَ بِأُذُنِ كَلْبِ الْغَنَمِ)) (ابن ماجة، كتاب الزهد : ۷۳)

"وہ گیا اور جا کر بکریوں کے ساتھ رکھوالی کے لیے جو کتا ہوتا ہے اس کو کان سے پکڑ کر لے آیا۔"

اب جو آدمی کتے اور بکری میں فرق نہ کر سکے، اس کی نظر صرف اس پر ہو کہ جانور بس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

موٹا تازہ ہونا چاہیے، وہ بکری کھا رہا ہے یا کتا کھا رہا ہے اس کو اس کا پتہ ہو نہ پرواہ۔

اسی طرح جو آدمی حلال اور حرام کے احکام جانے بغیر دولت کمائے گا اس کی مثال بھی بس کچھ ایسی ہی ہے۔

لہٰذا ہم چند جمعوں سے یہی جاننے اور سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ کہیں ہم انجانے میں کتے کو بکری سمجھ کر تو نہیں کھا رہے۔

مال و دولت کے بارے میں خصوصی طور پر جاننا اور خبردار رہنے کی کوشش کرنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ یہ ایک بہت بڑا فتنہ ہے۔ ویسے تو زندگی میں انسان کو چھوٹے بڑے بے شمار فتنوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے مگر مال ایک ایسا فتنہ ہے کہ جس نے پوری امت کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔

اسی طرح بڑے بڑے فتنوں میں سے کچھ فتنے خصوصی طور پر کسی امت کے ساتھ خاص کر دیئے جاتے ہیں اور ان میں سے مال ایک ایسا فتنہ ہے جو آپ ﷺ کی امت کے ساتھ خاص کیا گیا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ لِكُلِّ أُمَّةٍ فِتْنَةً وَفِتْنَةُ أُمَّتِي الْمَالُ)) (ترمذي ، كتاب الزهد : ٢٣٣٦)

''ہر امت کے لیے ایک خاص فتنہ اور آزمائش ہوتا ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے۔''

غربت و افلاس بھی یقیناً اک فتنہ ہوتا ہے، اک آزمائش ہوتی ہے، مگر اس آزمائش میں اور مال و دولت کی آزمائش میں بہت فرق ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((ابْتُلِينَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالضَّرَّاءِ فَصَبَرْنَا))

''آپ ﷺ کے ساتھ ہم پر بھی بڑی تکلیفیں اور مصیبتیں آئیں اور ہمیں بھی آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا، اور ہم نے صبر کیا۔''

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

((ثُمَّ ابْتُلِينَا بِالسَّرَّاءِ بَعْدَهُ فَلَمْ نَصْبِرْ))

(صحيح الترمذي، كتاب صفة القيامة والرقائق والورع : ٢٤٦٤)

''پھر آپ ﷺ کے بعد ہم پر خوشحالی کا فتنہ آیا تو ہم صبر نہ کر سکے۔''

تو غربت و افلاس کے فتنے سے اکثر لوگ بخیر و عافیت بچ نکلنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں، مگر مال و دولت اور خوشحالی کے فتنے سے بچ نکلنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہوتا ہے، آسان نہیں ہوتا۔ تنگیوں، تکلیفوں، مصیبتوں اور سختیوں پر صبر کرنے کا مطلب تو آپ جانتے ہی ہیں کہ خندہ پیشانی سے برداشت کرنا اور گلہ شکوہ نہ کرنا مگر مال و دولت کی فراوانی اور خوشحالی پر صبر کرنے کا مطلب، نعمتوں پر اللہ کا شکر ادا کرنا، معصیتوں اور نافرمانیوں کا ارتکاب نہ کرنا، تکبر اور غرور میں مبتلا نہ ہونا اور دولت کے حصول کے لیے ایک دوسرے پر ایسی سبقت لے جانے کی کوشش نہ کرنا کہ جس سے حقوق اللہ اور حقوق العباد ضائع ہوں اور آخرت بھول جائے۔ بلکہ تکلیفیں اور مصیبتیں تو عموماً آتی ہی اس لیے ہیں کہ لوگ توبہ و استغفار کر کے اللہ کی طرف رجوع کریں، جبکہ خوشحالی عموماً سزا کے طور پر آتی ہے، الا یہ کہ لوگ واقعتاً اس کے مستحق ہوں اور لوگ کب خوشحالی کے مستحق ہوتے ہیں اس کا ذکر ان شاءاللہ بعد میں کریں گے۔

ذرا تنگیوں اور تکلیفوں اور نعمتوں اور خوشحالیوں کی آزمائشوں کا فرق ملاحظہ کیجیے، اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ۝﴾ (الاعراف : ٩٤)

''کبھی ایسا نہیں ہوا ہے کہ ہم نے کسی بستی میں نبی بھیجا ہو اور اس بستی کے لوگوں کو پہلے تنگی اور سختی میں مبتلا نہ کیا ہو، اس خیال سے کہ شاید وہ عاجزی اختیار کریں آئیں۔''

﴿ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝﴾ (الاعرف : ٩٥)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''اور جب وہ اس حکمت کو نہ سمجھ سکے اور اپنی بداعمالیوں پر مصر رہے تو پھر ہم نے ان کی بدحالی کو خوشحالی سے بدل دیا یہاں تک کہ وہ خوب پھلے پھولے اور کہنے لگے کہ ہمارے آباء اجداد پر بھی اچھے اور برے دن آتے ہی رہے ہیں۔ آخر کار ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا اور نہیں اس کا شعور ہی نہ ہوا۔''

یعنی انہیں اس بات کا اندازہ ہی نہ ہوا کہ یہ تو اللہ کی طرف سے اک فتنہ اور آزمائش تھی۔

تو مال و دولت اک بہت بڑا فتنہ ہے، آزمائش ہے، بہت بڑا دھوکہ ہے، یہ دنیا میں جو کچھ نظر آتا ہے جسے انسان حقیقت سمجھ بیٹھا ہے، محض نظر کا دھوکہ ہے، یہاں انسان کی ملکیت میں جو کچھ بھی ہے جسے انسان اپنی ملکیت ظاہر کر کر کے خوش ہوتا رہتا ہے وہ محض اک سراب ہے، آدمی کا حقیقت میں جو کچھ اس دنیا میں ہے وہ صرف ایک چیز ہے اور وہ ہے اس کی قبر، باقی سب دھوکہ ہے۔ یہ دنیا اک راہ گزر ہے، انسان خود گزرتا جارہا ہے اور اپنی حقیقی منزل کی طرف مسلسل رواں دواں ہے مگر چیزوں کو دیکھ دیکھ کر کہتا جارہا ہے کہ یہ بھی میری ہے اور وہ بھی میری ہے، یہ کوٹھی میری ہے، وہ گاڑی میری ہے، وہ کاروبار میرا ہے، وہ بینک بیلنس میرا ہے اور بالآخر وہ اپنی حقیقی منزل کو پہنچ جاتا ہے۔

لوگو جاگو! آنکھیں کھولو! اور خوابِ غفلت سے بیدار ہوجاؤ اور جان لو کہ اس دنیا میں آپ کو جگانے والے، خبردار کرنے والے اور جھنجھوڑنے والے بہت کم ملیں گے اور ان کی صدا بھی انسان کی سماعت پر بس ایسے گزرتی ہے جیسے گہری نیند سوئے ہوئے آدمی کو جگانے والے کی آواز تو آرہی ہوتی ہے مگر نیند کے غلبے سے سر اتنا بوجھل ہورہا ہوتا ہے کہ جاگنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ مال و دولت اک بہت بڑا فتنہ ہے، اس فتنے کو سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں، مگر سمجھنا آسان نہیں ہے کہ فتنہ اگر آسانی سے سمجھ میں آجائے تو فتنہ نہیں ہوتا۔

اس موضوع پر گفتگو یقیناً بہت طویل ہے مگر آئندہ خطبۂ جمعہ میں ان شاء اللہ اسے سمیٹنے کی کوشش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کثرتِ مال و دولت یقیناً ایک بہت بڑی آزمائش اور فتنہ ہے

﴿وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٩٦﴾﴾ (الاعراف: ٩٦)

گزشتہ خطبے میں ہم نے جانا کہ ہر امت کا ایک فتنہ ہوتا ہے اور اِس امت کا فتنہ مال ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ:

((إِنَّ لِكُلِّ أُمَّةٍ فِتْنَةً وَفِتْنَةُ أُمَّتِي الْمَالُ))

(ترمذي، كتاب الزهد: ٢٣٣٦)

''ہر امت کے لیے ایک خاص فتنہ ہوتا ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے۔''

تو یوں تو انسان کو زندگی میں بے شمار فتنوں، آزمائشوں اور امتحانوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے بلکہ انسان کی پوری زندگی ہی سراسر آزمائش اور امتحان ہے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ زندگی کا کوئی پہلو اور کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جو انسان کے لیے امتحان نہ ہو، مگر کسی ایک فتنے، آزمائش اور امتحان کو پوری امت کا فتنہ اور امتحان قرار دینا اس فتنے کی شدت اور سنگینی کی نشاندہی کرتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان سراسر فتنوں میں گھرا ہوا ہے، اس کی زندگی کا ہر مرحلہ، ہر معاملہ، ہر نعمت، ہر سہولت، ہر رشتہ، ہر دوستی، ہر تعلق، حتی کہ جینا اور مرنا بھی فتنہ، آزمائش اور امتحان ہے اور یہ فتنے زندگی بھر انسان کے ساتھ رہتے ہیں اور پھر ان کے علاوہ کچھ خصوصی فتنوں کا بھی انسان کو سامنا کرنا پڑتا ہے، جیسا کہ مال کا فتنہ ہے اور پھر روزمرہ کے فتنوں میں سے کچھ فتنے کچھ لوگوں کے لیے بہت بڑے اور خصوصی فتنے بن جاتے ہیں اور اس سب کچھ کے باوجود فتنوں کا سلسلہ ابھی یہاں ختم نہیں ہوتا بلکہ قربِ قیامت فتنوں کا ایک نیا دور شروع

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوگا اور وہ فتنے اس کثرت کے ساتھ ہوں گے کہ:

((كَوَقْعِ الْقَطْرِ)) (بخاري ، كتاب الفتن : ٧٠٦٠)

''بارش کے قطروں کے گرنے کی طرح۔''

اور اس قدر شدید ہوں گے کہ:

((لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتَّى يَمُرَّ الرَّجُلُ بِقَبْرِ الرَّجُلِ فَيَقُولُ يَا لَيْتَنِيْ مَكَانَهُ)) (بخاري ، كتاب الفتن : ٧١١٥)

''قیامت قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ آدمی قبر کے پاس سے گزرے گا تو کہے گا: اے کاش! اس کی جگہ میں ہوتا۔''

اور ان سب پر بھاری ایک اور فتنہ ہے اور وہ ہے دجال کا فتنہ اور پھر اس زندگی کے اختتام پر اور دوسری زندگی کے آغاز پر ایک اور فتنہ ہوگا اور وہ ہے قبر کا فتنہ۔

فتنے کا لفظی معنی تو آزمائش اور امتحان ہے مگر اس کا مطلب اور مفہوم شاید ہم میں سے اکثر لوگوں کو معلوم نہ ہوگا، جب آدمی کسی فتنے اور آزمائش میں مبتلا ہوتا ہے تو کیا ہوتا ہے، کس چیز کا خطرہ ہوتا ہے، کس چیز کے نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے؟

جب آدمی کسی فتنے میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کا ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے، جیسا کہ دجال ایک فتنہ ہے اور اس کا سامنا کرنے سے گریز کرنے کا حکم ہے، اس لیے کہ اس سے ایمان کے جاتے رہنے کا خطرہ ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ سَمِعَ بِالدَّجَالِ فَلْيَنْأَ عَنْهُ))

''جو شخص دجال کی خبر سنے تو وہ اس سے دور رہے۔''

((فَوَ اللّٰهِ إِنَّ الرَّجُلَ لَيَأْتِيْهِ وَهُوَ يَحْسَبُ أَنَّهُ مُؤْمِنٌ))

''اللہ کی قسم جب کوئی آدمی اس کے پاس آئے گا اور وہ اپنے تئیں یہی سمجھ رہا ہوگا کہ وہ مؤمن ہے۔''

((فَيَتَّبِعُهُ مِمَّا يُبْعَثُ بِهِ مِنَ الشُّبُهَاتِ)) (ابو داود، كتاب الملاحم: ٤٣١٩)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''دجال جو لوگوں کو شکوک وشبہات میں ڈالنے کی چیزیں دے کر بھیجا گیا ہے، وہ آدمی جو تھوڑی دیر پہلے اپنے آپ کو پکا سچا مؤمن سمجھ رہا تھا، وہ ان چیزوں کو دیکھ کر دجال کی پیروی کرنے لگ جائے گا۔''

لہٰذا فتنے کا مطلب، آدمی کا ایمان آزمائش میں پڑ جانا ہے، ایسے ہی جب مال و دولت کو اور دوسری چیزوں کو فتنہ کہا جاتا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ وہ چیز آدمی کے ایمان کو امتحان میں ڈال دینے والی اور اسے متزلزل کر دینے والی ہوتی ہے۔

ہم خصوصی طور پر گذشتہ چند جمعوں سے مال و دولت کے فتنہ اور آزمائش ہونے کا ذکر کر رہے ہیں کہ وہ آدمی کے ایمان کے لیے کتنی بڑی آزمائش ہے، مال و دولت کے اک بہت بڑا فتنہ اور آزمائش ہونے کے قرآن و حدیث میں بہت سے دلائل ہیں جن میں سے متعدد کا ہم گذشتہ خطبات میں ذکر کر چکے ہیں، اور اب ایک اور ملاحظہ فرمایئے کہ جس سے آپ کو ٹھیک ٹھیک اندازہ ہو جائے گا اور خوب وضاحت کے ساتھ معلوم ہو جائے گا کہ مال انسان کے لیے کتنا بڑا فتنہ ہے:

قیامت کے دن جب لوگوں کو ان کا نامۂ اعمال دیا جائے گا تو وہ دو قسم کے لوگ ہوں گے، ایک وہ جنہیں دائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جائے گا اور دوسرے وہ جنہیں ان کے بائیں ہاتھ میں نامہ اعمال دیا جائے گا۔

جنہیں ان کے دائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جائے گا، وہ کہیں گے:

﴿هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ۝﴾ (الحاقة : ١٩)

''آؤ میرا نامہ اعمال پڑھو۔''

﴿اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ۝﴾ (الحاقة : ٢٠)

''مجھے یقین تھا کہ مجھے ضرور اپنا حساب ملنے والا ہے۔''

خوشی کا اظہار کرنے کے بعد اس حقیقت کا ذکر کیا کہ جس کی بدولت دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ ملنا ممکن ہوا اور وہ:

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

﴿اِنِّیۡ ظَنَنۡتُ اَنِّیۡ مُلٰقٍ حِسَابِیَهۡ ﴿۲۰﴾﴾ (الحاقة : ۲۰)

''مجھے یقین تھا کہ مجھے ضرور اپنا حساب ملنے والا ہے۔''

﴿وَ اَمَّا مَنۡ اُوۡتِیَ کِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۬ۙ فَیَقُوۡلُ یٰلَیۡتَنِیۡ لَمۡ اُوۡتَ کِتٰبِیَهۡ ﴿ۚ۲۵﴾ وَ لَمۡ اَدۡرِ مَا حِسَابِیَهۡ ﴿ۚ۲۶﴾ یٰلَیۡتَهَا کَانَتِ الۡقَاضِیَةَ ﴿ۚ۲۷﴾ مَاۤ اَغۡنٰی عَنِّیۡ مَالِیَهۡ ﴿ۚ۲۸﴾﴾

(الحاقة : ۲۵۔۲۸)

''البتہ جس کو اس کا اعمال نامہ اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، وہ کہے گا: کاش مجھے میرا اعمال نامہ نہ دیا گیا ہوتا اور میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیا ہے، کاش میری وہی موت ہی فیصلہ کن ہوتی۔''

حسرت وافسوس اور ندامت کے جذبات کا اظہار کرنے کے بعد سب سے پہلی بات جو وہ کہے گا، وہ یہ کہ:

﴿مَاۤ اَغۡنٰی عَنِّیۡ مَالِیَهۡ ﴿ۚ۲۸﴾﴾ (الحاقة : ۲۸)

''آج میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا۔''

﴿هَلَکَ عَنِّیۡ سُلۡطٰنِیَهۡ ﴿ۚ۲۹﴾﴾ (الحاقة : ۲۹)

''میرا سارا اقتدار ختم ہوگیا۔''

گویا کہ وہ اس حقیقت کا اظہار کرے گا کہ جس کے سبب اسے وہ دن دیکھنا پڑا کہ اسے بائیں ہاتھ میں نامہ اعمال دیا گیا، دنیا میں جو اس کے پاس قوت وطاقت تھی، لاؤ لشکر تھا، مال و دولت تھی جس کی وجہ سے اسے اپنے گاؤں میں، اپنے محلے اور اپنے شہر میں اور اپنے ملک میں اقتدار حاصل تھا، وہ سب ختم ہوگیا۔

آپ نے اندازہ کیا کہ حالانکہ قیامت کے دن انسان کی ناکامی کے بے شمار اسباب ہوں گے، مگر انسان جب صرف ایک سبب کا ذکر کرے گا کہ:

﴿مَاۤ اَغۡنٰی عَنِّیۡ مَالِیَهۡ ﴿ۚ۲۸﴾﴾ (الحاقه : ۲۸)

''آج میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا۔''

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

گویا کہ مال اس کی تباہی و بربادی کا اصل سبب ہے، تو اس سے آپ جان سکتے ہیں کہ مال انسان کے لیے کتنا بڑا فتنہ اور کتنی بڑی آزمائش ہے۔

اب سب سے پہلے تو ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں ان فتنوں سے آگاہ کرتے ہوئے ہم پر بہت بڑا احسان فرمایا ہے اور یہ اس کا ہم پر خصوصی انعام ہے کہ اس نے قدم قدم پر ہماری رہنمائی فرمائی، ہمارے لیے تذکیر وموعظت اور یاددہانی کا انتظام فرمایا اور اگر یہ آگاہی نہ بھی ہوتی تو حجت تو ہم پر یوں بھی تمام ہو چکی تھی کہ ایک تو اللہ تعالیٰ نے خیر وشر کی تمیز ہماری فطرت میں رکھ دی ہے، ہمیں نفع ونقصان میں فرق کرنے کا شعور دیا ہے۔ ہمیں صحیح اور غلط میں پہچان کرنے کے لیے عقل سے نوازا ہے، ہمیں تجربات اور مشاہدات سے سیکھنے کی توفیق بخشی ہے اور پھر اس سب کچھ کے باوجود بھی وہ ہمیں خصوصی طور پر فتنوں سے آگاہ کرتا ہے تو یہ یقیناً اس کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ حقیقت جان لینے کے بعد کہ مال انسان کی ناکامی اور اس کی تباہی و بربادی کا سب سے بڑا سبب ہے، ہمارا طرزِ عمل کیا ہونا چاہیے تھا، مطلب یہ کہ یہ حقیقت کوئی ابھی ابھی دریافت نہیں ہوئی کہ اب سے اس پر کام شروع کیا جائے بلکہ یہ حقیقت پہلے سے معلوم شدہ ہے، فطرت بھی اس طرف اشارہ کرتی ہے، عقل و دانش بھی اس کی نشاندہی کرتے ہیں اور تجربات و مشاہدات بھی یہ سب کچھ بتاتے ہیں کہ اللہ کے بتائے ہوئے اصول وقوانین کو نظر انداز کر کے اور بالائے طاق رکھ کر اگر مال و دولت سے معاملہ کیا جائے تو اس سے یقینی طور پر نقصانات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، مگر یہ جاننے کے باوجود اس حوالے سے ہمارا طرزِ عمل کیا رہا؟

کیا ہم نے ان فتنوں سے دور رہنے کی کوشش کی، کیا ہم نے اپنے آپ کو اور اپنے اہل خانہ کو اس کے نقصانات اور اس کی تباہی سے بچانے کی کوشش کی، یا ہم نے خود کو بھی اس دلدل میں پھنسا رکھا ہے اور اپنی اولادوں کو بھی اس میں دھکیل رہے ہیں!

دولتمند بننے کا شوق ہو تو اس کے اصول وقوانین جاننے ضروری ہیں۔ قواعد وضوابط سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آگاہی ضروری ہے، اس کی حدود و قیود کا علم ضروری ہے، جس طرح کہ سانپ پالنے کا شوق ہو تو اس کے لیے سپیرا بننا پڑتا ہے، سانپوں کو پکڑنے کا فن جاننا پڑتا ہے، کیونکہ سانپ کی فطرت میں ڈسنا ہے اور وہ بلا امتیاز ہر ایک کو ڈسنے کی کوشش کرتا ہے، اگر اس سے بچنے کا فن نہ آتا ہو تو اس کے ڈنگ سے ہرگز بچا نہیں جا سکتا، اسی طرح دولت کے بھی کچھ یقینی نقصانات ہیں، اگر ان سے بچنا نہ آتا ہو تو وہ آدمی کو تباہی و بربادی کی طرف دھکیل دیتی ہے۔

پھر بھی اگر کوئی دولت مند ہونے کے دن میں خواب دیکھنا چاہتا ہے تو اس کی مرضی، مگر اس کے حق میں بہتر صرف یہی ہے کہ وہ اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں کے اندر رہتے ہوئے مال کمائے اور اس میں سے کھلے دل کے ساتھ صدقہ و خیرات کرے، غریبوں اور مسکینوں کو دے، رشتہ داروں پر خرچ کرے، زکاۃ ادا کرے اور اپنے جسم کا، اپنے بیوی اور بچوں کا اور اپنے والدین کا حق بھی ادا کرے، تب وہ کہیں جا کر مال کے نقصانات سے بچ سکے گا۔ لیکن دولت کی اک خاصیت ہے کہ وہ اپنے چاہنے والے کو بے چین و بے قرار اور پریشان ضرور رکھتی ہے۔

اور اگر اس بے چینی اور پریشانی سے بچنا ہو تو پھر دولت مندی کی ایک حد مقرر کرنا ضروری ہے، ورنہ اضطراب، بے چینی اور بے قراری کی بیماری سے ہرگز بچا نہیں جا سکتا، کوئی اپنے مال کو انجوائے نہیں کر سکتا اور سکون نہیں پا سکتا۔

مال کی ادنیٰ حد کا انحصار تو آدمی کی قوتِ برداشت اور قوتِ قناعت پر ہے کہ کوئی کتنی کم دولت پر صبر اور قناعت کر سکتا ہے، البتہ ایک حدیث کی روشنی میں دولتمندی کی حد بندی کا ایک اندازہ ضرور کیا جا سکتا ہے۔

جیسا کہ حدیث میں ہے کہ:

کسی شخص نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا:

((وَسَالَهُ رَجُلٌ فَقَالَ اَلَسْنَا مِنْ فُقَرَآءِ الْمُهَاجِرِينَ))

''ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا ہم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فقراء مہاجرین میں سے نہیں ہیں؟''

((فَقَالَ لَهٗ عَبْدُ اللّٰهِ اَلَكَ امْرَاَةٌ تَاْوِيْ اِلَيْهَا))

''تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس بیوی ہے کہ جس کا تم سہارا لیتے ہو۔''

((قَالَ نَعَمْ))

''اس نے کہا: ہاں۔''

((فَقَالَ اَلَكَ مَسْكَنٌ تَسْكُنُهٗ))

''پوچھا: کیا تمہارے رہنے کے لیے رہائش ہے؟''

((قَالَ نَعَمْ))

''کہا: ہاں۔''

((قَالَ فَاَنْتَ مِنَ الْاَغْنِيَآءِ))

''کہا: تو پھر تو امیروں میں تمہارا شمار ہوتا ہے۔''

((قَالَ فَاِنَّ لِي خَادِمًا))

''کہا: میرے پاس ایک خادم بھی ہے۔''

((قَالَ فَاَنْتَ مِنَ الْمُلُوكِ)) (مسلم، كتاب الزهد: ٢٩٧٩)

''کہا: تو پھر تو تم بادشاہوں میں سے ہو۔''

اور حدیث میں ہے کہ:

((وَجَآءَ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ اِلَى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ وَاَنَا عِنْدَهٗ فَقَالُوا يَا اَبَا مُحَمَّدٍ اِنَّا وَاللّٰهِ مَا نَقْدِرُ عَلَى شَيْءٍ لَا نَفَقَةٍ وَلَا دَآبَّةٍ وَلَا مَتَاعٍ))

''تین لوگ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: اے ابو محمد! اللہ کی قسم ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے، نہ خرچہ، نہ کوئی جانور اور نہ کوئی اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سازوسامان۔''

((فَقَالَ لَهُمْ مَا شِئْتُمْ؟ اِنْ شِئْتُمْ رَجَعْتُمْ اِلَيْنَا فَاَعْطَيْنَاكُمْ مَا يَسَّرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاِنْ شِئْتُمْ ذَكَرْنَا اَمْرَكُمْ لِلسُّلْطَانِ وَاِنْ شِئْتُمْ صَبَرْتُمْ فَاِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ اِنَّ فُقَرَاءَ الْمُهَاجِرِينَ يَسْبِقُونَ الْاَغْنِيَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلَى الْجَنَّةِ بِاَرْبَعِينَ خَرِيفًا))

''تو انہوں نے کہا کہ تم لوگ کیا چاہتے ہو؟ اگر تم چاہو تو ہمارے پاس آنا ہم اللہ کی توفیق سے جو کچھ اللہ نے آپ کے لیے آسانی فرما رکھی ہے آپ کو دے دیں گے اور اگر تم چاہو تو ہم تمہارے اس مسئلے کا ذکر حاکم وقت سے کر دیتے ہیں، یعنی سفارش کر دیتے ہیں اور اگر تم چاہو تو صبر کر لو کہ میں نے آپ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ فقراء مہاجرین مالداروں سے چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔''

((قَالُوا فَاِنَّا نَصْبِرُ، لَا نَسْاَلُ شَيْئًا)) (مسلم، کتاب الزهد: ۲۹۷۹)

''تو انہوں نے کہا کہ پھر ہم صبر کرتے ہیں، ہم کچھ نہیں مانگتے۔''

آپ نے غور فرمایا کہ حدیث کی روشنی میں دولت مندی کی حد بندی کا ایک اندازہ یہ کہا گیا ہے کہ آدمی کے پاس گھر ہو اور گھر والی ہو اور اگر ساتھ نوکر چاکر اور خدام بھی ہوں، کوٹھیاں اور کاریں بھی ہوں اور کاروبار بھی ہوں تو پھر وہ تو یقیناً شاہانہ زندگی ہی ہوگی، رہے مسائل تو وہ تو غریبوں کو بھی پیش آتے ہیں، امیروں کو بھی پیش آتے ہیں اور بادشاہوں کو بھی پیش آتے رہتے ہیں، ان سے تو کسی کو مفر نہیں، ان کی بس نوعیت مختلف ہوتی ہے اور آدمی کی حیثیت کے حساب سے ہوتی ہے، جتنا بڑا مالدار ہوگا اتنے بڑے مسائل ہوں گے۔

یہ تو آپ کو اندازہ ہوگا ہی کہ مال و دولت کا موضوع بہت طویل موضوع ہے، کیونکہ زندگی کے ہر شعبے میں اس کی شمولیت ہے، بلکہ ہر شعبے کا مرکز ومحور ہے اور انسان زندگی کی آخری سانس تک اس کے حصول کے لیے کوشاں رہتا ہے، یا کم از کم جہاں تک اس کا بس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چلے، لہٰذا اس پر گفتگو کا سلسلہ بھی زندگی کے تمام شعبوں تک پھیلا ہوا ہے جسے انجام تک پہنچانے کے لیے یقیناً ایک لمبا وقت درکار ہوگا، اس لیے آج اس گفتگو کو سردست سمیٹتے ہیں، باقی کا موضوع بھی ان شاء اللہ وقتاً فوقتاً ذکر ہوتا رہے گا۔

آخر میں اس سلسلے میں چند موٹی موٹی باتیں جاننے اور سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ جن سے شاید انسان کی ہوس اور لالچ، اس کی مشقت اور مصیبت، اس کی پریشانی اور بے چینی، اس کی بے قراری اور اس کے اس عذاب میں کچھ کمی آجائے جو وہ دولت اکٹھی کرنے کے لیے جھیل رہا ہے۔

اور یہ محض لفاظی نہیں ہے بلکہ حقیقت ہے کہ انسان دنیا سمیٹنے کے لیے بہت تکلیفوں، پریشانیوں، مصیبتوں اور عذابوں سے گزرتا ہے۔اس کے حصول میں مشقتوں سے گزرنا پڑتا ہے، اس کے جمع کرنے اور اس کی حفاظت میں تکلیفیں اٹھانا پڑتی ہیں اور اس کے ضائع اور کم ہونے کی پریشانی سہنا پڑتی ہے، اور جیسا کہ امام ابن القیم رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ:

((فَلَا تَجِدُ أَتْعَبَ مِمَّنِ الدُّنْيَا أَكْبَرُ هَمِّهِ .))

(بدائع التفسير لابن القيم، ص ١٥ ، سورة التوبة آية : ٥٥)

آپ اس سے زیادہ بے زار اور پراگندہ حال کسی کو نہیں پائیں گے کہ جس کی سب سے بڑی فکرمندی دنیا کے لیے ہو۔

تو یہ مال، عذاب در عذاب، پریشانی در پریشانی اور سراسر بے چینی ہی بے چینی ہے، اس بے چینی کو کم کرنے کے لیے تجدید ایمان کی ضرورت ہے، جس کے لیے چند ایک آیات و احادیث سنتے ہیں۔ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِي رُوْعِي اَنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوْتَ حَتَّى تَسْتَكْمِلَ أَجَلَهَا وَتَسْتَوْعِبَ رِزْقَهَا))

”روح القدس، یعنی جبریل علیہ السلام نے میرے دل میں یہ بات القاء کی کہ کوئی جان اس وقت تک فوت نہیں ہوسکتی جب تک اس کا وقتِ مقررہ پورا نہیں ہوجاتا اور

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

جب تک اس کا پورے کا پورا رزق سمیٹ نہیں لیا جاتا یعنی اسے حاصل نہیں ہوجاتا۔"

((فَاتَّقُوْا اللّٰهَ وَأَجْمِلُوْا فِي الطَّلَبِ))

"پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس کے لیے حسنِ طلب کا طریقہ اختیار کرو۔"

یعنی جائز اور حلال طریقے سے حاصل کرو۔

((وَلَا يَحْمِلَنَّ أَحَدَكُمْ إِسْتِبْطَاءُ الرِّزْقِ أَنْ يَطْلُبَهُ بِمَعْصِيَةِ اللّٰهِ، فَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى لَا يُنَالُ مَا عِنْدَهُ إِلَّا بِطَاعَتِهِ.))

(صحيح الجامع : ٢٠٨٥)

"اور رزق کی تاخیر کسی کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ وہ اسے معصیت ونافرمانی اور گناہ کے ذریعے سے حاصل کرے کہ اللہ کے ہاں جو کچھ ہے وہ صرف اطاعت وفرمانبرداری کے ذریعے ہی حاصل کیا جاسکتا ہے۔"

بات انفرادی رزق کی ہو یا اجتماعی خوشحالی کی، وہ صرف اور صرف اللہ کی رضا اور خوشنودی کے ذریعے ہی حاصل ہوسکتی ہے، جب تک کسی کو اس نکتے کی سمجھ نہیں آئے گی، اس بات پر پختہ یقین اور ایمان حاصل نہیں ہوگا، اسے رزق اور خوشحالی ہرگز ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی اور اگر ہوگی تو سراسر فتنہ، آزمائش اور عذاب کی صورت میں ہوگی۔

آج اس عقیدے سے لاعلمی اور بے خبری کی بناء پر کہا جاتا ہے کہ آج ملکی معیشت "ICU" میں ہے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ آج ہماری قوم بلکہ پوری امت مسلمہ "ICU" میں ہے۔

اور اگر امت "ICU" سے باہر آجائے تو معیشت کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے کہ یہ اللہ نے اعلان فرما رکھا ہے کہ:

﴿وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ﴾ (الاعراف : ٩٦)

"اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے تو ہم ان پر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔''

معیشت کی وسعت اور کشادگی اور خوشحالی کا ایک سب سے اہم پہلو اس کی برکت کی صورت میں ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ایمان اور تقویٰ کی شرط پر برکت کا وعدہ فرمایا ہے اور برکت آپ جانتے ہیں کہ حساب کتاب سے نہیں پہچانی جاتی، حساب کرتے وقت ہم کیلکو لیٹرز استعمال کرتے ہیں اور حساب کرنے کے لیے کیلکو لیٹر میں پلس اور مائنس کے بٹن ہوتے ہیں، ملٹی پلائی اور ڈویژن کے بٹن ہوتے ہیں، پرسینٹیج کا بٹن ہوتا ہے اور سائنٹیفک کیلکو لیٹر میں اور بہت سارے بٹن ہوتے ہیں۔ مگر کیا اس میں کوئی برکت کا بٹن بھی ہوتا ہے کہ ہم بٹن دبائیں تو پتا چل جائے کہ ہمیں کتنے فیصد برکت حاصل ہوئی ہے، اگر برکت کا بٹن ہوتا تو پھر اس میں فراڈ، بے ایمانی، بدکرداری، بدعملی کے بٹن بھی ہوتے کہ ان سے پتا چلتا کہ کتنا خسارہ ہوا ہے۔

تاہم بات کو سمیٹتے ہوئے آخر میں، ایمان، تقویٰ اور برکت کے حوالے سے ایک واقعے کا ذکر کرتا ہوں، حدیث میں ہے کہ:

((بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي بِفَلَاةٍ مِنَ الْأَرْضِ، فَسَمِعَ صَوْتًا فِي سَحَابَةٍ إِسْقِ حَدِيقَةَ فُلَانٍ)) (مسلم، کتاب الزهد: ٢٩٨٤)

''ایک شخص بے آب و گیاہ میدان سے گزر رہا تھا کہ اس نے بادل میں ایک آواز سنی کہ فلاں شخص کے باغ کو پانی دو۔''

وہ بادل دوسرے بادلوں سے الگ ہو گیا اور ایک پتھریلی زمین پر جا برسا، پانی وہاں جمع ہوا اور ایک نالے کی صورت میں بہنے لگا۔ اس شخص نے پانی کا پیچھا کیا۔ وہ پانی ایک باغ تک پہنچا جہاں ایک شخص کھڑا اپنی کدال کے ساتھ پانی کے بہاؤ کو ایک طرف کر رہا تھا، اس شخص نے اس کا نام پوچھا، اس نے نام بتایا اور وہ وہی نام تھا جو اس نے بادلوں میں سنا تھا، پھر اس نے پوچھا کہ تم میرا نام کیوں پوچھ رہے ہو، اس نے وجہ بتائی اور پوچھا کہ آپ کیا ایسا خاص کام کرتے ہیں کہ خصوصی طور پر بارش آپ کے باغ کے لیے بھیجی گئی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہا: میں جو کچھ کھیتی باڑی کرتا ہوں اس کے تین حصے کرتا ہوں، ایک حصہ صدقہ کرتا ہوں، ایک حصہ اپنے اور اپنے بچوں کے لیے رکھتا ہوں اور تیسرا حصہ پھر اسی میں لگا دیتا ہوں۔

اس واقعے سے جو باتیں معلوم ہوتی ہیں کہ وہ عیاں ہیں، تشریح کی ضرورت نہیں، البتہ سوچنے کی ضرورت ہے کہ ہمارے معاشرے میں ایمان کہاں ہے، تقویٰ کہاں ہے۔ انصاف کہاں ہے، حیاء کہاں ہے، اخلاق کہاں ہیں، کردار کہاں ہے، پاکدامنی کہاں ہے اور دینداری کہاں ہے، چنانچہ خوشحالی کہاں سے آئے گی اور برکت کہاں سے آئے گی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

غور وفکر کی اہمیت

﴿ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ﴾ (آل عمران : ۱۹۰)

اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات بنائی اور نہایت ہی خوبصورت بنائی، کامل واکمل بنائی، مناسب وموزوں بنائی، پائیدار اور intelligent بنائی اور بامقصد بنائی، حتی کہ اس کا ایک ایک ذرہ بامقصد بنایا، یعنی فضول، باطل، بے مقصد اور کھیل تماشے کے طور پر نہیں بنائی، بلکہ حق کے ساتھ بنائی، اک سنجیدہ عمل کے طور پر اور بامقصد بنائی۔

اللہ تعالیٰ کے مخلوقات کی تخلیق کے یقیناً اغراض ومقاصد اور غایات واہداف ہیں، ہر مخلوق کی تخلیق کے الگ الگ مقاصد ومطالب ہیں اور متعدد مقاصد اور حکمتیں ہیں اور پھر ان حکمتوں کی بھی فرعی اور ذیلی حکمتیں ہیں۔

تخلیقاتِ مخلوقات کی حکمتوں میں سے کچھ تو معلوم کی جاسکتی ہیں اور کچھ معلوم نہیں کی جا سکتیں، جو معلوم کی جاسکتی ہیں وہ یقیناً وہی ہیں جو قرآن وحدیث میں صراحت کے ساتھ بیان ہوئی ہیں، یا پھر استقراء اور تتبُّع کے ساتھ معلوم کی جاسکتی ہیں۔ تاہم اس بات پر ہر مسلمان کا پختہ یقین اور ایمان ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات بے کار، عبث، فضول اور بے مقصد نہیں بنائی۔

اللہ تعالیٰ کی بے شمار، لاتعداد اور ان گنت مخلوقات میں سے چند نمایاں مخلوقات کی بات کریں تو وہ ہیں: کائنات، انسان، جن، فرشتے اور جنت اور جہنم، ان میں سے ہر ایک کے مقصدِ تخلیق کی بات کریں تو وہ سب کا الگ الگ ہے اور پھر ان میں سے ہر ایک کے ایک سے زیادہ مقاصد بھی ہو سکتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جیسا کہ کائنات کی تخلیق کے مقاصد میں سے گویا ایک مقصد اسے اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کے علم، اس کے ارادے، اس کی قدرت اور اس کی دیگر صفات ثابتہ پر دلیل کے طور پر پیش کرنا بھی ہے۔

جیسا کہ فرمایا:

﴿ اَوَ لَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ۭ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاۗءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۭ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾ (الانبیاء: ۳۰)

’’کیا وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا، غور نہیں کرتے کہ یہ سب آسمان اور زمین باہم ملے ہوئے تھے، پھر ہم نے انہیں جدا کیا اور پانی سے ہر زندہ چیز پیدا کی، کیا یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔‘‘

تو اللہ تعالیٰ نے فطرت کے بہت سے مظاہر کا حوالہ دے کر اپنی ذات کو منوانے کے لیے دلیل پیش کی ہے اور انہیں ایمان لانے کے لیے دعوت فکر دی ہے، خصوصی طور پر اس حوالے کے بارے میں تو قدیم زمانے میں کچھ معلوم نہ تھا، چنانچہ اُس دور کے لیے اور بہت سارے مظاہر فطرت کے حوالے دیئے گئے، جبکہ اس طرح کے حوالے گویا مستقبل کی انسانی نسلوں کو شامل کرتے ہوئے دیئے گئے تھے۔

آج سائنسدانوں نے بگ بینگ نظریئے کی صورت میں کائنات کی تخلیق کا جو ایک راز اور سبب معلوم کرنے کا دعویٰ کیا ہے، حقیقت میں تو وہ ایک اٹکل پچو ہے، البتہ قرآن پاک میں بیان کی گئی حقیقت کے کچھ قریب ضرور ہے، مگر اس کی مکمل تصویر معلوم کرنا ممکن نہیں ہے، ابھی تو انسان اپنی تخلیق کے بارے میں نہیں جا سکا کہ مادۂ تولید کے لاکھوں تخموں میں سے کس ایک تخم سے اس کی تخلیق ہوئی اور کائنات کی تخلیق تو اس سے کہیں بڑی بات ہے، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ (المؤمن: ۴۷)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

"آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا انسانوں کو پیدا کرنے کی بہ نسبت یقیناً زیادہ بڑا کام ہے، مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔"

تو کائنات کی تخلیق کے مقاصد میں سے ایک مقصد اسے اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی ذات وصفات پر دلیل کے طور پر پیش کرنا بھی سمجھ میں آتا ہے، اور ایک مقصد اللہ تعالیٰ کی الوہیت کا اثبات ہے، یعنی یہ ثابت کرنا کہ اللہ تعالیٰ ہی الٰہ اور معبود برحق ہے، کہ تخلیق اس کے خالق ہونے کی دلیل ہے اور یہ اک بدیہی بات ہے کہ صرف خالق ہی مستحقِ عبادت ہو سکتا ہے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے جا بجا اپنی تخلیقات کا ذکر کر کے اپنا مستحقِ عبادت ہونا بیان فرمایا ہے اور انسان کو عبادت بجا لانے کا حکم فرمایا ہے، جیسا کہ فرمایا:

﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴾ (غافر : ٦٢)

"وہی اللہ تمہارا رب ہے، ہر چیز کا خالق، اس کے سوا کوئی معبود نہیں پھر تم کدھر سے بہکائے جا رہے ہو۔"

اور فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾ (البقرہ : ٢١)

"لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے کے لوگوں کو پیدا کیا، یہی تمہارا بچاؤ ہے۔"

اور کائنات کی تخلیق کے مقاصد میں سے انسان کو زندگی کے اسباب و وسائل مہیا کرنا، اسے سہولتیں، آسانیاں اور فوائد و منافع بہم پہنچانا اور اس کی دیگر ضروریات کا انتظام کرنا ہے، جیسا کہ فرمایا:

﴿الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۠ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿فَاَخۡرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزۡقًا لَّكُمۡ ۚ فَلَا تَجۡعَلُوۡا لِلّٰهِ اَنۡدَادًا وَّاَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ۞۲۲﴾

(البقرہ : ۲۲)

''وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کا فرش بچھایا، آسمان کی چھت بنائی، اوپر سے پانی برسایا اوراس کے ذریعے سے ہر طرح کی پیداوار نکال کرتمہارے لیے رزق بہم پہنچایا۔ پس تم جانتے ہوتو دوسروں کواللہ کا مدمقابل نہ ٹھہراؤ۔''

ایسے ہی کائنات کی تخلیق کے مقاصد میں سے اس کے ذریعے انسان کا امتحان لینا اور اسے ابتلاء اور آزمائش سے گزارنا ہے۔ اور ایک مقصد انسان کو اس دنیا میں آباد کرنا اور اسے خلیفہ بنانا ہے۔

تو جس طرح کائنات کی تخلیق کے مقاصد میں سے چند مقاصد کا ہم نے ذکر سنا، ایسے ہی دیگر نمایاں مخلوقات کی تخلیق کے بھی کئی ایک مقاصد ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی مخلوقات کی، اس کائنات کی تخلیق کے مقاصد اور حکمتیں جاننے کی کوشش کرنا، غور وفکر اور تدبر وتفکر کرنا کتنا ضروری اور اہم ہے اور انسان کی دنیا وآخرت کے لیے کتنا فائدہ مند ہے، آج کی گفتگو میں جاننے کی کوشش کریں گے، ان شاء اللہ

سب سے پہلے کائنات کی تخلیق کے بارے میں غور وفکر کرنے کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جا بجا اس کی ترغیب اور دعوت دی ہے اور اسے عقلمندی کی علامت قرار دیا ہے، جیسا کہ فرمایا:

﴿قُلۡ سِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَانۡظُرُوۡا كَيۡفَ بَدَاَ الۡخَلۡقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنۡشِئُ النَّشۡاَةَ الۡاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ۚ ۞۲۰﴾ (العنکبوت : ۲۹)

''ان سے کہو کہ زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ اس نے کس طرح خلق کی ابتدا کی ہے، پھر اللہ تعالیٰ ہی دوسری خلق بھی فرمائے گا، یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔''

اور فرمایا:

﴿اَفَلَا يَنۡظُرُوۡنَ اِلَى الۡاِبِلِ كَيۡفَ خُلِقَتۡ ۞۱۷ وَاِلَى السَّمَآءِ كَيۡفَ رُفِعَتۡ ۞۱۸ وَاِلَى

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ﴿١٩﴾ وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ﴿٢٠﴾﴾

(الغاشيه : ١٧ـ٢٠)

”تو کیا یہ لوگ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بنائے گئے، آسمان کو نہیں دیکھتے کہ کیسے اٹھایا گیا، پہاڑوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بنائے گئے اور زمین کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بچھائی گئی۔“

اور فرمایا:

﴿قُلِ انْظُرُوا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٠١﴾﴾ (يونس : ١٠١)

”ان سے کہو زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے اسے آنکھیں کھول کر دیکھو اور جو لوگ ایمان لانا ہی نہیں جانتے ان کے نشانیاں اور تنبیہیں کچھ کام نہیں آتیں۔“

اور اسی طرح کی اور بہت سے آیات ہیں کہ جن میں کائنات کے بارے میں غور وفکر کی ترغیب دی گئی، بلکہ ایسے لوگوں کی مدح فرمائی گئی اور انہیں عقلمند کہا گیا، جیسا کہ فرمایا:

﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿١٩٠﴾﴾ (آل عمران : ١٩٠)

”آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے باری باری سے آنے میں یقیناً عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔“

﴿الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٩١﴾﴾

(آل عمران : ١٩١)

”جو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی ساخت میں غور وفکر کرتے ہیں، وہ بے اختیار بول اٹھتے ہیں، پروردگار! یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا، تو پاک ہے اس سے کہ عبث کام کرے،

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

پس ہمیں آگ کے عذاب سے بچا لے۔''

آپ نے غور فرمایا کہ ان آیات میں کائنات میں غور وفکر کرنے والوں کو عقلمند کہا گیا ہے تو ان آیات کی روشنی میں اگر ہم جاننا چاہیں کہ کیا ہم عقلمند ہیں تو یہ جان کر ہمیں یقیناً شرمندگی ہوگی اور اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ہمارے پاس اتنا وقت ہی نہیں ہے کہ کائنات کی تخلیق کے بارے میں غور وفکر کریں، یہ تو فارغ لوگوں کا کام ہے، ہم تو جب تک بارہ پندرہ گھنٹے کام نہ کریں گزارہ نہیں ہوتا، اور اس کے بعد تو اپنی فکر نہیں ہوتی، صوفے پر بیٹھے بیٹھے سو جاتے ہیں، کھانے کے انتظار میں ہی ڈھیر ہو جاتے ہیں تو کہاں کا غور اور کہاں کی فکر۔

اور یہ بات سچ ہے کیونکہ غور وفکر کے لیے اس چیز میں ڈوب جانا پڑتا ہے۔ پہلے تمام دنیوی آلائشوں سے دل و دماغ کو پاک صاف کرنا پڑتا ہے اور آخرت کو اپنی ترجیح قرار دینا پڑتا ہے اور ہمہ وقت اسی خیال میں مست رہنا پڑتا ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ سارا دن تو ہم کسی دوسرے کام میں مشغول رہیں اور دل و دماغ اور دیگر قویٰ کی تمام صلاحیتیں اس میں صرف کرتے رہیں اور یکا یک ہمارے دماغوں میں حکمت کے پھول کھلنے لگیں اور دلوں میں دانائی کے افکار پھوٹنے لگیں! جو آدمی صبح وشام کام میں مشغول رہے گا اسی کام میں اس کے خیالات و افکار میں وسعت اور پختگی پیدا ہوگی اور نت نئے نکتے سمجھ میں آئیں گے، اس کی مہارت میں اضافہ ہوگا اور تخلیقی استعداد پیدا ہوگی۔

کسی چیز میں غور وفکر کرنا اس وقت ممکن ہوتا ہے، جب آدمی اس چیز کو اپنے دل و دماغ پر سوار کر کے، اسے اپنی ضرورت اور اپنا حقیقی مسئلہ سمجھ لے، تو تب وہ دل حکمت و دانائی اگلنے لگتا ہے اور یوں دن کے اجالے میں بھی وہ خواب دیکھ رہا ہوتا ہے اور خوابوں میں بھی وہ حکمتیں بانٹ رہا ہوتا ہے۔

کچھ عرصہ پہلے کچھ ایسی ہی کسی مناسبت سے ایک واقعہ ذکر کیا تھا، آج وہ واقعہ دوبارہ آج کے اس موضوع کی مناسبت سے ذکر کر رہا ہوں۔

ایک جاننے والے صاحب ٹیکسی چلاتے تھے، ایک رات وہ خواب میں دیکھتے ہیں کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کام بہت Busy ہے، لوگ جگہ جگہ ٹیکسی کے لیے ہاتھ لہرا رہے ہیں، چنانچہ وہ صاحب رکے اور پیسنجر کو اپنے کندھوں پر بٹھایا اور ائیر پورٹ پر چھوڑ کے آئے۔ یہ واقعہ یوں تو اک خواب ہی ہے مگر یہ اس چیز کی علامت ہے، کہ آدمی جس چیز میں شغف رکھتا ہے اسی کی سوچ و بچار میں گم ہو جاتا ہے، اور پھر وہ چیز اس کے دل و دماغ پر ایسی چھا جاتی ہے کہ خوابوں میں بھی آنے لگتی ہے۔

یہ بات تو دنیا کے معاملات پر بھی چسپاں ہوتی ہے مگر دینی معاملات میں غور وفکر کے لیے ایک اور چیز بھی ضروری ہے اور وہ ہے اللہ کی توفیق، اور کائنات کی تخلیق میں غور وفکر کرنا اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت اور توفیق کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

اسی مناسبت سے ایک اور واقعہ ذکر کرتا ہوں، کہتے ہیں کہ کسی طالب علم نے اپنی ایک خواہش کا اظہار کرتے ہوئے اپنے استاذ سے درخواست کی کہ وہ خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت کرنا چاہتا ہے، کوئی وظیفہ بتائیں۔

استاذ نے کہا ٹھیک ہے، آج رات یہیں ٹھہرو، کل بتاؤں گا۔ رات کو استاذ صاحب نے اپنے شاگرد رشید کو کھانا کھلایا اور اس میں نمک زیادہ ڈال دیا، مگر ساتھ پانی نہ دیا، کھانا کھاتے وقت آدمی کو پانی کی طلب تو بہر حال ہوتی ہے مگر باادب شاگرد نے استاذ صاحب سے پانی مانگنے کو خلافِ ادب سمجھتے ہوئے پانی نہ مانگا اور پیاس برداشت کر لی۔

صبح ہوئی تو استاذ صاحب نے پوچھا کہ سناؤ رات کیسی گزری، کوئی خواب دیکھا؟ شاگرد نے کہا: جی ہاں۔ خواب دیکھا اور دیکھتا ہوں کہ ہر طرف پانی ہی پانی ہے، زمین پانی اگل رہی ہے اور آسمان پانی برسا رہا ہے۔

تو استاذ صاحب نے کہا کہ یہی تمہارے کل کے سوال کا جواب ہے کہ جب آدمی کو سچی طلب ہو تو وہ اس کے دل و دماغ پر چھا جاتی ہے چنانچہ وہ اسی سوچ بچار میں کھو جاتا ہے حتیٰ کہ وہی افکار اسے خواب بن کر آنے لگتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق میں غور وفکر کی جو دعوت دی ہے اور اس پر عقلمندی کے خطاب کے شرف سے نوازا ہے تو اس کی روشنی میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کوشش ہے کہ کسی طرح ہم بھی اس شرف سے مشرف ہوجائیں، کم از کم سننے سنانے کی حد تک ہی سہی، کہ اس موضوع کا ذکر کر کے اور سن کر ہی ہمیں بھی کچھ سعادت حاصل ہو جائے۔

اور اس لیے بھی کہ ان لوگوں کی فہرست سے ہمارا نام خارج ہوجائے کہ جن کے بارے میں قرآن پاک یوں تبصرہ کرتا ہے کہ:

﴿وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ﴾ (محمد : ۱۲)

''وہ یوں کھاتے ہیں جیسے جانور کھاتے ہیں۔''

یعنی انہیں کھانے پینے کے سوا کوئی سوچ اور کوئی فکر نہیں ہے اور جن کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ:

﴿وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ﴾ (الاعراف : ۱۷۹)

''اور بہت سے جن اور انسان ایسے ہیں جن کو ہم نے جہنم ہی کے لیے پیدا کیا ہے۔''

﴿لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ﴿١٧٩﴾﴾ (الاعراف : ۱۷۹)

''اور ان کی صفات یہ ہیں کہ ان کے پاس دل ہیں مگر وہ ان سے سوچتے نہیں، ان کے پاس آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں، ان کے پاس کان تو ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں، وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گزرے، یہ وہ لوگ ہیں جو غفلت میں کھوئے ہوئے ہیں۔''

لہٰذا خواہش یہ ہے کہ ہمارا ان لوگوں میں شمار نہ ہو، چاہے اس موضوع کو بیان کر کے اور سن کر ہی سہی۔ اس لیے آئندہ خطبہ جمعہ میں اس موضوع کے حوالے سے کچھ مزید جاننے کی کوشش کریں گے۔ ان شاء اللہ

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کائنات میں غور و فکر کا معنی و مفہوم

﴿ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ﴾ (آل عمران : ۱۹۰)

غور وفکر اور تدبر و تفکر کی بات ہو رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کائنات میں غور و فکر کرنے کی دعوت دی ہے اور تاکید کی ہے اور کائنات کہ جسے الکون اور Universe کہتے ہیں اس سے مراد موجودات ہیں اور موجودات سے مراد کیا صرف یہ دنیا ہے کہ جس میں زمین اور آسمان ہے اور ان کے مابین کی تمام اشیاء ہیں یا اس کے علاوہ کوئی اور کائنات بھی ہے، تو اس سے متعلق قرآن و حدیث میں صراحت کے ساتھ تو کوئی چیز موجود نہیں ہے البتہ کچھ اشارے ضرور ملتے ہیں جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿ یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴾ (الرحمٰن : ۳۳)

"اے گروہِ جن و انس! اگر تم زمین اور آسمانوں کی سرحدوں سے بھاگ سکتے ہو تو بھاگ دیکھو، نہیں بھاگ سکتے، اس کے لیے بڑا زور چاہیے۔"

گویا کہ اس کائنات کے ماورا کوئی اور کائنات یا کائناتیں بھی ہیں، مگر انسان میں وہ قوت و طاقت اور صلاحیت نہیں ہے کہ وہ اس کائنات کے خول سے باہر نکل سکے۔

لہٰذا انسان کو جن موجودات اور اللہ تعالیٰ کی جن تخلیقات میں غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے وہ اسی کائنات سے متعلق ہے کہ جس میں ہم رہ رہے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہی چیزوں کا کہ جو اس دنیا میں موجود ہیں ذکر کر کے غور و فکر کی تاکید کی ہے، حتی کہ آخرت کی نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے بھی اسی دنیا کی چیزوں کو تشبیہات اور تمثیلات کے لیے استعمال

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فرمایا ہے، جیسا کہ فرمایا:

﴿وَسَارِعُوٓا اِلٰى مَغۡفِرَةٍ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَجَنَّةٍ عَرۡضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرۡضُ ۙ اُعِدَّتۡ لِلۡمُتَّقِيۡنَ ۙ﴾ (آل عمران : ۱۳۳)

''اور اپنے رب کی بخشش کی طرف اور اس کی جنت کی طرف دوڑو، جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے، جو متقین کے لیے تیار کی گئی ہے۔''

اب دیکھئے اس آیت کریمہ میں آخرت کی نعمتوں کی کچھ تفصیل بیان کرتے ہوئے انہی موجودات کے ساتھ تشبیہ بیان فرمائی جو اس کائنات میں ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی مخلوقات میں بہت زیادہ تاکید کے ساتھ غور وفکر کرنے کی دعوت دی ہے، اس دعوت غور وفکر سے مطلوب ومقصود کیا ہے اور اس کے فوائد کیا ہیں، یہ جاننے سے پہلے ہم غور وفکر کی ضرورت واہمیت کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

غور وفکر انسان کی اس دنیا کی زندگی کے لیے بھی ضروری ہے اور آخرت کی کامیابی کے لیے تو یقیناً نہایت ہی ضروری ہے بلکہ شرط لازم ہے، جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ غور وفکر کا مطالبہ صرف انسان ہی سے کیا گیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان ہی وہ مخلوق ہے جو غور وفکر کی صلاحیت رکھتی ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل سے نواز رکھا ہے، اگرچہ دیگر جاندار مخلوقات کو بھی سمجھ عطا کر رکھی ہے، مگر ان کی سمجھ یا عقل بہت محدود ہے، چنانچہ وہ اک محدود دائرے میں رہ کر سوچتے ہیں۔

جانور صرف کھانے پینے کی حد تک، یا جسم کی دیگر بنیادی ضروریات کی حد تک سوچتا ہے کہ کوئی چیز اس کے کھانے اور اس کی ضرورت کی ہے یا نہیں، مگر انسان اس سے بہت آگے کی سوچ رکھتا ہے، وہ سوچتا ہے کہ کوئی چیز کیا ہے اور کیوں ہے، اسے کس نے بنایا ہے اور بنانے کا مقصد کیا ہے، اس کے اضافی فوائد کیا ہیں اور اس کے ممکنہ نقصانات کیا ہو سکتے ہیں، اس کا صحیح استعمال کیا ہے اور غلط استعمال کے کیا نتائج ہو سکتے ہیں۔

غور وفکر سنجیدگی کی علامت ہے، غور وفکر درست سمت پر گامزن ہونے کی اک کوشش ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اورغور وفکر کے بے شمار فوائد ہیں اور عدم تفکر کے بہت بڑے بڑے نقصانات ہیں۔

سوچ و بچار انسان کی ضرورت بھی ہے اور اس کی مجبوری بھی، کوئی انسان دنیا میں بلا تفکر نہیں ہوسکتا، فرق صرف اتنا ہے کہ کوئی مثبت سوچ رکھتا ہے اور کوئی منفی ، ذرا غور کریں تو اس کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔

دنیا میں ہر انسان پریشان ہے اور پریشانی سوچ اور غور وفکر کے نتیجے میں ہی ہوتی ہے، مگر کون کس مسئلے میں پریشان ہے، آپ جاننے کی کوشش کریں گے تو یقیناً جان کر حیران ہوں گے، چند موٹی موٹی پریشانیوں کے اسباب تو سب کو معلوم ہیں جیسا کہ کثرت مال و دولت کے حصول کے لیے پریشان ہونا، دو وقت کی روٹی کے لیے فکر منداور پریشان ہونا تو بات سمجھ میں آتی ہے، مگر تجوریاں بھرنے کے لیے اور بینک بیلنس بڑھانے کے لیے پریشان ہونا پریشان کن ہے۔

کوئی آدمی شہرت کے لیے پریشان ہے، کوئی شخص سوسائٹی میں اپنا سٹیٹس اپ گریڈ کرنے کے لیے پریشان ہے، کوئی ڈگری کے حصول کے لیے پریشان ہے، کوئی اپنی اولاد کے دنیوی مستقبل کے لیے پریشان ہے۔

اس طرح کی اور بہت سی پریشانیوں میں تو ہم میں سے اکثر لوگ مبتلا ہیں، اس لیے ان باتوں میں پریشان ہونا ہمیں معیوب نہیں لگتا، حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ اس طرح کی تمام کی تمام پریشانیاں ملک الموت کے وزٹ کے ساتھ ہی خاک میں مل جاتی ہیں، بلکہ حسرت و افسوس بن جاتی ہیں، بلکہ وبال جان بن جاتی ہیں اور لینے کے دینے پڑ جاتے ہیں، لیکن پھر بھی کوئی اس فکر اور پریشانی کو قابل ملامت نہیں سمجھتا، اور اگر ان سے ہٹ کر کچھ دوسری پریشانیوں کا جائزہ لیا جائے کہ جس میں بے شمار لوگ مبتلا ہیں تو وہ یقیناً آپ کو Nonsense، بے معنی، مہمل، فضول، لغو اور نامعقول نظر آئیں گی، آپ اس پر ہنس رہے ہوں گے جبکہ وہ پریشانی ان کے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ ہوگا۔

آپ نے یقیناً دیکھا ہوگا کہ کسی کھیل میں ہار جانے والی ٹیم اور اس کے شائقین اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پرستاروں کا کیا حال ہوتا ہے، روتے ہیں، چیختے اور چلاتے اور پیٹتے ہیں، کپڑے پھاڑتے ہیں اور حتی کہ کچھ لوگ تو خودکشی کرنے کے لیے تیار ہوجاتے ہیں اور کچھ لوگ اپنے ٹی وی توڑ دیتے ہیں۔

اور یہ سب کچھ کیوں ہے؟ یہ سب تفکیر کے نتیجے میں ہی ہے مگر ٹیڑھی سوچ اور تفکیر:

﴿فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ﴾ (الصف : ۵)

''لوگ جب ٹیڑھی سوچ کا راستہ اختیار کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے دل ٹیڑھے کر دیتا ہے۔''

کہ اب بیٹھے رہو تصورِ دنیا کیے ہوئے۔ پھر مثبت سوچ ان کے قریب سے نہیں گزرتی اور اللہ تعالیٰ ان کو اس کی توفیق ہی نہیں دیتا، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ۝۱۴۶﴾ (الاعراف : ۱٤٦)

''میں اپنی نشانیوں میں سے ان لوگوں کی نگاہیں پھیر دوں گا جو بغیر کسی حق کے زمین میں بڑے بنتے ہیں، وہ خواہ کوئی نشانی دیکھ لیں کبھی اس پر ایمان نہ لائیں گے، اگر سیدھا راستہ ان کے سامنے آئے تو اسے اختیار نہ کریں گے اور اگر ٹیڑھا راستہ نظر آئے تو اس پر چل پڑیں گے، اس لیے کہ انہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا اور ان سے بے پروائی کرتے رہے۔''

تو جو لوگ ٹیڑھی سوچ اختیار کرتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں میں اور جن مقاصد کے لیے اور جن نتائج کے حصول کے لیے غور وفکر کرنے کی دعوت دی ہے انہیں چھوڑ کر فضول اور فانی چیزوں میں اپنی تمام تر غور وفکر کی صلاحیتوں کو جھونک دیتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ نتیجے میں ان پر بدبختی اور بدنصیبی مسلط کر دیتا ہے، جیسا کہ فرمایا:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝١٩﴾

(الحشر : ١٩)

''ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اللہ کو بھول گئے تو اللہ نے انہیں خود اپنا نفس بھلا دیا، یہی لوگ فاسق ہیں۔''

اور آپ جانتے ہیں کہ جسے اپنا آپ یاد نہ ہو کہ وہ کون ہے، کہاں سے آیا ہے، اسے کہاں جانا ہے،اس کی زندگی کا مقصد کیا ہے، اسے کن کاموں میں اپنی صلاحیتوں کو لگانا ہے، تو وہ شخص یقیناً بھٹکتا رہے گا اور کبھی منزل نہ پا سکے گا۔

اور اس سے بڑی سزا کیا ہوگی کہ آدمی اپنے تئیں بڑا خوش ہو کہ وہ بڑے ضروری کاموں میں مصروف ہے اور روز بروز ترقی کر رہا ہے، جبکہ حقیقت میں وہ راستہ بھٹکا ہوا ہے، اور جسے وہ ترقی سمجھ رہا ہے جس قدر وہ ترقی کی منزلیں طے کرتا جائے گا اسی قدر وہ اپنی منزل سے دور ہوتا جائے گا اور یہ بہت سمپل سی بات ہے کہ کوئی آدمی راستہ بھول کر مخالف سمت چل پڑے تو وہ جیسے جیسے سفر طے کرتا جائے گا خوش ہوتا جائے گا کہ وہ منزل کے قریب ہو رہا ہے مگر اسے کیا معلوم کہ وہ تو ہر قدم منزل سے دور ہو رہا ہے۔

لہٰذا ضرورت ہے ہمیں پہلے اپنی سمت متعین کرنے کی کہ ہمیں کس سمت میں جانا ہے اور اگر سمت متعین نہیں ہے، یا ہم درست سمت میں نہیں جا رہے تو ہمیں یہ تسلیم کرنے میں باک نہیں ہونا چاہیے کہ ہم گم گشتہ راہ ہیں، راستہ بھولے ہوئے ہیں اور اس حقیقت کو تسلیم کیے بغیر بھی چارہ نہیں ہے کہ ہم خود اگر اپنی ڈائریکشن درست کرنے کی کوشش نہیں کریں گے تو اللہ تعالیٰ زبردستی ہمارا رخ تبدیل نہیں کرے گا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اک قاعدہ ہے کہ:

﴿نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ﴾ (النساء : ١١٥)

''انسان جدھر جانا چاہتا ہے ہم اس کا رخ اسی طرف پھیر دیتے ہیں۔''

بلکہ فرمایا:

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

﴿وَ اَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَ اسْتَغْنٰى ۙ﴿۸﴾ وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۙ﴿۹﴾ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ؕ﴿۱۰﴾﴾

(اللیل : ۸۔۱۰)

''اور جس نے بخل کیا اور بے نیازی برتی، بے پروائی دکھائی اور بھلائی کو جھٹلایا، اس کو ہم سخت راستے کے لیے سہولت دیں گے۔''

یعنی سیدھے راستے کو چھوڑ کر جو غلط راستے پر چلتا ہے اللہ تعالیٰ وہ راستہ اس کے لیے آسان کر دیتا ہے، اس کے لیے راہیں کھلتی چلی جاتی ہیں۔

دوسری طرف غور وفکر کی توفیق اس کو ملتی ہے جو اس کے لیے کوشش کرتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے، جیسا کہ فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِیْ یُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ؕ وَ مَا یَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ یُّنِیْبُ ﴿۱۳﴾﴾ (المؤمن : ۱۳)

''وہی ہے جو تم کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے اور آسمان سے تمہارے لیے رزق نازل کرتا ہے مگر ان نشانیوں کے مشاہدے سے سبق صرف وہی شخص لیتا ہے جو اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہو۔''

یعنی بے نیاز، مستغنی اور بے پرواہ آدمی کہ جس کی عقل پر غفلت کا پردہ پڑا ہوا ہے وہ یہ سب کچھ دیکھ کر غور وفکر کی زحمت ہی نہیں کرتا کیونکہ وہ تو اسے اپنی محنت اور اپنے کمالِ ہنر کا نتیجہ سمجھتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو اسی میں لگا دیتا ہے کہ لگے رہو۔

دوسری طرف جو لوگ غور وفکر کرتے ہیں، تو غور وفکر کے نتیجے میں ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ بے اختیار بول اٹھتے ہیں۔

﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾﴾

(آل عمران : ۱۹۱)

''اے ہمارے پروردگار! یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا ہے، تو پاک ہے اس سے کہ عبث کام کرے، پس ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔''

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

یہ غور وفکر کا منطقی، بدیہی اور لازمی نتیجہ ہے اور یہ ایک سچے مسلمان کی نشانی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تخلیقات اور اس کے انعامات پر غور وفکر کرتا ہے اور نتیجتاً اس کا مشکور اور احسان مند ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مخلوقات اور اس کے انعامات میں غور وفکر کی توفیق اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے جس کو نصیب ہو جائے، مگر معاشرے کا رجحان جو ہم دیکھتے ہیں تو وہ یہ ہے کہ لوگ نہ تو اس کی ضرورت محسوس کرتے ہیں اور نہ ہی ان کے پاس اتنا وقت ہے کہ وہ ان چیزوں میں اپنی دماغی قوت صرف کریں، ٹاک شوز سے فرصت نہیں ملتی، بڑے بڑے ٹی وی چینلز کے ہر ٹاک شو کو دیکھنا ہوتا ہے اور پھر ہر چینل کا مزاحیہ پروگرام بھی دیکھنا ہوتا ہے تو غور وفکر کرنے کے لیے اتنا وقت کہاں سے لائیں۔

حقیقت یہ ہے کہ کسی مسلمان کے یہ لائق نہیں ہے کہ وہ اس قیمتی زندگی کے قیمتی لمحات کو ضائع کرے، بالخصوص مزاحیہ پروگرام لغویات اور فضولیات ہیں اور ان کا یقینی طور پر آدمی کے طرز عمل اور اس کے مزاج پر اثر ہوتا ہے، دین سے دوری پیدا ہوتی ہے، چنانچہ قرآن پاک میں اہل ایمان کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٩١﴾﴾ (المؤمنون : ٣)

''وہ لوگ لغو باتوں سے اعراض کرتے ہیں، ان سے منہ پھیر لیتے ہیں۔''

سلف صالحین رحمہم اللہ کے طرز عمل پر اگر نظر ڈالیں تو وقت کی قدر اور غور وفکر کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے، جیسا کہ قاضی شریح رحمہ اللہ کے حوالے سے ایک واقعہ مذکور ہے کہ:

''مَرَّ شُرَيْحٌ بِقَوْمٍ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ، فَقَالَ: مَا لَكُمْ؟ قَالُوْا: فَرَغْنَا يَا أَبَا أُمَامَةَ. قَالَ: مَا بِهٰذَا أُمِرَ الْفَارِغُ.''

(حلية الأولياء : ج ٤، ص ١٣٤)

قاضی شریح کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے جو کہ کھیل رہے تھے تو پوچھا: کیا بات ہے، یعنی کیا کر رہے ہو، کہا: اے ابوامامہ ہم کام کاج سے فارغ ہو گئے ہیں، تو فرمایا: کام سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فارغ ہونے والوں کو یہ حکم نہیں دیا گیا ہے، یعنی کیا یہ کہا گیا ہے کہ:

﴿ فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ﴾ (الانشراح : ۷)

''جب تم فارغ ہو تو عبادت کی مشقت میں لگ جاؤ۔''

یا

"فَإِذَا فَرَغْتَ فَالْعَبْ"

فارغ ہو جاؤ تو کھیل کود میں مصروف ہو جاؤ؟

اسی طرح ابو بکر الاحنف البغدادی کہتے ہیں کہ:

"سَمِعْتُ أَبَا جَعْفَرَ الصَّفَّارَ الْوَاعِظَ بِبَغْدَادٍ يَقُوْلُ: صِحْتُ بِرَاهِبٍ: يَا رَاهِبُ"

''میں نے بغداد کے واعظ ابو جعفر الصفار کو کہتے ہوئے سنا کہ انہوں نے ایک راہب کو پکار کر کہا: اے راہب!''

"فَنَادَانِيْ: لَا تُشْغِلْنِيْ"

''تو اس نے مجھے آواز لگائی کہ میری مشغولیت میں خلل پیدا نہ کرو۔''

"فَقُلْتُ بِمَعْبُوْدِكَ عَرِّفْنِيْ أَيْش شَغَلَكَ؟"

''تو میں نے کہا تمہیں تمہارے معبود کی قسم مجھے بتاؤ کہ تمہیں کس چیز نے مشغول کر رکھا ہے؟''

"فَقَالَ كَتَبَ إِلَيَّ بَعْضُ إِخْوَانِيْ أَنَّهُ قَرَأَ فِيْ بَعْضِ الْكُتُبِ: أَنَّ الْأَرْضَ الْوَاسِعَةَ لَتَضِيْقُ عَلَى الْبَعُوْضَةِ بِسَخَطِ اللّٰهِ، فَقَدْ أُعْمِلْتُ فِكْرِيْ فِي الْأَرْضِ وَسَعَتِهَا، وَالْبَعُوْضَةِ وَصِغَرِهَا فَكَيْفَ ضَاقَتْ عَلَيْهَا بِسَخَطِ اللّٰهِ، لَا تُشْغِلْنِيْ"

(تاريخ دمشق، ج ۷۱، ص ۶۸)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''تو اس نے کہا کہ مجھے ایک بھائی نے لکھ بھیجا کہ اس نے کسی ایک کتاب میں پڑھا ہے کہ: اللہ تعالیٰ کی ناراضی کے سبب وسیع تر زمین ایک مچھر پر تنگ ہوجاتی ہے، تو یہ جان کر میں نے اپنی سوچ زمین کی وسعت اور مچھر کی کم حجمی میں لگا دی کہ اللہ کی ناراضی کے سبب وہ کیسے اس پر تنگ ہوگئی، لہٰذا میری توجہ میں خلل نہ ڈالو۔''

اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

غور وفکر ایک نعمت، ایک عبادت

﴿ اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ﴿۱۹۰﴾ ﴾ (آل عمران : ۱۹۰)

بات ہو رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی مخلوقات میں حتی کہ انسان کو خود اس کی ذات میں غور وفکر کرنے کا حکم فرمایا ہے اور تاکید شدید کے ساتھ فرمایا ہے اور پھر غور وفکر کرنے والوں کی مدح فرمائی ہے، اور نہ کرنے والوں کی مذمت فرمائی ہے۔

اس سے پہلے کہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی حکمت، اس کی مقصدیت اور افادیت جاننے کی کوشش کریں، غور وفکر کی ضرورت واہمیت جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

غور وفکر اور تفکر وتدبر اللہ تعالیٰ کی بے شمار اور ان گنت نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت ہے، تفکر کا معنی کسی چیز کی سوچ، تصور اور خیال میں منہمک اور مستغرق ہونا ہے اور یہ ایک ایسا عمل، ایسی عبادت اور ایسی کیفیت ہے جو دین اسلام کو سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے لیے ایک بنیادی تقاضا بھی ہے اور دین سے گہری وابستگی اور اللہ تعالیٰ کی عظمت وکبریائی اور اس کے جلال وکمال کی معرفت اور اس کے قرب کے حصول کے لیے اضافی طور پر بھی مطلوب ہے۔

جیسا کہ فرمایا:

﴿ وَ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡكَ الذِّكۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡهِمۡ وَ لَعَلَّهُمۡ یَتَفَكَّرُوۡنَ ﴿۴۴﴾ ﴾

(النحل : ٤٤)

”یہ ذکر ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل فرمایا گیا ہے آپ اس کی تشریح وتوضیح کر دیں اور تاکہ وہ خود بھی غور وفکر کریں۔“

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اسی طرح کائنات میں غور وفکر کا بہت ساری آیات میں حکم فرمایا گیا ہے۔تاہم غور وفکر صرف امورِ آخرت کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ امور دنیا کو بھی شامل ہے، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ﴾

(البقرہ: ۲۱۹، ۲۲۰)

''اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے صاف صاف احکام بیان کرتا ہے،شاید کہ تم امور دنیا اور آخرت کو سوچو اور سمجھو اور غور وفکر کرو۔''

غور وفکر کے بغیر انسان کو دنیا میں کامیابی حاصل ہوسکتی ہے نہ آخرت میں۔غور وفکر کے بغیر انسان اپنی منزل نہیں پا سکتا، مثلاً اگر کوئی شخص منزل کا تعین کیے بغیر، مقصد طے کیے بغیر راستہ مقرر کیے بغیر انجام کی فکر کیے بغیر، راستے کے خطرات کا حساب لگائے بغیر اور ان سے بچنے کا انتظام کیے بغیر سفر پر نکل پڑے تو بتلایئے وہ کب، کہاں اور کیسے پہنچے گا،سوچ، فکر اور منصوبے کے بغیر وہ عمر بھر بھٹکتا ہی رہے گا اور منزل تک پہنچ نہ پائے گا۔

غور وفکر دراصل عقل کے گہری، مثبت اور سنجیدہ سوچ کے استعمال کرنے کا نام ہے، ایسی سوچ، فکر اور عقل ہی انسان کو دیگر تمام مخلوقات سے ممتاز کرتی ہے، ایسی عقل سے ہی انسان اپنے خالق و مالک کو پہچانتا ہے، ایسی عقل وفکر سے ہی انسان خیر اور شر میں امتیاز کرتا ہے، ایسی عقل ہی صحیح اور غلط میں فرق کرتی ہے،عقلِ سلیم سے ہی انسان اچھے کاموں پر خوشی اور برے کاموں پر شرمندگی محسوس کرتا ہے،سوچ اور احساس سے ہی انسان دنیا کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتا ہے اور عقل سے انسان اپنے طرز بودوباش میں بہتری لاتا اور ترقی کرتا ہے۔ سوچ اور فکر سے ہی انسان آخرت کی کامیابیاں سمیٹتا ہے۔

اور غور وفکر کے نتیجے میں ہی انسان اپنے خالق و مالک اور محسن و مربی کا شکر گزار اور احسان مند ہوتا ہے،تفکر و تدبر سے ہی انسان اللہ کے قرب سے بہرہ ور اور سعادت مند ہوتا ہے،عقل وفکر سے ہی انسان زندگی کو سنجیدگی اور متانت سے گزارتا ہے،عقل وشعور سے ہی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انسان دین کو بصیرت اور روشنی کے ساتھ اپناتا ہے اور اس کے ساتھ سرسری سا معاملہ نہیں کرتا، غور وفکر ہی کے ذریعے انسان اس فانی دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتا ہے، عقل ہی سے انسان دنیا کو کم اور آخرت کو زیادہ وقت دیتا ہے۔

تو انسان کو جو یہ تمام امتیازات، انعامات، اعزازات اور فوائد حاصل ہوتے ہیں تو وہ عقل کو استعمال کرنے اور غور وفکر کرنے کے نتیجے میں ہی حاصل ہوتے ہیں اور جو عقل کو استعمال نہیں کرتے، اس سے سوچنے سمجھنے اور غور وفکر کرنے کا کام نہیں لیتے، ان کا نام عقل والوں سے خارج کر کے انہیں بے عقل مخلوقات کی فہرست میں شامل کر دیا جاتا ہے، چنانچہ ان کے بارے میں فیصلہ صادر فرما دیا جاتا ہے کہ:

﴿ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ ﴾ (الاعراف: ۱۷۹)

جو لوگ عقل استعمال نہیں کرتے، اس سے غور وفکر کا کام نہیں لیتے وہ جانوروں اور چوپایوں جیسے ہیں۔

﴿ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ﴾ (الاعراف: ۱۷۹)

''بلکہ حقیقت میں ان سے بھی گئے گزرے ہیں۔''

دنیا کی زندگی میں سوچ بچار اور غور وفکر کی ضرورت و اہمیت کو ہر شخص اچھی طرح سمجھتا ہے۔ دنیا کے ہر معاملے میں غور وفکر کی ضرورت پڑتی ہے، وہ کاروبار کا معاملہ ہو، شادی بیاہ کا معاملہ ہو، کھانے پینے اور رہنے سہنے کا معاملہ ہو، دوستی اور دشمنی کا معاملہ ہو، غرضیکہ زندگی کے کسی بھی شعبے سے اس کا تعلق ہو غور وفکر کے بغیر چارہ ہی نہیں ہے، ورنہ قدم قدم پر خسارہ ہی خسارہ اور نقصان ہی نقصان ہوگا اور سراسر ناکامی ہی ناکامی ہوگی۔

انسان تو انسان دنیا میں جانوروں کو بھی اپنی اور اپنے بچوں کی خوراک اور اپنی اور اپنے بچوں کی حفاظت کے لیے غور وفکر سے کام لینا پڑتا ہے اور وہ اک محدود عقل سے محدود غور وفکر کا کام لیتے ہیں۔

آپ کسی پرندے کو یا کسی جانور کو مارنے کے انداز سے اپنا بازو لہراتے ہیں تو آپ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دیکھتے ہیں کہ وہ پرندہ فوراً اڑ جاتا ہے اور وہ جانور بھاگ جاتا ہے، کیوں کہ وہ اس محدود غور وفکر کے نتیجے میں بھانپ لیتا ہے کہ وہ پتھر اس کے لیے نقصان دہ اور جان لیوا ثابت ہو سکتا ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ لومڑی ہوشیاری، چالاکی، دور اندیشی اور مکاری میں مشہور اور اک مثال ہے اور مکاری بھی غور وفکر کے نتیجے میں ہی ہوتی ہے، مگر ٹیڑھی سوچ اور منفی غور وفکر کے نتیجے میں۔

لومڑی کی ہوشیاری چالاکی اور دور اندیشی کو سمجھانے کے لیے ایک فرضی کہانی بیان کی جاتی ہے، کہتے ہیں کہ شیر جب بوڑھا ہو گیا، شکار کرنے کے قابل نہ رہا، تو بیماری کا بہانہ کر کے ایک غار میں بیٹھ گیا۔ جانور اس کی تیمارداری کے لیے آتے تو وہ ان کو پکڑ کر کھا لیتا، کسی نے لومڑی سے کہا کہ تم بھی بادشاہ سلامت کی تیمارداری کے لیے کبھی جاؤ! لومڑی گئی، جب وہ غار کے پاس پہنچی تو واپس لوٹ آئی، پوچھا کیا ہوا، کہنے لگی کہ میں جانوروں کے غار کے اندر جانے کے نشانات تو دیکھ رہی ہوں مگر باہر نکلنے کا کوئی نشان نظر نہیں آتا۔

لومڑی کو یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوا؟ غور وفکر کے نتیجے میں اگرچہ یہ ایک فرضی کہانی ہے، مگر لومڑی کی عقلمندی اور دور اندیشی کے حوالے سے حقیقت کے قریب تر ہے۔ لومڑی کی سمجھ داری، عقلمندی، دور اندیشی اور غور وفکر کو اگر سامنے رکھیں تو شاید ہم اتنا بھی غور وفکر سے کام نہیں لیتے جتنا وہ لیتی ہے، ہم میں سے ہر شخص اپنی زندگی میں بہت بار اس بات کا مشاہدہ کرتا ہے کہ اس کے گھر سے، اس کے اعزاء و اقارب میں سے، دوست و احباب میں سے، آس پڑوس میں سے، محلے اور شہر میں سے، بلکہ اب تو چونکہ دنیا Global Village بن چکی ہے، چنانچہ دنیا بھر میں سے کسی نہ کسی کے فوت ہونے کی خبر سنتا ہے یا مشاہدہ کرتا ہے۔ لیکن ہم میں سے اکثر و بیشتر لوگوں کو اس میں غور وفکر کی توفیق نہیں ہوتی کہ ایسا کیوں ہے کہ وہ جو جاتا ہے وہ کبھی لوٹ کے نہیں آتا، جو جاتا ہے وہ کہاں جاتا ہے اور کیوں جاتا ہے اور اس کے ساتھ وہاں کیا معاملہ ہوتا ہے، یہ جانتے ہوئے بھی کہ ایک دن ہمارا بھی یہی انجام ہونے والا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے، کوئی یہ جاننے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا، کوئی عقل کو استعمال ہی نہیں کرنا چاہتا، کوئی دماغ پر بوجھ ڈالنا ہی نہیں چاہتا اور دماغ پر بوجھ ڈالیں بھی کیسے کہ سارا دماغ تو ہم نے دنیا کمانے کے لیے وقف کر رکھا ہے۔

مال و دولت نے، دنیا کی کشش نے ہمیں بے حس بنا دیا ہے، ہم سے عقل و دانش چھین لی ہے، ہمیں صرف دولت کی زبان سمجھ آتی ہے، باقی سب زبانیں ہمارے لیے اجنبی ہیں، ہماری اس کیفیت کو قرآن یوں بیان کرتا ہے کہ:

﴿ يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۖ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ﴾

(الروم: ۷)

''لوگ دنیا کی زندگی کا بس ظاہری پہلو جانتے ہیں اور آخرت سے وہ خود ہی غافل ہیں۔''

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ ڈاکٹر ہیں، انجینئر ہیں، ٹیکنیشن ہیں، تاجر ہیں اور اپنی اپنی فیلڈ میں خوب مہارت رکھتے ہیں اور اپنے اپنے شعبے میں عقل کو استعمال کرنا خوب جانتے ہیں مگر:

﴿ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ﴾ (الروم: ۷)

مگر آخرت سے یکسر غافل ہیں، آخرت کے بارے میں غور وفکر کرنے کی کوشش کریں تو سر درد کرنے لگ جاتے ہیں، دین کی باتیں سنائی جائیں تو بوریت ہونے لگتی ہے، جمعے کا خطبہ سننے بیٹھیں تو نیند آنے لگتی ہے۔

جی ہاں! ہمارا دل و دماغ اگر دین کی باتیں قبول نہیں کرتا تو اللہ کو بھی ایسے دلوں اور دماغوں کی ضرورت نہیں ہے۔

﴿ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴾

(الشوریٰ: ۱۳)

''وہ جسے چاہتا ہے اپنا بنا لیا ہے، وہ اپنی طرف آنے کا راستہ اس کو دکھاتا ہے جو

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

اس کی طرف رجوع کرے۔''

﴿قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ ۚ﴾ (الفرقان : ۷۷)

''اے پیغمبر ﷺ! لوگوں سے کہہ دو! میرے رب کو تمہاری کیا حاجت پڑی ہے اگر تم اس کو نہ پکارو۔''

حقیقت یہ ہے کہ غور وفکر سے محرومی جہاں ایک طرف بے حسی کی علامت ہے، وہاں دوسری طرف ایک بہت بڑی بدنصیبی بھی ہے، کہ جو لوگ کائنات میں غور وفکر کی ضرورت محسوس نہیں کرتے، پھر اللہ تعالیٰ ان کو اس کی توفیق بھی نہیں دیتا اور ان کی سوچ کو فضول کاموں میں لگا دیتا ہے، پھر لوگ سنجیدہ کاموں کو چھوڑ کر کھیل کود، ہنسی مذاق، سیر وتفریح اور آوارہ خیالی میں مصروف ہو جاتے ہیں اور پھر ایسی قوم در بدر کی ٹھوکریں کھاتی پھرتی ہے، جس کی پیش گوئی آپ ﷺ نے یوں فرمائی ہے کہ:

((يُوْشِكُ الْأُمَمُ اَنْ تَدَاعَى عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَاعَى الْأَكَلَةُ إِلَى قَصْعَتِهَا))

''قریب ہے کہ قومیں تم پر حملہ آور ہونے کے لیے ایک دوسرے کو یوں دعوت دیں جیسے کھانے والے ایک دوسرے کو دسترخوان پر دعوت دیتے ہیں۔''

اور سبب اس کا یہ بیان فرمایا:

((حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ)) (ابوداود، کتاب الملاحم : ٤٢٩٧)

''دنیا کی محبت اور موت کی کراہت اور ناپسندیدگی''

مسلمان قوم کہ جسے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے رہنما بنا کر بھیجا ہے وہ آج غیروں کی نقالی پر فخر کرتے نظر آتے ہیں، آج امت مسلمہ کی پستی اور بدحالی کا عالم یہ ہے کہ دو بلین کے قریب مسلمانوں میں سے کوئی ایک بھی لیڈر اور قائد نہیں ہے، رہنما نہیں ہے اور ہو بھی کیسے؟ جب بچے بچے کی زبان پر منگو منگو جان منگو جیسے ڈائیلاگ ہوں تو پھر محمد بن قاسم کہاں پیدا ہو اور اسامہ بن زید کہاں سے آئے گا اور صلاح الدین ایوبی کہاں جنم لے گا۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

جب قوم کے نوجوان فلموں، گانوں اور کھیلوں کے رسیا ہوں تو صالح قیادت کہاں سے آئے گی اور سوچ میں تبدیلی کیسے پیدا ہوگی۔

جب بوڑھے لوگ آخرت کی تیاری کے بجائے سارا سارا دن ٹی وی سکرینوں کے سامنے بیٹھ کر ٹاک شوز میں وقت ضائع کر رہے ہوں تو وہ نوجوانوں کو کیا رہنمائی دیں گے اور کیا حکمت کی باتیں بتائیں گے اور:

﴿قُوٓا۟ أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا﴾ (التحریم : ٦)

''اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ'' کا نمونہ کیسے بنیں گے۔

ہمیں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ غور وفکر کے بغیر عبادت محض عادت ہے اور ایسا شخص جو غور وفکر کرتے ہوئے تلاوت نہیں کرتا، عبادت نہیں کرتا، وہ اس کی چاشنی ہرگز نہیں پا سکتا، وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت وکبریائی اور وہ اس کے جلال و جمال کی معرفت حاصل نہیں کر سکتا اور حقیقی معنوں میں اس کا احسان مند اور شکر گزار نہیں ہو سکتا اور عبادت میں لذت نہیں پا سکتا۔

اور پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اگر صرف قرآن پاک کو سچے دل سے، گہرے غور وفکر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا کلام سمجھ کر تلاوت کریں اور ترجمہ وتفسیر پڑھیں تو آپ کی ظاہری حالت بھی بدل جائے گی اور دل کی کیفیت بھی یکسر تبدیل ہو جائے گی۔ چال ڈھال بدل جائے اور گفتگو کا انداز بدل جائے اور وہ لذت محسوس کریں گے کہ دنیا کی تمام لذتیں جس کے سامنے ہیچ ہیں۔

یہ سارے عجائبات غور وفکر کے اندر پنہاں ہیں، دنیا میں انسان کی ساری تگ و دو، جد وجہد اور مشغولیت صرف اور صرف لذت کے حصول کے لیے ہے، لیکن جو غور وفکر کی لذت سے آشنا ہو جائے وہ باقی ساری لذتیں بھول جاتا ہے مگر دل میں دنیا کی محبت ہوتے ہوئے غور وفکر کی سعادت نصیب نہیں ہو سکتی۔

غور وفکر کو دین کا کوئی اضافی مطالبہ نہ سمجھیں، یہ بنیادی تقاضا ہے، آپ قرآن پاک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پڑھ کر دیکھیں کہ بار بار غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے اور بہت ساری چیزوں کا نام لے کر غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے اور بعض نعمتوں کا محض ذکر کرنا بھی اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان پر غور کرو۔ مگر ہماری بے توجہی، بے حسی اور لاپرواہی کا یہ عالم ہے کہ ہمیں یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ قرآن پاک ہم سے کیا تقاضا کرتا ہے اور بعض نعمتیں کہ قرآن پاک جن کا ذکر کر کے غور وفکر کی دعوت دیتا ہے ہم انہیں معمولی سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں، معمولی ان معنوں میں کہ جو چیز وافر مقدار میں دستیاب ہو اس کی اہمیت کی طرف عموماً خیال نہیں جاتا، تاہم حقیقت میں کوئی بظاہر چھوٹی سے چھوٹی نعمت بھی معمولی نہیں ہے۔ ہر نعمت میں اللہ تعالیٰ کی کمال اور حیرت انگیز کاریگری نظر آتی ہے کہ انسان جان کر دنگ رہ جاتا ہے۔

اب آنکھ ہی کو لیجیے، اس کی حیرت انگز ترکیب اور تخلیق کا اندازہ کیجیے کہ پورے جسم میں واحد آنکھ ایک ایسا عضو ہے جو اس قدر صاف اور شفاف اور Transparent ہے کہ اس کی مثال نہیں ملتی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے اندر غذا کے لیے (Blood Vessels) یعنی خون کی شریانیں نہیں گزرتیں، اگر ایسا ہوتا تو آنکھ اس طرح صاف اور شفاف نہ ہوتی بلکہ اس میں اک جال سا دکھائی دیتا۔ اللہ نے اس کا ذکر یونہی نہیں فرمایا۔

﴿ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۝٨ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۝٩ ﴾ (البلد: ۸، ۹)

”کیا ہم نے اسے دو آنکھیں، ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے۔“

آنکھ میں ایک اور حیرت انگیز اللہ کی قدرت ملاحظہ فرمائیے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ سخت سردی میں انسان سر ڈھانپتا ہے، جسم ڈھانپتا ہے، ہاتھ اور پاؤں ڈھانپتا ہے، مگر کبھی کسی کو آنکھیں ڈھانپتے ہوئے نہیں دیکھا ہوگا، اس لیے کہ وہ مائنس ۷۰ ڈگری تک منجمد نہیں ہوتیں۔

﴿ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ؕ ﴾ (النمل: ۸۸)

”یہ اللہ کی قدرت کا کرشمہ ہے جس نے ہر چیز کو پرفیکٹ بنایا ہے۔“

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

غور وفکر انسان کا ایک امتیازی وصف

﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾﴾ (آل عمران : ۱۹۰)

غور وفکر کی ضرورت واہمیت کا ذکر ہو رہا تھا،غور وفکر انسان کی اک امتیازی خوبی ہے جو اسے دیگر مخلوقات سے ممتاز کرتی ہے،غور وفکر انسان کے دیگر مخلوقات پر شرف وفضیلت کا بنیادی سبب ہے۔

اس میں تو کوئی شک نہیں کہ کائنات کی ہر چیز اللہ کی عبادت کرتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهِنَّ ۭ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾﴾

(الاسراء : ٤٤)

’’اس کی پاکی تو ساتوں آسمان اور زمین اور وہ ساری چیزیں بیان کر رہی ہیں جو آسمان وزمین میں ہیں،مگر تم ان کی تسبیح سمجھتے نہیں ہو،حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا ہی بردبار اور درگزر کرنے والا ہے۔‘‘

اور فرمایا:

﴿وَ لِلّٰهِ یَسْجُدُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّ ظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ ﴿۱۵﴾﴾ (الرعد : ۱۵)

’’اور اللہ ہی کے لیے زمین وآسمان کی ہر چیز طوعا وکرھا سجدہ کر رہی ہے اور سب چیزوں کے سائے صبح وشام اس کے آگے جھکتے ہیں۔‘‘

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اور خصوصی طور پر فرشتوں کی عبادت کا ذکر تو کچھ یوں فرمایا کہ:

﴿وَلَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَمَنْ عِنْدَهُ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْسِرُونَ ﴿١٩﴾ يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ ﴿٢٠﴾﴾

(الانبیاء : ۱۹ ، ۲۰)

''اور جو اس کے پاس ہیں (یعنی فرشتے) از راہ تکبر اس کی عبادت سے روگردانی نہیں کرتے اور نہ ہی تھکتے ہیں، وہ دن رات تسبیح بیان کرتے ہیں اور ذرا سی بھی سستی نہیں کرتے۔''

اور احادیث میں ان کی عبادات کی تفصیلات میں سے ایک جگہ کچھ یوں بیان ہوا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً تُرْعَدُ فَرَائِصُهُمْ مِنْ خِيفَتِهِ))

''اللہ کے کچھ فرشتے ہیں کہ اللہ کے ڈر سے جن کے اعصاب کانپتے ہیں۔''

((مَا مِنْهُمْ مَلَكٌ تَقْطُرُ مِنْهُ دَمْعَةٌ مِنْ عَيْنِهِ إِلَّا وَقَعَتْ عَلَى مَلَكٍ يُصَلِّي))

''ان میں سے جس کسی فرشتے کی آنکھ سے بھی آنسو ٹپکتا ہے تو کسی نماز پڑھتے ہوئے فرشتے کے اوپر ہی گرتا ہے۔''

یعنی فرشتے اس کثرت سے ہیں کہ ان کے آنسو گرنے کی خالی جگہ بھی نہیں ہوتی۔

((وَإِنَّ مِنْهُمْ مَلَائِكَةً سُجُودًا مُنْذُ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَمْ يَرْفَعُوا رُؤُوسَهُمْ وَلَا يَرْفَعُونَهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ))

''ان میں سے کچھ فرشتے ایسے ہیں کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا ہے تب سے سجدے میں پڑے ہوئے ہیں، کبھی سر نہیں اٹھایا اور نہ ہی قیامت تک اٹھائیں گے۔''

((وَإِنَّ مِنْهُمْ مَلَائِكَةً رُكُوعًا ، لَمْ يَرْفَعُوا رُؤُوسَهُمْ مُنْذُ خَلَقَ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اللّٰهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَا يَرْفَعُوْنَهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ))

''اور ان میں سے کچھ فرشتے ایسے ہیں کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان بنائے ہیں تب سے انہوں نے رکوع سے اپنے سر نہیں اٹھائے اور نہ ہی قیامت تک اٹھائیں گے۔''

((فَإِذَا رَفَعُوْا رُؤُوْسَهُمْ نَظَرُوْا إِلَى وَجْهِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ قَالُوْا: سُبْحَانَكَ! مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ))

(تفسير ابن كثير، سورة المدثر، وقال: هذا اسناد لا بأس به)

''پھر جب وہ اپنے سر اٹھائیں گے اللہ تعالیٰ کے چہرے کا نظارہ کرتے ہوئے کہیں گے: پاک ہے تو! ہم نے تیری عبادت کا حق ادا نہیں کیا۔''

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب پہلے سے ہی اللہ تعالیٰ کی تمام کی تمام بے حدو حساب مخلوقات اس کی عبادت کر رہی ہیں اور ان میں سے کچھ اس طرح کی مخلوقات بھی ہیں کہ جو تب سے سجدے میں پڑی ہوئی ہیں جب سے اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا ہے، جو کبھی تھکتی نہیں ہیں، کبھی سستی نہیں کرتیں، کبھی سجدے سے سر انہیں اٹھایا اور نہ قیامت تک اٹھائیں گی اور جب اٹھائیں گی تو اپنی اس عبادت کو حقیر جانتے ہوئے کہیں گے:

((سُبْحَانَكَ مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ))

''پاک ہے تو! ہم نے تیری عبادت کا حق ادا نہیں کیا۔''

پھر بھی اللہ تعالیٰ کا جن وانس کو صرف اور صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کرنے کا کیا مطلب ہے جبکہ جن وانس میں یقیناً بہت سارے ایسے بھی ہیں جو از راہ تکبر عبادت سے انکار کرنے والے ہیں اور جو عبادت کرتے بھی ہیں وہ بھی یقیناً فرشتوں جیسی عبادت نہیں کر سکتے اور پھر وہ سستی بھی کرتے ہیں اور تھکتے بھی ہیں اور نہ صرف تھکتے بھی ہیں بلکہ ان کے تھکنے پر انہیں آرام کرنے کا مشورہ بھی دیا جاتا ہے، بلکہ حکم دیا جاتا ہے کہ جب وہ عبادت کرتے کرتے تھک جائیں تو عبادت جاری نہ رکھیں بلکہ سو جائیں، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

ﷺ نے فرمایا:

((إِذَا نَعَسَ أَحَدُكُمْ وَهُوَ يُصَلِّي فَلْيَرْقُدْ حَتَّى يَذْهَبَ عَنْهُ النَّوْمُ.)) (بخاري، كتاب الوضوء: ٢١٢)

''جب نماز پڑھتے وقت تم میں سے کسی کو اونگھ آ جائے، تو چاہیے کہ وہ سو رہے یہاں تک کہ نیند اس سے ختم ہو جائے۔''

اور یہ اس لیے کہ انسان پیدا ہی کمزور کیا گیا ہے۔

﴿وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا ۝٢٨﴾ (النساء: ٢٨)

''اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔''

جسمانی ساخت کے لحاظ سے کمزور ہے، قوت و طاقت کے لحاظ سے کمزور ہے، عزم و ارادے کے لحاظ سے کمزور ہے، لہٰذا وہ اس قدر مشقت کا متحمل نہیں ہوسکتا، چنانچہ اللہ تعالیٰ انسان کے ساتھ آسانی کا معاملہ فرماتا ہے، فرمایا:

﴿يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (البقره: ١٨٥)

''اللہ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے، سختی نہیں کرنا چاہتا۔''

تو آخر کیا وجہ ہے، انسان اور فرشتوں کی عبادت کے اتنے بڑے فرق کے باوجود خصوصی طور پر انسان کو ہی عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ انسان اور دیگر مخلوقات کی عبادت میں آخر فرق کیا ہے؟

تو آیئے فرق جانتے ہیں، جاندار مخلوقات آپ جانتے ہیں کہ تین قسم کی ہیں، انسان، فرشتے اور حیوانات، جن چونکہ احکام میں انسانوں کے ہی تابع ہیں، اس لیے ان کا الگ سے ذکر ضروری نہیں ہے۔

فرشتوں کی تخلیق کچھ یوں ہے کہ انہیں عقل سے نوازا گیا ہے، مگر ان میں خواہشات نفس نہیں رکھی گئیں، دوسری طرف جانوروں میں خواہشات نفس تو رکھی گئی ہیں مگر انہیں عقل نہیں دی گئی، البتہ انسان ایک ایسی مخلوق ہے کہ اسے عقل بھی دی گئی ہے اور اس کے خمیر میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خواہشات نفس بھی رکھی گئی ہیں۔ (مجموع الفتاویٰ، ج ۱۵، ص ۴۲۹)

فرشتے جس طرح اللہ کی عبادت کرتے ہیں وہ یقیناً اک مثالی عبادت ہے اور وہ انسان کے بس میں نہیں ہے کیونکہ انسان کو وہ قوت و طاقت نہیں دی گئی کہ جس سے وہ ایسی عبادت بجا لائے، البتہ انسان کا عبادت کرنا فرشتوں کی عبادت سے بہتر ہوسکتا ہے اگر اس کی عقل ان کی خواہشات نفس پر غالب آجائے اور اگر اس کی خواہشات نفس اس کی عقل پر غالب آجائیں تو وہ فرشتوں سے تو کیا بہتر ہوگا، وہ تو جانوروں سے بھی گیا گزرا ہوجائے گا۔

تو گویا عقل ہی وہ وجہِ فضل و امتیاز ہے جو انسان کے عبادت کرنے کو دوسری مخلوقات کے عبادت کرنے سے بہتر اور افضل بناتی ہے، فرشتے یقیناً عقل و بصیرت کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، مگر ان کے عبادت کرنے کی راہ میں اور ان کی عقل کو استعمال کرنے کی راہ میں اور ان کی عقل کو امتحان میں ڈالنے والی خواہشات نفس جیسی کوئی رکاوٹ موجود نہیں ہے، جبکہ انسان کے عقل کو استعمال کرنے کی راہ میں قدم قدم پر خواہشات نفس کی رکاوٹیں ہی رکاوٹیں ہیں اور انسان جب ان تمام روکاوٹوں کو عبور کر کے عقل کو استعمال کرتا ہوا اس سے غور وفکر اور تدبر و تفکر کرتا ہے، اللہ کی عظمت اور اس کے جلال کا شناسا اور اس کے حق عبادت کا معترف ہوتے ہوئے اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوتا ہے تو اس کا صرف سر ہی نہیں جھکتا بلکہ اس کے جسم کا ایک ایک انگ سراپائے عجز وانکساری وشکر و امتنان اور محوِ عبادت ہوتا ہے، پھر کیوں نہ ایسی عبادت تمام مخلوقات کی عبادت سے افضل و اشرف اور بہتر قرار پائے، مگر جب انسان عقل کو بالائے طاق رکھ کر خواہشات نفس کے حصول اور ان کی تسکین کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیتا ہے تو پھر یقیناً وہ جانوروں سے بدتر قرار پاتا ہے اور یہ حکم ان پر قرآن پاک لگاتا ہے کہ:

﴿بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ﴾ (الاعراف : ۱۷۹)

”کہ وہ جانوروں سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے اور گم گشتہ راہ ہیں۔“

فرشتے اگرچہ معصوم عن الخطاء ہیں، مگر وہ مجبورِ محض نہیں بلکہ انہیں اختیار حاصل ہے البتہ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

وہ خطا کرتے بھی نہیں ہیں، یہ اللہ کی گواہی ہے ان کے بارے میں کہ:

﴿لَا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ﴾ (التحريم : ٦)

''وہ کبھی اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم انہیں دیا جاتا ہے اسے بجا لاتے ہیں۔''

مگر دوسری طرف انسان خطا کار ہے سوائے انبیاء علیہم السلام کے کہ وہ معصوم عن الخطاء ہیں، اور ان کے علاوہ باقی تمام انسان نہ صرف یہ کہ غلطی کر سکتے ہیں بلکہ کہیں نہ کہیں ان سے خطا سرزد ہو ہی جاتی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ:

((كُلُّ بَنِي آدَمَ خَطَّاءٌ وَ خَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ))

(ابن ماجة ، كتاب الزهد : ١٥٢)

''تمام کے تمام بنی آدم خطا کار ہیں اور خطا کاروں میں سب سے اچھے لوگ وہ ہیں جو بہت زیادہ توبہ کرنے والے ہیں۔''

تو غور فرمایئے کہ انسان فرشتوں سے عبادت بھی تھوڑی کرتا ہے، تھکتا بھی ہے، سستی بھی کرتا ہے، خطائیں بھی کرتا ہے اور یہ سب کچھ پہلے سے ہی اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا، مگر اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انسان ہی کو خصوصی طور پر اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے، تو اس میں اصل بات وہی ہے کہ انسان عقل کو استعمال کر کے خواہشاتِ نفس اور دنیا کی کشش اور اس کی فریب کاریوں سے بچتا ہوا اللہ کے حضور سربسجود ہوتا ہے اور یوں اس کی عقل اس کی خواہشاتِ نفس پر غالب آجاتی ہے، اور اگر پھر بھی بتقاضائے بشریت اس سے کوئی خطا سرزد ہو ہی جائے تو پھر عقل کو استعمال کر کے گناہ سے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو انسان کی یہ ادا بہت اچھی لگتی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ عَبْدًا أَصَابَ ذَنْبًا))

''کسی بندے سے گناہ سرزد ہو گیا۔''

((فَقَالَ رَبِّ أَذْنَبْتُ وَرُبَّمَا قَالَ أَصَبْتُ فَاغْفِرْ لِي))

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''تو اس نے کہا: اے میرے رب! میں گناہ کر بیٹھا ہوں، مجھے معاف کر دے۔''

((فَقَالَ رَبُّهُ أَعَلِمَ عَبْدِي أَنَّ لَهُ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَأْخُذُ بِهِ غَفَرْتُ لِعَبْدِي)) (بخاري، كتاب التوحيد: ٧٥٠٧)

''تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا میرے بندے نے جانا ہے کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہ معاف بھی کرتا ہے اور اس پر گرفت بھی کرتا ہے۔ میں نے اپنے بندے کو معاف کر دیا۔''

آپ نے غور فرمایا کہ اس میں خاص بات کیا ہے! اس میں خاص بات اس کا توبہ کرنا نہیں، بلکہ خاص بات وہ چیز ہے جو توبہ کا باعث بنی اور وہ ہے اس کی سوچ اور فکر کہ:

((أَنَّ لَهُ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَأْخُذُ بِهِ))

''اس کا ایک رب ہے جو گناہ معاف بھی کرتا ہے اور اس پر پکڑ بھی کرتا ہے۔''

تو اصل چیز غور وفکر ہے، توجہ ہے، تصور ہے، اللہ کی ذات اور اس کی صفات کا تصور کہ ہمارا اور اس کائنات کا اک خالق اور مالک ہے، وہی سب کا رب ہے، رازق ہے، رحمٰن اور رحیم ہے، حلیم اور کریم ہے، اس کے ہم پر بے شمار انعامات اور احسانات ہیں اور اس غور وفکر کے نتیجے میں اس کا حق عبادت اور حق شکر وامتنان تسلیم کرتے ہوئے یوں سر تسلیم خم کرنا کہ

﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ﴿١٦٢﴾ لَا شَرِيكَ لَهُ﴾ (الانعام: ١٦٢، ١٦٣)

''کہہ دیجیے میری نماز، میرے تمام مراسم عبودیت، میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ رب العالمین کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔''

تو انسان کی عبادت اور دوسری مخلوقات کی عبادت میں فرق یہ ہے کہ انسان غور وفکر کرتا ہے، مگر غور وفکر تک پہنچنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔

فرشتوں سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

غور وفکر کے مقام تک پہنچنے کے لیے اپنے نفس کے ساتھ مجاہدہ کرنا پڑتا ہے، اسے زیر کرنا پڑتا ہے، اسے مات دینی پڑتی ہے، اپنی خواہشات کو قربان کرنا پڑتا ہے، تب کہیں جا کے انسان میں غور وفکر کی قابلیت اور صلاحیت طاقت پکڑتی اور مضبوط ہوتی ہے۔

اور جو لوگ اپنی خواہشاتِ نفس کے سامنے ڈھیر ہو جاتے ہیں، جن کی زندگی کا مقصد کوٹھیاں بنانا، کاروبار اور بینک بیلنس بڑھانا، تن آسانیاں حاصل کرنے کی جدوجہد میں لگے رہنا، کھانے پینے کے لیے جینا اور عیش وعشرت کی زندگی گزارنا ہو، تو وہ کیا جانیں کہ غور وفکر کیا ہوتا ہے اور اس کی لذت کیا ہوتی ہے۔

ہدایت اور غور وفکر میں چولی دامن کا ساتھ ہے، جو غور وفکر نہیں کرے گا وہ ہدایت کیسے پائے گا، یہی تو خصوصی طور پر اخروی کامیابی کی جانب پہلا قدم ہے اور یہی قدم انسان کو عمل پر آمادہ کرتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ہدایت کی طرف رہنمائی اور نشاندہی کرنے کے بعد کہ:

﴿ إِنَّا هَدَيْنَٰهُ ٱلسَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا ﴾ (الانسان : ۳)

''ہم نے راستہ دکھا دیا، خواہ شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا۔''

فرمایا:

﴿ وَقُلِ ٱلْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ ۖ فَمَن شَآءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ﴾

(الکھف : ۲۹)

''صاف کہہ دو کہ یہ حق ہے تمہارے رب کی طرف سے، اب جس کا جی چاہے مان لے اور جس کا جی چاہے انکار کر دے۔''

اور فرمایا:

﴿ كَلَّآ إِنَّهُۥ تَذْكِرَةٌ ۝ فَمَن شَآءَ ذَكَرَهُۥ ۝ ﴾ (المدثر : ۵۴، ۵۵)

''ہرگز نہیں! یہ تو ایک نصیحت ہے، اب جس کا جی چاہے اس سے سبق حاصل کر لے۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تو اللہ تعالیٰ نے انسان کو حق اور ہدایت کی رہنمائی دے کر اور عقل دے کر چھوڑ دیا ہے کہ وہ چاہے تو غور وفکر سے کام لے کر اس تک پہنچ سکتا ہے۔

غور وفکر کے ذریعے نہ صرف انسان حق تک پہنچتا ہے، اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرتا ہے، بلکہ عبادت کے سب سے بلند مقام پر فائز ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث جبریل میں ہے کہ جبریل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ:

((قَالَ مَا الْإِحْسَانُ))

''احسان کیا ہے؟''

((قَالَ أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ))

(بخاري، كتاب التفسير : ٤٧٧٧)

''فرمایا: احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرو گویا کہ تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو، اور اگر یہ نہ کر سکو تو پھر یہ کیفیت ہو گویا کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔''

تصور کی یہ کیفیت کہ گویا کہ انسان اللہ کو دیکھ رہا ہے، اس سے مراد دل کی آنکھ سے دیکھنا ہے اور دل کی آنکھ سے دیکھنے کے لیے گہرے تصور کی ضرورت ہوتی ہے آپ یقیناً سمجھتے ہوں گے، یہ سرسری تصور سے حاصل ہونی والی بات نہیں ہے اور ہماری نمازوں کی حالت تو یہ ہے کہ ہم اس تصور تک بھی نہیں پہنچ سکتے کہ اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے، پھر کائنات میں تصور اور اپنی ذات میں تصور اور غور وفکر تو بہت دور کی بات ہے۔

غور وفکر کی ضرورت واہمیت کے بارے میں جاننے کی کوشش کر رہے تھے، تو غور وفکر کی حقیقت یہ ہے کہ اس کے بغیر انسان دنیا میں کامیاب ہو سکتا ہے اور نہ آخرت میں۔

جہاں تک دنیا کے کاموں میں غور وفکر کی بات ہے تو وہ تو ہم سب جانتے ہیں کہ ہم خوب خوب اس میں کھوئے ہوئے ہیں اور دن رات اسی میں مگن رہتے ہیں اور آخرت کے بارے میں ہم سب اپنے اپنے بارے میں خوب جانتے ہیں کہ:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿بَلِ الْإِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ۝١٤ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ۝١٥﴾

(القيامه : ١٤، ١٥)

''انسان چاہے جتنے بھی حیلے بہانے تراش لے، حقیقت میں اس کو معلوم ہے کہ وہ کہاں کھڑا ہے۔''

غور وفکر کی ضرورت واہمیت کے بارے میں اگرچہ ابھی بہت کچھ جاننے کو ہے، مگر ہم اگلے خطبہ جمعہ میں گفتگو کو سمیٹنے کی کوشش کریں گے۔ ان شاء اللہ

اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

غور وفکر ہی انسان کی پہچان کی بنیاد

﴿اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ﴾ (آل عمران : ۱۹۰)

گذشتہ جمعے غور وفکر کی ضرورت و اہمیت جاننے کی کوشش کر رہے تھے اور اس کے لیے ہم نے چند دلائل سنے، غور وفکر کی اہمیت بیان کرنے والے دلائل کا تو اگرچہ ایک انبار ہے، مگر ہم انہی پر اکتفا کرتے ہوئے بات کو آگے بڑھاتے ہیں۔

غور وفکر کی اہمیت ایک مسلمہ حقیقت ہے اور اس کی اہمیت کی اس سے بڑھ کر دلیل کیا ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نہ صرف یہ کہ غور وفکر کی دعوت دیتے ہیں، بلکہ تاکید شدید کرتے ہیں، غور وفکر کرنے والوں کی مدح فرماتے ہیں اور نہ کرنے والوں کی مذمت فرماتے ہیں۔

غور وفکر کے دنیوی اور اخروی یقیناً بہت سے فوائد ہیں، غور وفکر کے بغیر انسان اپنی پہچان نہیں کرسکتا کہ وہ کون ہے اور کیوں ہے، غور وفکر سے محروم شخص نہ کوئی منزل رکھتا ہے، نہ ہدف رکھتا ہے، نہ سوچ رکھتا ہے، نہ صحیح اور غلط کی پہچان رکھتا ہے، نہ حلال اور حرام کی تمیز رکھتا ہے، نہ حیاء رکھتا ہے اور نہ اخلاق رکھتا ہے۔

غور وفکر سے محروم شخص کی مصروفیات صرف اور صرف کھانا پینا، کام کرنا اور سو جانا ہوتی ہے، چنانچہ غور وفکر سے محروم شخص اور کولہو کے بیل میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔

غور وفکر کے بغیر انسان نہ دنیا میں ترقی کرسکتا ہے اور نہ اخروی منازل طے کرسکتا ہے اور غور وفکر کے بغیر انسان، انسان نہیں کہلا سکتا، یا کم از کم عقلمند انسان نہیں کہلا سکتا۔

فطری طور پر کم عقل ہونا تو اک معذوری ہے جس پر ہرگز کوئی مواخذہ نہیں ہے لیکن عقل ہوتے ہوئے کم عقلی کا مظاہرہ کرنا یقیناً قابل ملامت بھی ہے اور قابل مواخذہ بھی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رہی یہ بات کہ یہ کیسے معلوم ہوگا کہ کوئی شخص پیدائشی طور پر کم عقل ہے یا عقل کے ہوتے ہوئے کم عقلی کر رہا ہے! تو یہ جاننا بہت آسان ہے، جو لوگ پیدائشی طور پر کم عقل ہوتے ہیں، یا کسی حادثے کے نتیجے میں عقل کھو بیٹھتے ہیں تو وہ آپ کو پاگل خانے میں نظر آئیں گے، یا گھر والوں نے زنجیروں میں جکڑ رکھا ہوگا اور اگر آزادانہ گھوم رہے ہوں تو پھر بچوں کے لیے تفریح کا سامان بن رہے ہوں گے۔

اور جو لوگ عقل رکھتے ہوئے بھی کم عقلی کرتے ہیں، دنیا والے انہیں عقلمند، سمجھدار، ہوشیار، سمارٹ اور خوش قسمت سمجھتے ہیں، کیونکہ وہ دنیا داری میں بڑے سمجھ دار اور ہوشیار اور چالاک ہوتے ہیں، کاروبار میں بڑے ماہر اور دولت کمانے کا فن خوب جانتے ہیں اور اپنے شعبے میں مہارت رکھتے ہیں، ان میں ڈاکٹرز بھی ہیں، انجینئرز بھی ہیں، مکینکس بھی ہیں، ٹیکنیشنز بھی ہیں، جو اپنے اپنے شعبے میں تو خوب علم رکھتے ہیں اور عقلمندی اور سمجھداری کے جوہر دکھاتے ہیں، مگر آخرت کے بارے میں ان کی عقل کام نہیں کرتی۔

﴿يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَافِلُونَ ۝٧﴾

(الروم : ٧)

”وہ دنیوی زندگی کا ظاہر تو جانتے ہیں مگر آخرت سے سراسر غافل ہیں۔“

اور یہی حقیقی کم عقلی ہے کہ عقل ہوتے ہوئے بھی عقل سے کام نہ لیا، غور وفکر نہ کیا، پائیدار اور ناپائیدار میں فرق نہ کیا، باقی اور فانی میں فرق نہ کر سکے۔ چنانچہ اپنی اس کم عقلی کا اعتراف وہ قیامت کے دن کرتے ہوئے نظر آئیں گے، جب کہیں گے کہ:

﴿وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ ۝١٠﴾

(الملك : ١٠)

”وہ کہیں گے اگر ہم سنتے ہوتے، یا عقل کرتے تو دوزخیوں میں شامل نہ ہوتے۔“

﴿فَاعْتَرَفُوا بِذَنبِهِمْ فَسُحْقًا لِّأَصْحَابِ السَّعِيرِ ۝١١﴾ (الملك : ١١)

”تو اس طرح وہ اپنے جرم کا اعتراف کر لیں گے، پس دوری ہو ان دوزخ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

والوں کے لیے۔“

تو جس عقل سے غور وفکر کا کام نہ لیا جائے، اس کا ہونا نہ ہونے سے بدتر ہے، وہ ”بل هم اضل“ کے زمرے میں آتے ہیں۔

عقل اگرچہ دنیا وآخرت کے کاموں میں استعمال کے لیے دی گئی ہے مگر عقل کو استعمال کرتے ہوئے اس سے غور وفکر کرنے کی دعوت صرف آخرت کے کاموں میں دی گئی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کے کاموں میں عقل کو جتنا چاہو استعمال کرو، مگر آخرت کو نظر انداز کر کے نہیں بلکہ آخرت کے کاموں میں عقل کو استعمال کرنا مقدم ہے اور اسی کو ترجیح ہے اور حتی کہ دنیا کے کاموں میں عقل کو استعمال کرتے ہوئے بھی آخرت کا پہلو ہی غالب رہنا چاہیے۔ تو عقل انسان کے لیے باعث شرف وفضیلت ہے اور اسے استعمال کرتے ہوئے غور وفکر سے کام لینا اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عزت وتکریم سے نوازا اور فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ ﴾ (الاسراء : ۷۰)

”یقیناً ہم نے بنی آدم کو عزت وتکریم بخشی ہے۔“

﴿ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ﴾ (الاسراء : ۷۰)

”اور ہم نے انہیں بر و بحر میں، خشکی اور تری میں سواریاں عطا کیں اور انہیں پاکیزہ چیزوں کا رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر انہیں فضیلت بخشی۔“

اب خشکی اور تری میں انسان کو سوار کرنے یا سواریاں دینے کا کیا مطلب؟ واضح طور پر ایسا ہرگز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر آسمان سے کوئی کشتی اتاری ہو کہ جس میں بیٹھ کر لوگ سمندروں میں سفر کرتے ہوں، ایسے ہی خشکی پر انسان سفر کا ارادہ کرے تو یکایک اس کے سامنے کوئی سواری آ کھڑی ہو کہ جس پر بیٹھ کر یا ہوا کے دوش پر سوار ہو کر وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جا پہنچتا ہو بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ہی نے انسان کو وہ عقل بخشی ہے کہ جسے

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

استعمال میں لا کر وہ خشکی اور تری میں اپنے لیے سواریوں کا انتظام کرتا ہے۔

تاہم عقل کی ضرورت واہمیت اور فضیلت اک مسلمہ حقیت ہے، اس میں یقیناً کسی عقلمند انسان کو کوئی شک نہیں ہوسکتا، اس کے استعمال سے انسان کو دنیا وآخرت کے بے شمار فوائد ہو سکتے ہیں، مگر اس سے حاصل ہونے والے حقیقی فوائد وہ ہیں جو آخرت کے حوالے سے ہوں اور اگر عقل سے آخرت کے فائدے حاصل نہ ہوں تو اس کے ذریعے دنیا کے حاصل ہونے والے فائدے قیامت کے دن وبال بن جائیں گے، تو گویا کہ آخرت کے لیے عقل کو استعمال نہ کرنا دنیا وآخرت کے نقصان اور خسارے پر منتج ہوگا کہ:

﴿خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ط﴾ (الحج: ١١)

''اس کی دنیا بھی گئی اور آخرت بھی۔''

اعاذنا اللّٰه منها۔

اور جیسا کہ شروع میں عرض کیا کہ غور وفکر کی ضرورت واہمیت بیان کرنے والے دلائل کا ایک انبار ہے تو یقیناً اسے بیان کرنے کے لیے بھی اک طویل وقت درکار ہوگا اور پھر اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کی اپنی ذات میں اور کائنات میں غور وفکر کی جو دعوت دی اور تاکید کی ہے تو اس میں کوئی ایک انسان تو کیا، اس دنیا میں پوری نسل انسانی کی مدت قیام تو ختم ہوسکتی ہے مگر اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں غور وفکر کا کام ہرگز ہرگز ختم نہیں ہوسکتا۔

لہٰذا ہم اللہ تعالیٰ کی ان گنت، بے شمار اور لاتعداد مخلوقات میں سے دو ایک میں سرسری سا غور وفکر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

سب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بے شمار اور لاتعداد نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت پانی ہے، مگر تعجب کی بات ہے کہ اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا تو بہت دور کی بات، لوگوں کی غالب اکثریت کو اس نعمت کے نعمت ہونے کا احساس بھی نہیں ہے، لوگ پانی کو اپنی ایک بنیادی ضرورت کے طور پر تو جانتے ہیں، مگر نعمت کے طور پر بہت کم لوگ جانتے ہیں۔

اور یہ انسان کی اک فطری کمزوری ہے کہ جو چیز بآسانی حاصل ہو اور وافر مقدار میں بھی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہو تو عموماً اس کی قدر و قیمت کا احساس نہیں ہوتا مگر جب وہ نعمت چھن جاتی ہے یا اس میں تنگی آتی ہے تو پھر انسان چیخنے چلانے لگتا ہے اور اس کے حصول کے لیے جائز اور ناجائز طریقے اختیار کرتا ہے۔

پانی کتنی بڑی نعمت ہے، اپنی ضرورت کے لحاظ سے تو ہم سب خوب جانتے ہیں، بالخصوص اس کی قلت اور عدم دستیابی کی صورت میں، مگر قرآن پاک کی روشنی میں پانی کتنی بڑی اور کتنی اہم نعمت ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پانی کا تذکرہ قرآن پاک کی انسٹھ (۵۹) آیتوں میں تریسٹھ (۶۳) مرتبہ "الـمـاء" یعنی پانی کے لفظ کے ساتھ فرمایا، اس کے علاوہ ایک سو کے قریب ایسے الفاظ کے ساتھ ذکر فرمایا جو پانی پر دلالت کرتے ہیں، جیسے الانہار اور البحار وغیرہ۔

قرآن پاک میں اتنی مرتبہ پانی کا تذکرہ یقیناً اس کی اہمیت پر دلالت کرتا ہے، اور پھر واضح طور پر اس میں غور و فکر کی دعوت اس کی اہمیت کو دوبالا کرتی ہے۔

پانی کے متعلق باریک بینی سے غور و فکر کرنا تو یقیناً اہلِ اختصاص کا کام ہے اور حتی کہ اس کو سمجھنے کے لیے بھی اک علمی پس منظر کی ضرورت ہوتی ہے، البتہ پانی کے بارے میں جو حقائق بیان کیے گئے ہیں ان میں سے چند نمایاں حقیقتیں جو ہمیں خصوصی طور پر غور و فکر کی دعوت دیتی ہیں وہ یہ ہیں، اللہ فرماتے ہیں:

﴿ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۖ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ۝٣٠ ﴾ (الانبیاء : ۳۰)

''اور ہم نے پانی سے ہر زندہ چیز پیدا کی، کیا وہ ایمان نہیں لاتے۔''

اور ایک یہ کہ:

﴿ وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَأَسْكَنَّٰهُ فِي الْأَرْضِ ۖ وَإِنَّا عَلَىٰ ذَهَابٍۭ بِهِۦ لَقَٰدِرُونَ ۝١٨ ﴾ (المؤمنون : ۱۸)

''اور آسمان سے ہم نے ٹھیک حساب کے مطابق ایک خاص مقدار میں پانی اتارا اور اس کو زمین میں ٹھہرا دیا اور ہم اس کے لے جانے پر یقیناً قادر ہیں۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ان آیات میں ایک اس حقیقت کا بیان کہ ہر جاندار چیز پانی سے پیدا کی گئی ہے، کائنات میں موجود زندہ مخلوقات کی تخلیق پر اگر غور کریں تو عجائب قدرت نظر آتے ہیں، بالخصوص انسان کی تخلیق میں، اور قرآن پاک نے اس پر غور وفکر کرنے کا حکم بھی دیا ہے اور اس کے یقیناً بہت سے فوائد ہیں۔ اسی طرح یہ حقیقت کہ پانی جو ہمیں سمندروں، دریاؤں اور نہروں میں نظر آتا ہے، یہ درحقیقت آسمان سے اتارا گیا ہے اور ٹھیک اندازے کے مطابق اتارا گیا ہے اور جب سے اتارا گیا ہے اس وقت سے لے کر قیامت تک اس میں ایک قطرے کی کمی یا اضافہ نہ ہوگا، یہ اللہ کی قدرت اور اس کی عظمت کی ایک نشانی ہے۔ وہ پانی آسمان سے اتارا اور زمین میں ٹھہرا دیا اور اس سے سمندر اور بحیرے وجود میں آئے۔

آسمان سے پانی کا اتارا جانا اور ہر زندہ چیز کا پانی سے پیدا کیا جانا، بہت بڑی حقیقتیں ہیں، جن کی تفصیل اور تشریح میں بہت کچھ لکھا گیا ہے، جسے بیان کرنے کے لیے ایک وقت چاہیے اور دوسرے یہ کہ ہمارے موجودہ حالات کی مناسبت سے ایک دوسرے نقطے پر گفتگو کرنا زیادہ اہم ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ:

﴿وَإِنَّا عَلَىٰ ذَهَابٍ بِهِ لَقَادِرُونَ ۝١٨﴾ (المؤمنون: ١٨)

''ہم نے آسمان سے پانی اتارا ہے اور ہم اس کے لے جانے پر بھی قادر ہیں۔''

آج پاکستان کو پانی کا مسئلہ درپیش ہے اور اس کے لیے ڈیم بنانے کی کوششیں ہو رہی ہیں اور اس کے لیے ترغیب دلائی جا رہی ہے، یقیناً اپنے مسائل کے حل کے لیے جہاں تک ممکن ہو مادی اسباب و وسائل اختیار کرنے چاہئیں، مگر ایک مسلمان کے لیے لازم ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ بلکہ اس سے پہلے روحانی اسباب اختیار کرے۔

مسلمان پر لازم ہے کہ وہ پہلے پانی کی قلت کے اسباب جاننے کی کوشش کرے، جن و انس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات اللہ کے حکم کے بغیر ذرہ برابر بھی انحراف نہیں کرتیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی ضرورت کے لیے ٹھیک ٹھیک اندازے کے مطابق اک خاص مقدار میں پانی اتارا، اب جاننے کی ضرورت یہ ہے کہ اس میں کمی کیوں آئی! وہ کمی یقیناً بے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سبب نہیں ہے اور وہ سبب کیا ہے؟

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ﴾ (الروم : ٤١)

''خشکی اور تری میں فساد برپا ہوگیا لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے۔''

﴿لِيُذِيقَهُم بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ (الروم : ٤١)

''تاکہ مزہ چکھائے ان کو ان کے بعض اعمال کا، شاید کہ وہ باز آجائیں۔''

ایک مسلمان کا یقین اور ایمان ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے وہ سچ ہے اس ایمان کے بغیر آدمی مسلمان نہیں ہوسکتا۔

اب اللہ تعالیٰ نے جو مصیبت اور پریشانی نازل کی ہے اور اس کا سبب بھی بتایا ہے اور اس کا حل بھی بتا دیا ہے تو کیا سمجھتے ہیں کہ وہ سبب اپنی جگہ موجود رہے اور مسئلے کے حل کا وہ طریقہ بھی اختیار نہ کیا جائے جو بتلایا گیا ہے تو کیا مسئلہ حل ہوجائے گا؟ یقیناً نہیں۔

اور اگر مسئلہ حل ہو بھی جائے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوگا کہ اللہ کے بتائے ہوئے طریقۂ علاج کے برعکس ہم نے حل تلاش کرلیا ہے بلکہ وہ استدراج ہوگا، یعنی ڈھیل ہوگی اور یقیناً اس موجودہ مصیبت سے بڑی مصیبت ہوگی۔

ہمارے مسائل کا سبب کیا ہے، اجتماعی اور من حیث القوم اسباب تو سب کو معلوم ہیں، سب سے بڑا سبب تو شرک اور بدعت ہے، فحاشی اور بے حیائی ہے، ناچ گانا ہے، ہمارا مسلمان میڈیا ہے، ہمارے بازاروں کا فسق و فجور ہے، اور گھروں کا حال جاننے کے لیے اپنے اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھ لیں۔ ہمیں مسائل کا سامنا اگرچہ اپنی بعض بداعمالیوں کے سبب ہی ہے، مگر اس میں بھی ایک رحمت کا پہلو موجود ہے، اور وہ یہ کہ اللہ چاہتے ہیں کہ اس سے نصیحت حاصل کرتے ہوئے لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ آئیں، ورنہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو تمام بداعمالیوں پر گرفت فرما کر یکسر نیست و نابود کردیتے، مگر افسوس کہ امت مسلمہ نے اللہ تعالیٰ کے اس حکیمانہ و رحیمانہ فیصلے اور پیش کش سے مستفید ہوتی ہوئی نظر نہیں آتی۔

اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی فضل و کرم سے ہمارے حال پر رحم فرمائے۔ آمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ڈپریشن کا بنیادی سبب

﴿وَ لَنَبۡلُوَنَّکُمۡ بِشَیۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ وَ الۡجُوۡعِ وَ نَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَ الۡاَنۡفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیۡنَ ﴿۱۵۵﴾﴾ (البقرة : ١٥٥)

اس میں یقیناً کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تمام کی تمام مخلوقات نہایت ہی متناسب اور موزوں اور کامل واکمل اور ہر قسم کے نقص اور خلل سے پاک ہیں اور یہ اتنی بڑی حقیقت ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے بھی اس پر چیلنج کر رکھا ہے کہ:

﴿مَا تَرٰی فِیۡ خَلۡقِ الرَّحۡمٰنِ مِنۡ تَفٰوُتٍ ؕ﴾ (الملك : ٣)

''تم اللہ الرحمٰن کی تخلیقات میں کوئی بے ربطی اور بے ضابطگی نہ دیکھو گے۔''

﴿فَارۡجِعِ الۡبَصَرَ ۙ هَلۡ تَرٰی مِنۡ فُطُوۡرٍ ﴿۳﴾﴾ (الملك : ٣)

''پھر پلٹ کر دیکھو، کہیں تمہیں کوئی خلل اور شگاف نظر آتا ہے؟''

﴿ثُمَّ ارۡجِعِ الۡبَصَرَ کَرَّتَیۡنِ یَنۡقَلِبۡ اِلَیۡکَ الۡبَصَرُ خَاسِئًا وَّ هُوَ حَسِیۡرٌ ﴿۴﴾﴾

(الملك : ٤)

''پھر نظر لوٹا کر بار بار دیکھو، تمہاری نگاہ تھک ہار کر نامراد لوٹ آئے گی۔''

یعنی تمام بنی نوع انسان اگر مل کر اور سر جوڑ کر بھی بیٹھ جائیں اور خوب غور وفکر اور معائنہ و مشاہدہ کریں اور بار بار کریں تو بھی انہیں اللہ تعالیٰ کی تخلیقات میں کہیں کوئی خلل نظر نہ آئے گا۔

اور اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے بالخصوص اگر انسان کی بات کریں تو وہ اللہ کی صناعی، اس کی کاریگری، مہارت فن اور کمال ہنر کا اک شاہکار ہے۔

انسان ایک نہایت ہی پیچیدہ مخلوق ہے، دانا اور زیرک ہے اور شدید حساس ہے، ایسی حساس کہ کوئی چھوٹی سے چھوٹی بات اور چھوٹے سے چھوٹا اشارہ بھی اس کے دل و دماغ کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیفیت کو یکسر تبدیل کر دینے کے لیے کافی ہو سکتا ہے۔

انسان اک ایسی حساس شخصیت ہے کہ کسی چھوٹی سی بات پر خوشی سے جھوم اٹھتی ہے اور کسی ہلکے سے اشارے پر رنج وغم میں ڈوب جاتی ہے، کوئی محض خیال اس کے جسم پر لرزہ طاری کر دیتا ہے اور کوئی وسوسہ اس کی سوچ کا دھارا بدل دیتا ہے، انسان جسم کے لحاظ سے بھی بڑا نازک اور لطیف ہے اور جذبات و احساسات کے اعتبار سے بھی بڑا حساس، زیرک اور طبّاع ہے۔

انسان اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی حیران کن تخلیق ہے، اس کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ یوں تو کائنات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بے شمار نشانیاں ہیں جن پر غور وفکر کرنے کی اللہ تعالیٰ نے انسان کو دعوت دی ہے اور دکھانے کا وعدہ بھی کیا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی خود انسان کی ذات میں بھی اسے اپنی قدرت کی نشانیاں دکھانے کا وعدہ فرمایا ہے، چنانچہ فرمایا:

﴿سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ۗ﴾

(حم السجدہ: ۵۳)

”عن قریب ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفس میں بھی، یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل جائے گی کہ یہ قرآن واقعی حق ہے۔“

نفس انسانی میں کیا کیا عجائبات قدرت ہیں، انسان جان کر دنگ رہ جاتا ہے، انسان کے اعضاء کس طرح کام کرتے ہیں اور ان میں کیا کیا صلاحیتیں اللہ تعالیٰ نے رکھ رکھی ہیں تفصیل جان کر اللہ کی عظمت وجلال کے سامنے بے ساختہ انسان کا سر جھک جاتا ہے اور بے اختیار پکار اٹھتا ہے کہ:

﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٩١﴾﴾

(آل عمران: ۱۹۱)

”اے پروردگار! یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا ہے، تو پاک ہے، بس ہمیں آگ کے عذاب سے بچا لے۔“

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

انسان نے اپنے بارے میں اب تک یوں تو بہت کچھ جانا ہے، مگر فی الواقع وہ جو کچھ ہے اس کے مقابلے میں اسے بہت کم جانکاری حاصل ہے۔

انسان کو اللہ تعالیٰ نے کیا کیا قوتیں اور صلاحتیں عطا کر رکھی ہیں اور کن کن صفات اور خوبیوں سے نواز رکھا ہے، ان کا ذکر تو یقیناً اک طویل داستان ہے البتہ دو ایک صلاحیتوں کی بات کر لیتے ہیں۔

انسانی جسم میں آنکھ کی صلاحیت اور خصوصیت کے بارے میں گذشتہ ایک خطبے میں ذکر ہوا تھا کہ اس کا نقطۂ انجماد مائنس ۷۰ ڈگری بتایا جاتا ہے۔ اس کے دیگر بہت سے باریک اور نہایت ہی اہم کاموں اور صلاحیتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسانی آنکھ لاکھوں رنگوں میں فرق کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

آنکھ کی یہ خوبی اور صلاحیت انسان کے لیے کتنی بڑی نعمت ہے، شاید اکثر لوگ اس کی اہمیت کو نہیں سمجھتے، یہ رنگ بھری دنیا اپنے رنگوں کی وجہ سے کتنی خوبصورت اور حسین اور پرکشش نظر آتی ہے، ہم نے شاید کبھی یہ سوچا ہی نہیں کہ ہم کتنی رنگین دنیا میں رہ رہے ہیں، ذرا غور کیجیے کہ کائنات میں کیسے کیسے رنگ ہیں، رنگا رنگ کی سبزیاں ہیں، رنگا رنگ کے پھل ہیں، رنگا رنگ کے پھول ہیں، پودے ہیں، درخت ہیں، جانور ہیں، پرندے ہیں، انسان ان کا نظارہ کر کے محظوظ ہوتا ہے، کبھی تصور کر کے دیکھیں کہ اگر دنیا بلیک اینڈ وائٹ ہوتی تو کیسی لگتی، پھر شاید آپ کو رنگوں کی اہمیت اور ان میں فرق کرنے کی آنکھ کی صلاحیت کی قدر و قیمت کا اندازہ ہو جائے۔

اسی طرح کان کی قوت و صلاحیت ہے کہ انسان کے کان تین لاکھ چالیس ہزار آوازوں میں فرق کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، ہمیں زندگی میں یقیناً بہت سی آوازوں میں فرق کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، اگر صرف انسانوں کی آوازوں میں فرق کرنے کی ضرورت کی بات کریں تو اس کی بھی ہمیں بہت اشد ضرورت ہے، اگر بہت تفصیل میں نہ جائیں تو آج کے حالات کے مطابق اگر فون پر کسی سے بات کر رہے ہوں اور ہمارے کان آوازوں میں فرق

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرنے کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں تو بات کرنے والے کو کس طرح پہچانیں گے، وہ اگر کہتا بھی رہے کہ میں فلاں شخص بات کر رہا ہوں تو جب تک وہ اپنا کوڈ نہیں بتائے گا ہمیں یقین نہیں آئے گا۔

کچھ ایسے ہی ناک کی صلاحیت بھی ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایسی قوت شامہ عطا کی ہے کہ انسان کی ناک کم از کم ایک لاکھ کروڑ بو اور مہک میں فرق کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے، ذرا سوچیں کہ انسان اگر خوشبو اور بدبو میں فرق نہ کر سکتا ہوتا تو زندگی کیسی متعفن ہوتی۔

ایسے ہی زبان ہے، دل ہے، دماغ ہے اور دیگر اعضائے جسم انسانی ہیں، جو اپنی اپنی جگہ پر حیرت انگیز کاموں کی صلاحیت رکھتے ہیں، اب دماغ ہی کو لیجیے جو بعض دوسرے اعضاء کی طرح انسان کے سوتے میں بھی کام کر رہا ہوتا ہے اور ایک اندازے کے مطابق انسانی دماغ میں سے روزانہ پچاس ہزار خیالات جنم لیتے ہیں، بعض سائنسدانوں کے نزدیک یہ تعداد ساٹھ ہزار ہے، اس لحاظ سے ہر منٹ میں دماغ میں ۳۵-۴۸ خیالات گزرتے ہیں۔

غرضیکہ انسان ایک بڑی ہی پیچیدہ، لطیف اور نفیس اور حساس مخلوق ہے اور آپ جانتے ہیں کہ جو چیز جتنی زیادہ نفیس اور حساس ہو، اسی قدر اس کی حفاظت اور صیانت کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے، خیالات کا دماغ میں گزرنا انسان کی دنیوی اور اخروی زندگی کے لیے بہت ہی اہم اور بہت ہی حساس مسئلہ ہے، ان کو کنٹرول کرنا اور ڈائریکشن دینا نہایت ہی ضروری ہے، ورنہ وہی خیالات جو شروع میں محض پراگندہ اور بکھرے ہوئے خیالات ہوتے ہیں ایک وقت میں وہ مختلف سہاروں کے ذریعے پختہ خیالات میں تبدیل ہوجاتے ہیں اور بالآخر وہی خیالات آدمی کا پختہ یقین اور ایمان بن جاتے ہیں اور آدمی ان کے مطابق اپنی زندگی گزارنا شروع کر دیتا ہے، حالانکہ اس کے ان پراگندہ خیالات کو اپنے گردوپیش سے جو سہارا ملتا ہے، جو سپورٹ اور قوت ملتی ہے وہ زیادہ تر ناقابل اعتماد ہوتی ہے، مگر وہ انہی خیالات کی بنیاد پر مستقبل کے خواب دیکھتا اور امیدوں کے محل تعمیر کرتا ہے۔

خیالات کو بے لگام چھوڑ دینا انسان کی تباہی و بربادی کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اگرچہ بنیادی طور پر خیالات کو روکنا انسان کے بس میں ہی نہیں ہے، خیالات انسان سے پوچھ کر نہیں آتے، اس کی مرضی سے نہیں آتے، صرف اس کی پسند کے ہی نہیں آتے۔ بلکہ پسند ناپسند، اچھے اور برے ہر طرح کے خیالات آتے ہیں اور انسان ان کے سامنے بے بس ہوتا ہے مگر اس کے باوجود ان کو کنٹرول کرنے کی کوشش کرنا، انہیں درست سمت اور جہت دینا نہایت ضروری ہے، ورنہ وہ خیالات انسان کو پٹڑی سے اتار دیتے ہیں اور ایسا اتار دیتے ہیں کہ انسان اپنی منزل کی مخالف سمت پر چل پڑتا ہے۔

خیالات انسان کو سوتے میں آتے ہیں، جاگتے میں آتے ہیں، عبادات میں آتے ہیں، معاملات میں آتے ہیں، ایک پل میں وہ انسان کو آسمان کی بلندیوں پر پہنچا دیتے ہیں اور دوسرے پل میں وہ اسے اتھاہ گہرائیوں میں گرا دیتے ہیں، ایک لمحے میں وہ مسلمان کو کافر بنا دیتے ہیں اور ایک ہی لمحے میں وہ کافر کو مسلمان بنا دیتے ہیں، اگر خیالات کے سامنے بند نہ باندھا جائے تو وہ انسان کو کچھ سے کچھ بنا دیتے ہیں۔

خیالات اور وسوسے جو انسان کو آتے ہیں وہ تین طرح کے ہوتے ہیں، ایک قسم کے وسوسے اور خیالات حدیث النفس کہلاتے ہیں کہ وہ خود انسان کے اپنے نفس کے پیدا کردہ ہوتے ہیں اور دوسری قسم کے خیالات یا وسوسے وساوس الشیطان ہوتے ہیں، یعنی شیطان دل میں ڈالتا ہے، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ ۖ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ﴿١٦﴾﴾ (ق: ١٦)

’’ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور اس کے دل میں جو خیالات اٹھتے ہیں ان سے ہم واقف ہیں اور ہم اس کی رگ جان سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔‘‘

اور دوسری طرف شیطان کے وسوسوں کے متعلق فرمایا:

﴿فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ قَالَ يَا آدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَىٰ شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلَىٰ ﴿١٢٠﴾﴾ (طٰہٰ: ١٢٠)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

''اور شیطان نے اسے وسوسہ ڈالا، کہنے لگا کہ میں تجھے ابدی زندگی کا درخت اور لازوال سلطنت بتاؤں جو کبھی پرانی نہ ہو۔''

تیسری قسم وسوسوں کی وہ ہے جو شیطان نما انسانوں کی طرف سے آتے ہیں، جیسا کہ فرمایا:

﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝١ مَلِكِ النَّاسِ ۝٢ اِلٰهِ النَّاسِ ۝٣ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ۝٤ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝٥ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝٦﴾ (الناس: ١-٦)

''آپ کہہ دیجیے! میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے رب کی، لوگوں کے مالک کی، انسانوں کے بادشاہ کی، انسانوں کے حقیقی معبود کی، وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے جو بار بار پلٹ کر آتا ہے، جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے خواہ وہ جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔''

یہاں لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالنے والے دو قسم کے لوگوں کا ذکر فرمایا، ایک قسم جنوں میں سے ہے اور دوسری انسانوں میں سے ہے اور ان کے وسوسوں سے اللہ کی پناہ مانگنے کا حکم فرمایا ہے۔

خیالات کی حقیقت کو سمجھنا نہایت ضروری ہے، کیونکہ خیالات کو بغیر کسی حدود و قیود اور اصول وضوابط کے کھلا چھوڑ دینا بہت بڑے نقصانات کا باعث ہوتا ہے، خیالات اور وسوسوں کا یقیناً انسان کے رویوں پر مثبت اور منفی اثر ہوتا ہے۔

خیالات کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے ہم جاننے کی کوشش کریں گے کہ خیالات کے آنے پر اسلام کیا حکم لگاتا ہے اور منفی خیالات سے کس طرح بچا جا سکتا ہے، مگر اس سے پہلے ذرا خیالات کی سنگینی کے بارے میں جانتے ہیں۔

بے مہار خیالات انسان کی دنیا اور اس کی آخرت کے لیے نہایت خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں، جیسا کہ حدیث میں ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((جَاءَ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ فَسَأَلُوْهُ: إِنَّا نَجِدُ فِي أَنْفُسِنَا مَا يَتَعَاظَمُ أَحَدُنَا أَنْ يَتَكَلَّمَ بِهِ))

''صحابہ میں سے کچھ لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا ہم اپنے دلوں میں کچھ ایسے خیالات پاتے ہیں کہ جسے بہت سنگین بات خیال کرتے ہوئے اسے زبان پر لانے سے گریز کرتے ہیں۔''

تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((وَقَدْ وَجَدْتُمُوْهُ؟))

''کیا تم نے واقعی ایسے خیالات پائے ہیں؟''

انہوں نے کہا:

((نَعَمْ))

''جی ہاں۔''

((قَالَ: ذَاكَ صَرِيْحُ الْإِيْمَانِ)) (مسلم، كتاب الإيمان : ۱۳۲)

''تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ تو واضح اور صریح ایمان ہے۔''

معنی یہ کہ جو چیز تمہیں شیطانی وسوسوں کو دھتکارنے پر ابھارتی اور آمادہ کرتی ہے وہ واضح اور خالص ایمان ہی تو ہے، ورنہ کمزور اور متزلزل ایمان والا آدمی ایسے وسوسوں کے سامنے ڈھیر ہو جاتا ہے۔

اور ایک حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا يَزَالُ النَّاسُ يَتَسَاءَلُوْنَ))

''لوگ ہمیشہ ایک دوسرے سے سوالات کرتے رہیں گے۔''

((حَتّٰى يُقَالَ هٰذَا خَلَقَ اللّٰهُ الْخَلْقَ فَمَنْ خَلَقَ اللّٰهَ))

''حتی کہ کہا جائے گا یہ تو ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات پیدا کی ہیں، مگر خود اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے۔''

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

((فَمَنْ وَّجَدَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَلْيَقُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ))

(مسلم ، كتاب الإيمان : ١٣٤)

''تو جو کوئی ایسی چیز پائے اور ایسی بات سنے تو وہ کہے: آمنت باللّٰہ'' میں اللہ پر ایمان لایا ہوں۔''

اسی طرح ایک حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((يَأْتِي الشَّيْطَانُ أَحَدَكُمْ فَيَقُوْلُ :مَنْ خَلَقَ كَذَا وَكَذَا حَتّٰى يَقُولَ لَهٗ مَنْ خَلَقَ رَبَّكَ))

''فرمایا: شیطان تم میں سے کسی کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا، حتی کہ اس سے یہ کہتا ہے کہ تمہارے رب کو کس نے پیدا کیا۔''

((فَإِذَا بَلَغَ ذٰلِكَ فَلْيَسْتَعِذْ بِاللّٰهِ وَلْيَنْتَهِ))

(مسلم ، كتاب الإيمان : ١٣٤)

''جب بات یہاں تک پہنچے تو اعوذ باللہ کہے، اللہ کی پناہ مانگے اور اس سے رک جائے۔''

یعنی خیالات کو آگے نہ چلائے کہ وہ گویا اس طرح سوچنا شروع نہ کر دے کہ بات تو سوچنے کی ہے کہ آخر اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے اور یوں وہ ایمان کی دولت سے محروم ہو جائے گا۔

ان احادیث میں ایک تو یہ بات غور طلب ہے کہ خیالات اور وسوسے اتنی سنگین چیز ہیں کہ یہ ان لوگوں کے دلوں پر بھی وارد ہوتے جن کے دل اس امت میں سب سے پاک صاف دل تھے جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مُتَأَسِّيًا فَلْيَتَأَسَّ بِأَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ))

''جو تم میں سے کسی کی پیروی کرنے والا ہے ، وہ محمد ﷺ کے صحابہ کی پیروی کرے اور ان کے نقش قدم پر چلے۔''

((فَإِنَّهُمْ كَانُوْا أَبَرَّ هٰذِهِ الْأُمَّةِ قُلُوْبًا ، وَأَعْمَقَهَا عِلْمًا ، وَأَقَلَّهَا

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

تَكَلُّفًا ، وَأَقْوَمَهَا هَدْيًا وَأَحْسَنَهَا حَالًا))

''کہ وہ لوگ اس امت کے سب سے زیادہ پاک اور نیک دلوں والے تھے، گہرے علم والے تھے، کم تکلف والے تھے، ہدایت کے درست ترین راستے پر تھے اور بہترین حال پر تھے۔''

((قَوْمًا إِخْتَارَهُمُ اللّٰهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهِ ﷺ))

''وہ وہ لوگ تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے صحابہ بنانے کے لیے چن لیا تھا۔''

((فَاعْرِفُوْا لَهُمْ فَضْلَهُمْ وَاتَّبِعُوْهُمْ فِيْ آثَارِهِمْ ، فَإِنَّهُمْ كَانُوْا عَلَى الْهُدَى الْمُسْتَقِيْمِ))

(جامع بيان العلم وفضله ، ج۲ ، ص ۹٤۷)

''پس ان کی فضیلت پہچانو، ان کے نقش قدم پر چلو کہ وہ صراط مستقیم پر تھے۔''

تو وسوسے اور خیالات ان لوگوں کے دلوں پر بھی وارد ہوئے کہ جن کے ایمان کی اللہ تعالیٰ نے گواہی دی ہے اور جسے ہمارے لیے ایمان کا معیار بنایا ہے۔

تو جب ان کے ساتھ وسوسوں کا یہ معاملہ رہا ہے تو ہم ان سے کیسے بچ سکتے ہیں۔

اس موضوع پر مزید گفتگو ان شاء اللہ آئندہ خطبہ جمعہ میں کریں گے۔ آج کا خطبہ اصل موضوع کی تمہید ہے اور اصل موضوع ہے ڈپریشن۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ڈپریشن کا علاج

﴿وَ لَنَبۡلُوَنَّكُمۡ بِشَیۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ وَ الۡجُوۡعِ وَ نَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَ الۡاَنۡفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیۡنَ ﴿۱۵۵﴾﴾ (البقرۃ : ۱۵۵)

گذشتہ جمعے ڈپریشن کے موضوع کی تمہید کے طور پر چند باتیں بیان ہوئیں جن میں سے خصوصی طور پر دل پر وارد ہونے والے خیالات کا ذکر ہوا، خیالات اور وسوسوں کا حقیقت میں ڈپریشن کے ساتھ گہرا تعلق ہے، بلکہ یہ کہنا زیادہ موزوں ہوگا کہ یہ بیماری پیدا ہی خیالات کے بگڑنے سے ہوتی ہے اور خیالات کی مثال کچھ کمپیوٹر پروگرامنگ کی سی ہے کہ کمپیوٹر، پروگرامنگ کے مطابق کام کرتا ہے اور جب تک پروگرامنگ صحیح سلامت ہو تو کمپیوٹر ٹھیک ٹھیک کام کرتا رہتا ہے اور جب اس میں سے کوئی فائل کرپٹ ہوجائے تو سسٹم میں خرابی پیدا ہوجاتی ہے، جزوی طور پر یا مکمل طور پر۔

تو یہ تو ایک بنیادی بات ہے، آپ ڈپریشن کے موضوع کو شروع سے آخر تک تمام تفصیلات کا ایک ایک کرکے اچھی طرح مطالعہ کرلیں، اس کا بنیادی سبب یہی چیز نظر آئے گا۔

کہا جاتا ہے کہ ڈپریشن کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم کیمیائی ہے اور دوسری سماجی ہے، کیمیائی قسم میں انسان کے اندر کیمیائی عناصر کا توازن خراب ہوجاتا ہے اور اس کا علاج دوا کے ذریعے کیا جاتا ہے، جبکہ سماجی قسم میں انسان معاشرتی مسائل میں الجھ کر ڈپریشن کا شکار ہو جاتا ہے اور اس کا علاج Counseling سے ہوتا ہے۔

سماجی مسائل کیا ہیں، گھریلو مسائل اور اختلافات، کاروباری مشکلات اور معاشرتی الجھنیں اور پیچیدگیاں وغیرہ، مگر ان مسائل کے پیچھے کیا چیز کارفرما ہوتی ہے، ان کی بنیاد کیا چیز بنتی ہے، کیونکہ مسائل خود بخود بغیر کسی سبب کے تو پیدا نہیں ہوتے، ان کا یقیناً کچھ نہ کچھ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

باعث تو ضرور ہوگا، مثال کے طور پر کاروبار میں کوئی شخص کسی کو دھوکہ دیتا ہے تو متأثرہ شخص اس غم کو دل پر ایسا لگا لیتا ہے کہ بالآخر وہ ڈپریشن کا شکار ہوجاتا ہے، اب کہنے تو ڈپریشن کا سبب وہ دھوکا ہوا جو اسے کسی نے دیا، مگر جاننے کی بات یہ ہے کہ دھوکا دینے والے کو دھوکا دینے پر اکسایا کس نے ہے!

یقیناً اس لالچ نے، اس سوچ نے، ان وسوسوں اور خیالات نے اور راتوں رات امیر ہونے کی ان خواہشات نے جو اس کے دل میں نہ جانے کب سے انگڑائیاں لے رہی تھیں، ایسے ہی متأثرہ شخص کو ڈپریشن میں مبتلا کرنے والی چیز بظاہر تو وہ دھوکا اور فراڈ ہی ہے اور وہ مالی نقصان ہے جو اسے پہنچا، مگر اس کے پیچھے اصل چیز وہ سوچ اور وہ خیالات ہیں جو بار بار اور پے در پے اسے اس دھوکے اور نقصان، اس ناانصافی اور بے وفائی، اس زیادتی اور بے بسی کا احساس دلاتے ہیں اور اس کے پاس ان خیالات کو روکنے کا کوئی طریقہ اور ان سے بچنے اور ان کا رخ تبدیل کرنے کا کوئی فارمولا نہیں ہوتا۔

تو ڈپریشن کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے ہمیں اس کے حقیقی اسباب کو سمجھنا ہوگا اور حقیقی اسباب جیسا کہ ابھی ہم نے اک مثال کے ذریعے سمجھنے کی کوشش کی کہ ڈپریشن کے بظاہر اور مادی اسباب جو بھی ہوں اس کے پیچھے اس کے حقیقی اسباب معنوی ہی ہوتے ہیں اور وہ ہیں آدمی کے دل و دماغ میں گردش کرنے والے جذبات واحساسات اور خیالات وافکار جو رنج و غم کی شکل میں ہوتے ہیں، پریشانیوں اور محرومیوں کی صورت میں ہوتے ہیں اور ماضی کے پچھتاووں اور مستقبل کے اندیشوں کی صورت میں ہوتے ہیں۔

تاہم ڈپریشن کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلے اور سب سے اہم بات اس کے اصلی اور حقیقی اسباب کو سمجھنا ہے اور وہ ہم نے جانا کہ ڈپریشن کا اصلی اور حقیقی اور سب سے بنیادی سبب خیالات اور وسوسے ہیں۔ جو رنج وغم کی صورت میں آتے ہیں، پریشانیوں اور مصیبتوں کی صورت میں آتے ہیں اور محرومیوں اور ناکامیوں کی صورت میں آتے ہیں۔

تو ڈپریشن کا اصلی اور حقیقی سبب معلوم ہوجانے کے بعد اب ہم اس سے بچاؤ کی تدابیر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور اس کے طریقہ علاج کے حوالے سے گفتگو کرنا چاہیں گے مگر یاد رہے کہ ہم یہاں ڈپریشن کے سائنٹفک نقطۂ نظر سے گفتگو نہیں کر رہے بلکہ شرعی نقطۂ نظر سے بات کر رہے ہیں۔

ڈپریشن کے سائنٹیفک نقطۂ نظر سے گفتگو کرنے والے ماہرین اپنی جگہ موجود ہیں اور اس طریقۂ علاج کی اپنی جگہ ایک اہمیت ہے، مگر جہاں تک اس کی اصلی اور حقیقی تشخیص اور علاج کا تعلق ہے تو وہ وہی ہے جو قرآن وحدیث نے بیان کیا ہے۔

چنانچہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ کوئی سچا اور حقیقی مسلمان کبھی ڈپریشن کا شکار ہو۔تو آیئے اب شرعی نقطۂ نظر سے ڈپریشن کے ذرا تفصیلی اسباب جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

شرعی لحاظ سے ڈپریشن کے اسباب کی بھی ایک طویل فہرست ہے: جیسے غم اور پریشانی، سستی اور کاہلی، بھوک اور بیماری، کم ہمتی اور ناتوانی، ڈر اور خوف، عدم صلاحیت، نااہلی، محرومی اور بے بسی کا احساس، جانی اور مالی نقصان کا خوف اور اندیشہ، اہمیت نہ دیئے جانے پر دل گرفتگی اور خواہشات پوری نہ ہونے کا افسوس، احساس کمتری اور مایوسی اور دیگر بہت سے اسباب ہیں۔

ڈپریشن کے یہ چند مذکورہ اسباب اک حقیقت ہیں، ان کا وجود اک حقیقت ہے اور یہ بھی اک حقیقت ہے کہ کوئی بھی انسان ان سے بچ نہیں سکتا، زندگی میں ایک بار نہیں بلکہ بار بار انسان کو ان کیفیتوں اور ان مسائل سے گزرنا پڑتا ہے، مگر کچھ لوگ ایسی حالتوں اور کیفیتوں میں مبتلا ہو کر ڈپریشن کا شکار ہو جاتے ہیں اور کچھ دوسرے نہیں ہوتے۔

جو لوگ ایسی کسی ذہنی کیفیت سے دوچار ہو کر ڈپریشن کا شکار ہو جاتے ہیں، وہ کیوں ہوتے ہیں اور جو لوگ ان تکلیفوں، مصیبتوں اور پریشانیوں کے باوجود ڈپریشن کا شکار نہیں ہوتے وہ کیوں نہیں ہوتے!

اس کا جواب اگر کسی مسلمان کے حوالے سے جاننا چاہیں جو ڈپریشن کے مرض میں مبتلا ہو تو اس سے قدرے مختلف ہوگا جو کسی غیر مسلم کے لیے ہوگا اور اگر کسی غیر مسلم کے حوالے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے جواب جاننا چاہیں تو اس میں بحیثیت انسان مسلمان بھی شریک ہوگا۔

ہم اس وقت چونکہ اسلامی نقطۂ نظر سے ڈپریشن کے اسباب جاننے کی کوشش کر رہے ہیں، لہٰذا شرعی لحاظ سے ہی اس کے اسباب کی بات کرتے ہیں، اور وہ بھی اک مسلمان کے حوالے سے۔

جب کوئی مسلمان ڈپریشن کا شکار ہوتا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ اس کا اسلام کے ساتھ علمی اور عملی تعلق بہت کمزور ہے، یعنی ایک طرف تو وہ اسلام کی مبادیات سے ہی ناواقف ہوتا ہے اور دوسری طرف وہ اسلام کی تعلیمات سے جتنی بھی آگاہی رکھتا ہے اس پر اسے دل کی تصدیق، عقدِ قلبی اور پختگی حاصل نہیں ہوتی، چنانچہ نتیجتاً اعضاء و جوارح سے اس کا اظہار نہیں ہوتا اور اگر ہوتا ہے تو بس اک سرسری نوعیت کا۔

ہوتا تو وہ شخص مسلمان ہی ہے مگر اس درجے اور اس مقام و مرتبے کا نہیں ہوتا کہ جس پر اللہ تعالیٰ کسی مسلمان سے خصوصی معاملہ کرتا ہے، اسے حیات طیبہ بسر کرواتا ہے، جیسا کہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٧﴾﴾ (النحل : ٩٧)

”جو شخص بھی نیک عمل کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ ہو وہ مؤمن، اسے ہم دنیا میں پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور آخرت میں ایسے لوگوں کو ان کے اجر ان کے بہترین اعمال کے مطابق بخشیں گے۔“

اور پھر یہیں بس نہیں بلکہ وقتِ وفات اس پر فرشتوں کا نزول ہوتا ہے اور وہ آکر اسے تسلیاں دیتے اور بشارتیں سناتے ہیں۔

جیسا کہ فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿٣٠﴾ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿٣١﴾ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴿٣٢﴾﴾ (حم السجدہ : ۳۰۔۳۲)

''جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے، یقیناً ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو اور خوش ہو جاؤ اس جنت کی بشارت سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے، ہم اس دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے ساتھ تھے اور آخرت میں بھی رہیں گے وہاں جو کچھ تم چاہو گے تمہیں ملے گا اور ہر چیز جس کی تم تمنا کرو گے وہ تمہاری ہوگی! یہ ہے سامانِ ضیافت اس ہستی کی طرف سے جو غفور و رحیم ہے۔''

اور موضوع کی مناسبت سے اس میں ایک سب سے اہم نکتہ یہ ہے کہ اسے اطمینان و سکونِ نفس کی نعمت اور سعادت سے اور نفسِ مطمئنہ کے عظیم لقب سے نوازا جاتا ہے اور اسی لقب سے پکارا جاتا ہے۔

﴿يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿٢٧﴾ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿٢٨﴾ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿٢٩﴾ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴿٣٠﴾﴾ (الفجر : ۲۷۔۳۰)

''اے نفسِ مطمئن چل اپنے رب کی طرف، اس حال میں کہ تو اس سے راضی اور اس کا پسندیدہ ہے، شامل ہو جا میرے نیک بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں۔''

اطمینان و سکونِ نفس اک بہت بڑی سعادت اور بہت بڑا اعزاز ہے، یہاں سکون اور اطمینان کا مفہوم یقیناً وہ نہیں ہے جو عموماً ہمارے ہاں دنیاوی اعتبار سے سمجھا جاتا ہے کہ جس میں کسی شخص، کسی جماعت یا کسی بستی کا امن و امان سے رہنے کا مطلب ہوتا ہے کہ وہ شخص یا وہ قوم تمام تر سہولتوں، آسانیوں اور فراوانیوں کے ساتھ، بغیر کسی مشکل، پریشانی، مصیبت اور ابتلاء کے نہایت سکون اور اطمینان سے زندگی گزار رہے ہوتے ہیں، بلکہ یہاں نفس مطمئنہ سے مراد وہ نفس ہے جو کسی تکلیف، کسی غم اور کسی پریشانی پر جزع فزع نہیں کرتا، گلہ اور شکوہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نہیں کرتا، شکایت نہیں کرتا، بلکہ تقدیر پر، اللہ کی قضاء اور اس کے فیصلوں پر اور اس کی تقسیم پر سرِ تسلیم خم کرتا ہے، اور دل کی گہرائیوں سے کرتا ہے اور بڑی سے بڑی تکلیف اور پریشانی پر وہ مجسمۂ تسلیم و رضا ہوتا ہے، وہ اک کنارے پر رہتے ہوئے اطاعت و فرمانبرداری کا دم نہیں بھرتا بلکہ تصدیقِ قلبی سے حاصل ہونے والے ایمان کا ﴿صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ﴾ (الاحزاب : ٢٣) کی صورت میں اظہار کرتا ہے، اللہ کے ذکر سے اسے سکون اور اطینان حاصل ہوتا ہے اور وہ اللہ پر، اسلام پر اور نبی آخر الزماں ﷺ پر صدقِ دل سے راضی ہوتا ہے، چنانچہ اطمینانِ قلب اور جذبۂ تسلیم و رضا الفاظ بن کر اس کی زبان سے یوں ادا ہوتے ہیں کہ:

((رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِيْنًا وَ بِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا ﷺ))

(السلسلة الصحيحة : ٢٦٨٦)

"میں اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر اور محمد ﷺ کے نبی ہونے پر راضی ہوں۔"

جب کسی مسلمان کی کیفیت یہ ہو تو پھر حزن و ملال، غم اور پریشانی، ڈر اور خوف، محرومی اور نا امیدی اس پر کیسے طاری ہو سکتی ہے اور ڈپریشن اس کے قریب کیسے پھٹک سکتا ہے۔

اس کے برعکس جو مسلمان ان صفات سے محروم رہتا ہے وہ ڈپریشن کا آسان ہدف ہوتا ہے۔ تو کسی مسلمان کے ڈپریشن کا شکار ہونے کا سبب ہم نے جانا کہ ایک تو وہ اسلام کی بنیادی تعلیمات سے ناواقف ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے اور دوسرے عملی طور پر اسلام سے دور ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے جبکہ عمل دل میں پختہ یقین اور ایمان سے پیدا ہوتا ہے۔

جہاں تک اسلام کی بنیادی تعلیمات سے ناواقفی کی بات ہے تو اس میں سے ایک بنیادی بات یہ ہے کہ اسلام نے دنیا کی حقیقت جس طرح بیان کی ہے اسے اس طرح سمجھا نہیں گیا، یا نظر انداز کیا گیا ہے مثلاً:

انسان کی تخلیق کا ایک بنیادی مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۝ ﴾ (الدھر : ٢)

''ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا ہے تا کہ اس کا امتحان لیں اور اس غرض کے لیے ہم نے اسے سننے اور دیکھنے والا بنایا۔''

انسان کی تخلیق سے متعلق ایک حقیقت یہ بیان فرمائی کہ:

﴿ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ۝ ﴾ (البلد : ٤)

''درحقیقت ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے۔''

اور یہ بات اللہ تعالیٰ نے دو قسمیں کھانے کے بعد ارشاد فرمائی۔ اس سے اس کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے اور مشقت میں پیدا کیے جانے کا معنی یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں مزے لوٹنے اور آرام کرنے نہیں آیا، بلکہ مشقتیں اٹھانا، سختیاں جھیلنا اور تکلیفیں سہنا اس دنیا میں اس کا مقدر ہوں گی اور یہ ایک بدیہی بات ہے کہ امتحان کبھی آسان نہیں ہوتا اور جن کے لیے آسان ہوتا ہے ان کے لیے بہت تکلیفوں اور مشقتوں سے گزرنے کے بعد آسان ہوتا ہے۔ یوں تو انسان کی ساری کی ساری زندگی ہی اس کے لیے امتحان ہے، جیسا کہ فرمایا:

﴿ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴾ (الملك : ٢)

''جس نے زندگی اور موت کو پیدا کیا تا کہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے کہ تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔''

تو گویا کہ زندگی بھی امتحان ہے اور موت بھی امتحان اور آزمائش ہے، مگر اس کے باوجود امتحان کی چیدہ چیدہ انواع واقسام اور شکلیں اور صورتیں بھی بیان فرما دی ہیں، چنانچہ فرمایا:

﴿ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۭ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ ﴾ (البقرة : ١٥٥)

''اور ہم ضرور تمھیں خوف وخطر، فاقہ کشی، جان و مال کے نقصانات اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کر کے تمھاری آزمائش کریں گے اور صبر کرنے والوں کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خوشخبری سنا دو۔‘‘

اسی طرح ان آزمائشوں اور امتحانوں سے متعلق ایک حقیقت یہ بیان فرمائی کہ وہ امتحان صرف اور صرف تنگی اور تکلیف اور غم اور پریشانی کی صورت میں ہی نہیں ہوں گے بلکہ خیر اور خوشی کی شکل میں بھی ہوں گے، جیسا کہ فرمایا:

﴿ وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۖ وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ﴾ (الانبیاء : ۳۵)

’’اور ہم تمہیں شر اور خیر کے ساتھ آزمائیں گے، آخر کار تمہیں ہماری طرف ہی پلٹنا ہے۔‘‘

آزمائشوں سے متعلق ایک حقیقت یہ بیان فرمائی کہ:

﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۚ ﴾ (البقرہ : ۲۸۶)

’’اللہ تعالیٰ کسی متنفس پر اس کی طاقت سے بڑھ کر ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالتا۔‘‘

آزمائشوں کے متعلق تفصیلات میں سے ایک یہ ہے کہ:

﴿ فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ ﴾ (الانشراح : ۵، ۶)

’’حقیقت یہ ہے کہ تنگی کے ساتھ فراخی ہے، بے شک تنگی کے ساتھ فراخی ہے۔‘‘

آزمائشوں کے حوالے سے ہی ایک بات یہ ہے کہ:

﴿ وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴾ (البقرہ : ۲۱۶)

’’اور ممکن ہے تم کسی چیز کو بری جانو جبکہ وہ تمہارے لیے بھلی ہو اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو اچھی سمجھو، حالانکہ وہ تمہارے لیے بری ہو، اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔‘‘

اور آزمائشوں کے حوالے سے ایک یہ حقیقت ملاحظہ فرمائیے، اللہ فرماتے ہیں:

﴿ أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ﴾

(العنکبوت : ۲)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

''کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بس اتنا کہنے پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ''ہم ایمان لائے'' اور ان کو آزمایا نہ جائے گا۔''

اب غور فرمایئے، جب زندگی کی حقیقت کو اس قدر تفصیل سے بیان کیا گیا ہو اور اس میں سب سے اہم بات آزمائشیں، تکلیفیں پریشانیاں اور مصیبتیں بتلائی گئی ہوں کہ جن سے کسی انسان کو مفر نہ ہو اور جو مسلمان ہو اس پر گویا اور بھی سخت لازم ہوتی ہوں اور پھر مسلمانوں میں سے جو جس قدر نیک، متقی، پرہیزگار اور دیندار ہو اسی قدر اس پر اور زیادہ سخت تکلیفیں اور آزمائشیں آتی ہوں۔ حضرت مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ:

((قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَيُّ النَّاسِ أَشَدُّ بَلَاءً قَالَ الْأَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْأَمْثَلُ فَالْأَمْثَلُ فَيُبْتَلَى الرَّجُلُ عَلَى حَسَبِ دِينِهِ فَإِنْ كَانَ دِينُهُ صُلْبًا اشْتَدَّ بَلَاؤُهُ وَإِنْ كَانَ فِي دِينِهِ رِقَّةٌ ابْتُلِيَ عَلَى حَسَبِ دِينِهِ فَمَا يَبْرَحُ الْبَلَاءُ بِالْعَبْدِ حَتَّى يَتْرُكَهُ يَمْشِي عَلَى الْأَرْضِ مَا عَلَيْهِ خَطِيئَةٌ)) (ترمذي، كتاب الزهد: ٢٣٩٨)

''میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کون لوگ سب سے سخت آزمائشوں میں ہوتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: انبیاء ورسل علیہم السلام، پھر جو ان کے بعد مرتبہ میں ہیں اور پھر جو اُن کے بعد ہیں، بندے کی آزمائش اس کے دین کے مطابق ہوتی ہے، اگر بندہ اپنے دین میں سخت ہو تو اس کی مصیبت بھی سخت ہوتی ہے، اور اگر وہ اپنے دین میں نرم ہو تو اس کے دین کے مطابق مصیبت بھی ہوتی ہے، پھر مصیبت بندے کے ساتھ ہمیشہ رہتی ہے یہاں تک کہ بندہ روئے زمین پر اس حال میں چلتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔''

اور ایک مسلمان جو ان باتوں کا علم اور ان پر پختہ ایمان رکھتا ہو تو بتلایئے! یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ ڈپریشن کا شکار ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح معنوں میں دین کی سمجھ عطا فرمائے۔ آمین

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ڈپریشن ایک مہلک بیماری

﴿وَ لَنَبۡلُوَنَّكُمۡ بِشَیۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ وَ الۡجُوۡعِ وَ نَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَ الۡاَنۡفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیۡنَ ﴾ (البقرۃ : ۱۵۵)

گذشتہ خطبات میں ڈپریشن کے حوالے سے گفتگو ہو رہی تھی اور ڈپریشن جیسا کہ آپ کو اندازہ ہوگا کہ موجودہ دور کا اک نہایت ہی اہم مسئلہ ہے کیونکہ ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن کے اعداد و شمار کے مطابق اس وقت دنیا میں ۳۰۰ ملین سے زائد لوگ اس مرض کا شکار ہیں جن میں سے ۱۶ ملین سے زائد صرف امریکہ میں ہیں جو کہ امریکہ کی کل آبادی کا ۶.۷ پرسنٹ بنتا ہے۔

اس کے علاوہ اگرچہ دیگر کئی اور بیماریاں بھی ہیں جو کہ خطرناک اور مہلک بھی ہیں اور بکثرت بھی پائی جاتی ہیں، مگر اس بیماری کا خصوصی طور پر ذکر اس لیے مناسب سمجھا کہ بہت سے مسلمان بھی اس بیماری میں مبتلا ہیں جبکہ کسی مسلمان کا اس بیماری میں مبتلا ہونا باعث تعجب بھی ہے اور قابل افسوس بھی، کیونکہ حقیقت میں یہ ممکن نہیں کہ کوئی سچا مسلمان جو اللہ اور یوم آخرت اور تقدیر پر ایمان رکھتا ہو وہ کبھی ڈپریشن کا شکار ہو جائے۔

ڈپریشن کے اسباب و وجوہات کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے اور گہرائی کے ساتھ جائزہ لیا جائے تو اس کی سب سے بنیادی اور سب سے اہم وجہ انسان کی اک فطری کمزوری ہے اور وہ کمزوری اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں یوں بیان کی ہے:

﴿وَ اِذَاۤ اَنۡعَمۡنَا عَلَی الۡاِنۡسَانِ اَعۡرَضَ وَ نَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ یَـُٔوۡسًا ﴾ (الاسراء : ۸۳)

”جب ہم انسان کو کوئی نعمت عطا کرتے ہیں تو وہ منہ موڑتا اور پہلو بدل لیتا ہے اور جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو مایوس ہونے لگتا ہے۔“

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اور مایوسی آپ جانتے ہیں کہ ڈپریشن کا دوسرا نام ہے۔تو کسی تکلیف، نقصان، پریشانی اور مصیبت کے وقت ڈپریشن کا شکار ہونا گویا انسان کی اک فطری کمزوری اور بیماری ہے، تو اس لحاظ سے کسی انسان کا ڈپریشن میں مبتلا ہونا کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے، البتہ کسی مسلمان کا ڈپریشن کا شکار ہونا ضرور اچنبھے کی بات ہے، کیونکہ ایمان کی موجودگی میں ڈپریشن ممکن نہیں ہے کہ ایمان کی خاصیت یہ ہے کہ وہ دل کو مضبوط کرتا ہے، اس میں وسعت اور کشادگی پیدا کرتا ہے، ہمت بڑھاتا ہے اور انسان کو مایوس نہیں ہونا دیتا۔

ایمان ہو تو انسان پر امید ہوتا ہے، اس کی زندگی میں اک لگن ہوتی ہے، اک منزل ہوتی ہے، جذبہ و ولولہ ہوتا ہے، اسے سکون و اطمینانِ قلب حاصل ہوتا ہے، انشراح صدر ہوتا ہے، ایمان کی اک لذت اور حلاوت ہوتی ہے، اک بشاشت ہوتی ہے اور یہ وہ چیزیں ہیں جو مایوسی اور ڈپریشن کو کبھی قریب نہیں پھٹکنے دیتیں۔

جی ہاں یہ اک حقیقت ہے کہ ایمان کی اک لذت اور حلاوت ہوتی ہے، اک بشاشت ہوتی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((ثَلاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلاوَةَ الإِيْمَانِ))

”تین صفات، ایسی ہیں جو جس شخص میں پائی جائیں، وہ ان کے ذریعے ایمان کی حلاوت پالیتا ہے۔“

((أَنْ يَكُونَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا))

”جسے اللہ اور اس کے رسول ان کے سوا ہر چیز سے زیادہ محبوب ہوں۔“

((وَأَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلَّهِ))

”جو کسی شخص سے محبت رکھے تو صرف اللہ کے لیے رکھے۔“

((وَأَنْ يَكْرَهَ أَنْ يَعُودَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ))

(بخاري، كتاب الاكراه: ٦٩٤١)

”اور وہ کفر میں لوٹ جانا ایسے ناپسند کرتا ہو جیسے آگ میں پھینکا جانا ناپسند

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

کرتا ہو۔"

حلاوت، مٹھاس اور لذت جیسے الفاظ سے آپ یقیناً واقف ہیں کہ یہ الفاظ حسی ذائقے کے لیے بولے جاتے ہیں مگر جب ایمان کی حلاوت کے حوالے سے بات ہو تو پھر اس کا معنوی مفہوم مراد ہوتا ہے اور وہ ہے دل میں ایمان کی حلاوت، مٹھاس اور لذت محسوس کرنا۔

آپ خوب جانتے ہیں کہ زبان جو کسی چیز کی لذت محسوس کرتی ہے تو صرف اتنی دیر کے لیے جتنی دیر وہ چیز زبان پر رہتی ہے، جونہی وہ حلق سے اتری، اس کی لذت بھی جاتی رہی، ایسے ہی دل بھی کسی چیز کی لذت اس وقت تک محسوس کرتا ہے جب تک وہ چیز دل میں رہے، چنانچہ ایمان، جب تک دل میں رہتا ہے، انسان اس کی لذت محسوس کرتا رہتا ہے، البتہ ایمان کی قوت وضعف کے لحاظ سے اس کی لذت میں فرق ضرور آتا ہے اور جب دل میں ایمان کے ساتھ دنیا کی آلائشیں بھی شریک ہو جائیں تو قوت ایمانی میں فرق تو ضرور آئے گا اور ایسے ہی اس کی لذت میں بھی فرق آئے گا۔

مگر ایمان جب انسان کے رگ و پے میں رچ بس جائے، اس کے دل میں گھر کر لے، محبت اور نفرت کا معیار یہ ہو جائے کہ:

((اَلْحُبُّ فِي اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِي اللّٰهِ))

"محبت ہو تو صرف اللہ کے لیے، بغض ونفرت ہو تو صرف اللہ کے لیے۔"

جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((أَوْثَقُ عُرَى الْإِيْمَانِ الْمُوَالَاةُ فِي اللّٰهِ وَالْمُعَادَاةُ فِي اللّٰهِ، وَالْحُبُّ فِي اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِي اللّٰهِ)) (صحيح الجامع: ٢٥٣٩)

"ایمان کی کڑیوں میں سے سب سے مضبوط ترین کڑی: دوستی، ہمدردی، خیر خواہی اور وفاداری ہو تو صرف اللہ کے لیے اور دشمنی اور عداوت ہو تو صرف اللہ کے لیے۔ محبت ہو تو صرف اللہ کے لیے، نفرت ہو تو صرف اللہ کے لیے۔"

تو جب دنیا کے ساتھ تعلق اور عدم تعلقی کا معیار یہ ہو جائے تو پھر دل میں ایمان کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لذت کو دوام مل جاتا ہے، اس کا تسلسل برقرار رہتا ہے، پھر انسان ایمان کی لذت مسلسل محسوس کرتا رہتا ہے، ایمان کی لذت میں انقطاع نہیں آتا، اس کا سلسلہ ٹوٹتا نہیں ہے، جیسا کہ قیصر، شاہ روم اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے درمیان جو مکالمہ اور سوال و جواب ہوا وہ آپ کو معلوم ہوگا۔

حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ اپنے اسلام لانے سے پہلے کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں، صلح حدیبیہ کے تحت رسول اللہ ﷺ اور کفار قریش کے درمیان طے شدہ عرصۂ امن کے دوران میں قریش کی ایک جماعت تجارت کی غرض سے ملک شام گئی جس میں وہ خود بھی شامل تھے۔

اس وقت شام کا علاقہ آج کے سوریا، اردن، فلسطین اور لبنان پر مشتمل تھا۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہم لوگ ایلیاء پہنچے، جسے بیت المقدس اور یروشلم بھی کہتے ہیں، تو وہاں ہرقل شاہ روم کے پاس آپ ﷺ کا نامۂ مبارک پہنچ چکا تھا جس میں آپ ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت پیش کی تھی۔

آپ ﷺ کا وہ خط پا کر شاہ روم نے اپنے لوگوں سے پوچھا کہ کیا اس شخص کی قوم کا کوئی آدمی اس وقت ہمارے ہاں موجود ہے، لوگوں نے کہا: جی ہاں! تو ہرقل نے ہمیں اپنے دربار میں بلوایا اور کہا کہ یہ شخص جو اپنے آپ کو نبی سمجھتا ہے اس سے تمہارا کون سے آدمی سب سے قریب النسب ہے، تو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں نے کہا: میں اس سے سب سے زیادہ قریبی نسبی تعلق رکھتا ہوں۔

قصہ طویل ہے، اس میں سے صرف ایک بات آج کے موضوع کے حوالے سے ذکر کرنا مقصود ہے اور وہ یہ ہے کہ ہرقل نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے جو اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے، جو سوال کیے، ان میں سے ایک سوال یہ تھا کہ:

((فَهَلْ يَرْتَدُّ أَحَدٌ مِنْهُمْ سَخْطَةً لِدِينِهِ بَعْدَ أَنْ يَدْخُلَ فِيهِ))

''کیا اس دین میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص دین سے برگشتہ ہوکر مرتد بھی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہوتا ہے؟''

تو ابوسفیان نے کہا نہیں! تو اس پر ہرقل نے جو بات کہی، اس پورے واقعے سے وہ ایک بات ہم آج کے اس موضوع کی مناسبت سے مستعار لے رہے ہیں۔

ہرقل نے کہا:

((وَكَذَلِكَ الْإِيمَانُ حِينَ تُخَالِطُ بَشَاشَتُهُ الْقُلُوبَ لَا يَسْخَطُهُ أَحَدٌ)) (بخاري، كتاب الإيمان : ٥١)

''اور ایمان ایسے ہی ہوتا ہے کہ جب اس کی بشاشت، اس کی مسرت و شادمانی دلوں میں پیوست ہو جاتی ہے تو پھر کوئی اس سے بددل، برگشتہ اور متنفر نہیں ہوتا۔''

تو ایمان کی اک بشاشت ہے، اک حلاوت ہے، اک لذت ہے، سرور و انبساط ہے، مسرت و شادمانی ہے، سکون و اطمینان ہے، مگر یہ کیفیتیں انسان پر تب وارد ہوتی ہیں جب ایمان اس کے دل میں گھر کر جاتا ہے، صرف زبان سے کہہ دینے سے کہ میں مسلمان ہوں یہ لذت و حلاوت اور بشاشت ہرگز حاصل نہیں ہوتی، ایمان کا دعویٰ لرزا دینے والا اور رونگٹے کھڑے کر دینے والا دعویٰ ہے، کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

چو می گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلات لا الہ را

''میں خود کو جو مسلمان کہتا ہوں تو لرز جاتا ہوں کہ لا الہ کہنے کی راہ میں آنے والی مشکلات سے خوب آگاہ ہوں۔''

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

تو جب تک اسلام آدمی کے وجود پر، اس کے کاروبار، اس کے معاملات اور اس کے پورے طرز زندگی پر نافذ نہیں ہوتا، جاری و ساری نہیں ہوتا، غالب نہیں ہوتا، اللہ کے ہاں ایمان کا درجہ نہیں پاتا، بلکہ آسمان سے ایسے لوگوں کو خبردار کیا جاتا ہے کہ:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

﴿قُل لَّمْ تُؤْمِنُوا وَلَٰكِن قُولُوا أَسْلَمْنَا﴾ (الحجرات : ١٤)

’’ان سے کہہ دیجیے کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں، مطیع ہوگئے ہیں۔‘‘

﴿وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ﴾ (الحجرات : ١٤)

’’ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا۔‘‘

تو ایمان کی لذت آدمی کو اس وقت حاصل ہوتی ہے، جب وہ دل میں سرایت کر جاتا ہے۔ تو یہ ایمان کی خاصیت ہے کہ جب وہ دلوں میں سرایت کر جاتا ہے تو پھر ان سے جدا نہیں ہوتا۔

آیئے اس کو ایک مثال کے ذریعے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، اگر کسی رنگ کو پانی میں ملا دیں تو پانی وہ رنگ اختیار کر لیتا ہے۔

مثلاً: چائے کی پتی کو کھولتے ہوئے پانی میں ملائیں تو پانی چائے کی پتی کا رنگ اختیار کر لیتا ہے اور ایسا رنگ اختیار کرتا ہے کہ اب اس سے جدا نہیں ہوسکتا، اگر آپ اس پانی کو سال بھر کے لیے کسی برتن میں ڈال کے رکھے رکھیں تو وہ رنگ اس پانی سے ہرگز جدا نہیں ہوگا، کیونکہ رنگ اس پانی میں رچ بس گیا ہے، اس کی تمام جزئیات میں داخل ہو چکا ہے۔

اس کے برعکس اگر آپ مٹی کو پانی میں ملائیں تو پانی مٹی کا رنگ اختیار کر لے گا لیکن اگر آپ پانی کو پانچ دس منٹ کے لیے بے حرکت چھوڑ رکھیں تو آپ دیکھیں گے کہ مٹی کا رنگ پانی سے جدا ہو گیا ہوگا، مٹی نیچے بیٹھ چکی ہوگی اور پانی آپ کو بے رنگ اور صاف شفاف نظر آئے گا۔ اس لیے کہ مٹی پانی میں یا پانی مٹی میں پیوست نہیں ہوا، اس کی جزئیات میں داخل نہیں ہوا۔

تو ایمان جب دل میں داخل ہوتا ہے اس میں پیوست ہوجاتا ہے، سرایت کر جاتا ہے، اس کی جزئیات میں داخل ہوجاتا ہے، تو پھر آدمی کو ایمان کی لذت حاصل ہوتی ہے، وہ لذت، وہ سرور، وہ بشاشت، وہ انبساط آدمی کو اپنا گرویدہ بنا لیتا ہے، پھر اس لذت اور حلاوت

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

کے ہوتے ہوئے، اس سرور وانبساط کے ہوتے ہوئے دنیا کی ہر تکلیف، ہر پریشانی، ہر مصیبت اس کے لیے بے معنی ہو جاتی ہے، پھر نہ وہ مایوس ہوتا ہے اور نہ ڈپریشن کا شکار ہوتا ہے۔

بہت سمپل سی بات ہے، جو شخص خوشی اور مسرت کی زندگی گزار رہا ہو وہ بھلا ڈپریشن کا شکار کیونکر ہوگا، یہ ایمان کی خاصیت ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے تمام دنیوی ہموم وغموم چھوٹ جاتے ہیں، اسے صرف ایک ہی غم لاحق ہوتا ہے اور وہ ہے آخرت کا غم، دنیا اس کے لیے حیات طیبہ بنا دی جاتی ہے، اللہ کا وعدہ ہے، فرمایا:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً﴾ (النحل : ٩٧)

”جو شخص بھی نیک عمل کرے گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ ہو وہ مؤمن! اسے ہم دنیا میں پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے۔“

آپ ہی بتلائیں! اگر دنیا کی زندگی میں آدمی ڈپریشن کا شکار ہو تو کیا اس کی زندگی پاکیزہ اور خوشگوار ہو سکتی ہے، ڈپریشن تو حیات طیبہ کی نفی ہے، عقیدۂ آخرت کی نفی ہے اور تقدیر کی نفی ہے۔

جس کا تقدیر پر ایمان ہو، بھلا اس عارضی دنیا کی چھوٹی چھوٹی منفعتوں سے محرومی پر یوں خفا ہوتا ہے کہ ڈپریشن میں چلا جائے، بچوں کی طرح کینڈی اور کھلونے نہ ملنے پر روٹھ جائے!

سلف صالحین کے، صحابہ کرام کے حالات زندگی پڑھیں تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، ملاحظہ کیجیے، حدیث میں ہے:

((عَنْ خَبَّابِ بْنِ الْأَرَتِّ قَالَ شَكَوْنَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُتَوَسِّدٌ بُرْدَةً لَهُ فِي ظِلِّ الْكَعْبَةِ قُلْنَا لَهُ أَلَا تَسْتَنْصِرُ لَنَا أَلَا تَدْعُو اللَّهَ لَنَا))

”حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی، آپ اس وقت اپنی ایک چادر پر ٹیک دیے کعبہ کے سائے میں بیٹھے

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ہوئے تھے، ہم نے آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ ہمارے لیے مدد طلب نہیں فرمائیں گے؟ کیا ہمارے لیے اللہ سے دعا نہیں مانگیں گے؟''

((قَالَ كَانَ الرَّجُلُ فِيمَنْ قَبْلَكُمْ يُحْفَرُ لَهُ فِي الْأَرْضِ فَيُجْعَلُ فِيهِ فَيُجَاءُ بِالْمِنْشَارِ فَيُوضَعُ عَلَى رَأْسِهِ فَيُشَقُّ بِاثْنَتَيْنِ وَمَا يَصُدُّهُ ذَلِكَ عَنْ دِينِهِ)) (بخاري ، كتاب المناقب : ٣٦١٢)

''آپ ﷺ نے فرمایا: تم سے پہلی امتوں کے لوگوں کے لیے گڑھا کھودا جاتا اور انہیں اس میں ڈال دیا جاتا، پھر اُن کے سر پر آرا رکھ کر ان کے دو ٹکڑے کر دیے جاتے پھر بھی وہ اپنے دین سے نہ پھرتے۔''

اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰه رب العالمين

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مضبوط ایمان کے ہوتے ہوئے ڈپریشن نہیں ہوسکتا

﴿وَإِذَآ أَرَدْنَآ أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا ٱلْقَوْلُ فَدَمَّرْنَٰهَا تَدْمِيرًا ﴿١٦﴾﴾ (الاسراء: ١٦)

اس حقیقت کے تسلیم کرنے سے یقیناً کسی کو انکار نہیں ہوسکتا کہ کسی بھی انسانی معاشرے کے لیے اک سربراہ کا ہونا ضروری ہے، جب کچھ لوگ مشترکہ مفادات کے تحت کسی ایک مخصوص اور معین جگہ پر اکٹھے اور مل جل کر رہنے کا ارادہ کرلیں تو ضروری ہے کہ وہ آپس میں سے کسی ایک کو اپنا امیر، مسئول، نگران اور سربراہ مقرر کرلیں کیونکہ اس کے بغیر کوئی معاشرہ کامیابی کے ساتھ چلنا تو درکنار، سرے سے انسانی معاشرہ ہی قرار نہیں پا سکتا، بلکہ اسے لوگوں کا ہجوم اور جمگھٹا ہی کہا جاسکتا ہے۔

اک ایسا معاشرہ کہ جہاں کوئی سربراہ نہ ہو، یا سربراہ کو سربراہی کے اختیارات حاصل نہ ہوں تو اس معاشرے کا نام چاہے کچھ بھی رکھ لیں، عملاً وہ اک جنگلی معاشرہ ہوگا، جہاں جنگل کا سا قانون رائج ہوگا۔

اک مجموعۂ افراد پر کسی امیر اور مسئول کا مقرر ہونا انسانی معاشرے کی بنیادی ضرورت ہے، مجبوری بھی ہے اور اس کے بہت سارے فوائد بھی ہیں اور نہ ہونے کے بہت سارے نقصانات بھی ہیں۔

کسی انسانی گروہ پر اک امیر ہونے کی ضرورت و اہمیت سے یقیناً ہر شخص اچھی طرح واقف ہوگا، مگر اس کی اہمیت کو مزید سمجھنے کے لیے ایک حدیث ملاحظہ کیجیے، حدیث میں ہے کہ:

((إِذَا كَانَ ثَلَاثَةٌ فِي سَفَرٍ فَلْيُؤَمِّرُوا أَحَدَهُمْ))

(ابوداود، كتاب الجهاد: ٢٦٠٩)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''جب تین آدمی سفر پر ہوں تو کسی ایک کو امیر مقرر کر لیں۔''

آپ نے ملاحظہ کیا کہ جب تین لوگوں کے مجموعے پر اک امیر کا ہونا ضروری ہے، تو کوئی ایک معاشرہ اور کوئی ایک ملک بھلا امیر، حاکم اور سربراہ کے بغیر کیسے رہ سکتا ہے۔

بلکہ اس سے بھی اہم بات ملاحظہ کیجیے، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

((لَابُدَّ لِلنَّاسِ مِنْ اَمِيرٍ بَرٍّ أَوْ فَاجِرٍ))

(الفتن لنعيم بن حماد: ج ۱، ص ۱۲۸)

''لوگوں پر امیر ہر حال میں ہونا ضروری ہے نیک ہو یا بد۔''

معنی یہ کہ کسی رعایا کا برا حاکم اور سربراہ ہونا نہ ہونے سے بہتر ہے، گویا کہ برے حاکم سے، سرے سے کسی حاکم اور سربراہ کے نہ ہونے کے نقصانات زیادہ ہیں۔

ایسے ہی سلف صالحین رحمہ اللہ کا ایک مقولہ مشہور ہے کہ:

"سِتُّوْنَ سنةً تَحْتَ سُلْطَانٍ ظَالِمٍ خَيْرٌ مِنْ لَيْلَةٍ بِلَا سُلْطَانٍ"

(مجموع الفتاوى لابن تيمية، ج ۲۰، ص ٥٤)

''ساٹھ سال کسی ظالم کی حکمرانی میں رہنا، ایک رات بغیر حاکم کے گزارنے سے بہتر ہے۔''

تو گویا کہ کسی ملک اور کسی معاشرے پر کوئی حاکم اور سربراہ ہونا لازمی اور ضروری ہے، چاہے برا اور ظالم ہی کیوں نہ ہو، البتہ کسی نیک اور صالح حاکم اور سلطان کا ہونا اللہ تعالیٰ کی اک بہت بڑی نعمت ہے، کیونکہ ایسے صالح حکمرانوں کے وجود سے ہی لوگ دین پر قائم رہ سکتے ہیں، جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے، حضرت قیس بن ابی حازم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ:

((دَخَلَ أَبُو بَكْرٍ عَلَى امْرَأَةٍ مِنْ أَحْمَسَ يُقَالُ لَهَا زَيْنَبُ فَرَآهَا لَا تَكَلَّمُ))

''حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ قبیلہ احمس کی زینب نامی ایک عورت کے پاس گئے جو کسی سے بات نہیں کرتی تھی۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((فَقَالَ مَا لَهَا لَا تَكَلَّمُ))

''انہوں نے دریافت کیا کہ اسے کیا ہے بات کیوں نہیں کرتی؟''

((قَالُوا حَجَّتْ مُصْمِتَةً))

''لوگوں نے کہا کہ اس نے خاموش رہتے ہوئے بغیر بات کیے حج کرنے کا ارادہ کر رکھا ہے۔'' یعنی منت مانی ہے۔

((قَالَ لَهَا تَكَلَّمِي))

''تو حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے اس عورت سے کہا: بات کرو۔''

((فَإِنَّ هَذَا لَا يَحِلُّ ، هَذَا مِنْ عَمَلِ الْجَاهِلِيَّةِ))

''یہ جائز نہیں ہے، یہ جاہلیت کے کاموں میں سے ہے، جاہلیت کی رسم ہے۔''

((فَتَكَلَّمَتْ فَقَالَتْ مَنْ أَنْتَ))

''تب اس نے بات کی اور کہا: آپ کون ہیں؟''

((قَالَ امْرُؤٌ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ))

''کہا: مہاجرین میں سے ایک آدمی ہوں۔''

((قَالَتْ أَيُّ الْمُهَاجِرِينَ))

''کہا: کون سے مہاجرین؟''

یعنی مہاجرین کے کس قبیلے سے آپ کا تعلق ہے۔

((قَالَ مِنْ قُرَيْشٍ))

''کہا: قریش میں سے۔''

((قَالَتْ مِنْ أَيِّ قُرَيْشٍ أَنْتَ))

''کہا: قریش کے کس خاندان سے ہو؟''

((قَالَ إِنَّكِ لَسَئُولٌ أَنَا أَبُو بَكْرٍ))

''کہا: تم بہت سوال کرتی ہو، میں ابوبکر ہوں۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

((قَالَتْ مَا بَقَاؤُنَا عَلَى هَذَا الْأَمْرِ الصَّالِحِ الَّذِي جَاءَ اللَّهُ بِهِ بَعْدَ الْجَاهِلِيَّةِ))

''کہنے لگی: اس دین پر جو اللہ تعالیٰ دور جاہلیت کے بعد لے کر آیا ہے ہم کب تک قائم رہ سکتے ہیں؟''

((قَالَ بَقَاؤُكُمْ عَلَيْهِ مَا اسْتَقَامَتْ بِكُمْ أَئِمَّتُكُمْ))

''کہا: جب تک تمہارے امام، یعنی حکمران اس امر پر قائم اور کاربند رہیں گے، تب تک تم لوگ بھی دین پر قائم رہو گے۔''

((قَالَتْ وَمَا الْأَئِمَّةُ))

''اس نے کہا: امام کیا ہوتے ہیں؟''

((قَالَ أَمَا كَانَ لِقَوْمِكِ رُءُوسٌ وَأَشْرَافٌ يَأْمُرُونَهُمْ فَيُطِيعُونَهُمْ؟))

''کہا: کیا تمہاری قوم کے کچھ سردار اور وڈیرے نہیں ہیں جو لوگوں کو حکم کریں تو لوگ ان کی اطاعت وفرمانبرداری کرتے ہیں؟''

((قَالَتْ بَلَى))

''کہا: ہاں، کیوں نہیں!''

((قَالَ فَهُمْ أُولَئِكِ عَلَى النَّاسِ))

(بخاري، كتاب مناقب الانصار: ٣٨٣٤)

''کہا: ایسے ہی یہ امام یعنی حکمران لوگوں پر ہوتے ہیں۔''

تو نیک اور صالح حکمران اللہ تعالیٰ کا لوگوں پر ایک بہت بڑا انعام اور احسان ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے اس خصوصی فضل واحسان سے لوگ دین سے وابستہ رہتے ہیں۔

اب جاننے کی بات یہ ہے ایسے نیک و پارسا اور صالح اور عادل حکمران کسی قوم کو کیسے میسر آتے ہیں اور بدکار اور فاسق و فاجر اور ظالم و غیر منصف اور انتقام کی آگ میں جلنے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

والے حکمران کسی قوم پر کب مسلط کیے جاتے ہیں!

تو آیئے قرآن وحدیث اور تاریخ کی روشنی میں اس کا جواب جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس سلسلے میں سب سے بنیادی بات یہ ہے کہ جہاں ایک طرف نیک، صالح اور عادل حکمران اللہ تعالیٰ کا انعام ہیں تو دوسری طرف فاسق و فاجر، بدکار اور ظالم اور انتقامی ذہن رکھنے والے حکمران اللہ تعالیٰ کا عذاب ہیں۔

اس کائنات میں جو بھی تبدیلی رونما ہوتی ہے، اچھی ہو یا بری وہ لوگوں کے حسنِ اعمال یا بداعمالیوں کی وجہ سے آتی ہے، اچھے اعمال کے نتیجے میں جو تبدیلی آتی ہے اس کے بارے میں اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٩٦﴾﴾ (الاعراف: ٩٦)

”اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے مگر انہوں نے تو جھٹلایا، لہٰذا ہم نے اس بری کمائی کے حساب میں انہیں پکڑ لیا، جو وہ سمیٹ رہے تھے۔“

دوسری طرف بداعمالیوں کے نتیجے میں جو تبدیلی آتی ہے اس کے بارے میں اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ﴿٣٠﴾﴾

(الشوریٰ: ٣٠)

”تم پر جو مصیبت بھی آئی ہے، تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے آئی ہے اور بہت سے قصوروں سے وہ ویسے ہی درگزر کر جاتا ہے۔“

اور اس طرح کی اور بہت سی آیات ہیں۔

اور ایسے ہی احادیث میں بھی بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ لوگوں پر آزمائشیں، تکلیفیں، پریشانیاں اور مصیبتیں ان کی نافرمانیوں اور بداعمالیوں کی وجہ سے ہی آتی

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ہیں، جیسا کہ ایک مشہور حدیث ہے، جو پہلے بھی کئی بار بیان کی گئی ہے، جس میں پانچ نافرمانیوں اور بداعمالیوں کا ذکر کر کے پانچ سزاؤں کا ذکر فرمایا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

((أَقْبَلَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ))

''ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے۔''

((فَقَالَ يَا مَعْشَرَ الْمُهَاجِرِينَ))

''اور فرمایا: اے مہاجرین کی جماعت!''

((خَمْسٌ إِذَا ابْتُلِيتُمْ بِهِنَّ وَأَعُوذُ بِاللّٰهِ أَنْ تُدْرِكُوهُنَّ))

''پانچ کام ایسے ہیں کہ اگر تم ان میں مبتلا ہو گئے اور میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں اس سے کہ تم انہیں پاؤ۔''

((لَمْ تَظْهَرِ الْفَاحِشَةُ فِي قَوْمٍ قَطُّ حَتَّى يُعْلِنُوا بِهَا إِلَّا فَشَا فِيهِمُ الطَّاعُونُ وَالْأَوْجَاعُ الَّتِي لَمْ تَكُنْ مَضَتْ فِي أَسْلَافِهِمُ الَّذِينَ مَضَوْا))

''جب کسی قوم میں فحاشی ظاہر ہو جائے، حتیٰ کہ لوگ اسے اعلانیہ کرنے لگ جائیں، تو اس قوم میں طاعون اور ایسی ایسی دردیں اور تکلیفیں در آتی ہیں، جو اس سے پہلے اس کے اسلاف اور گزرے ہوئے لوگوں میں نہ پائی جاتی تھیں۔''

((وَلَمْ يَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ إِلَّا أُخِذُوا بِالسِّنِينَ وَشِدَّةِ الْمَئُونَةِ وَجَوْرِ السُّلْطَانِ عَلَيْهِمْ))

''اور جب وہ ناپ تول میں کمی کرتے ہیں تو قحط سالی، راشن کی کمی اور حکمرانوں کے ظلم و ستم سے ان کی گرفت کی جاتی ہے۔''

((وَلَمْ يَمْنَعُوا زَكَاةَ أَمْوَالِهِمْ إِلَّا مُنِعُوا الْقَطْرَ مِنَ السَّمَاءِ وَلَوْلَا الْبَهَائِمُ لَمْ يُمْطَرُوا))

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

”اور جب وہ اپنے مالوں کی زکاۃ روک لیتے ہیں تو آسمان سے ان کی بارش روک لی جاتی ہے اور اگر جانور اور چوپائے نہ ہوتے تو ان پر بالکل ہی بارش نہ ہوتی۔“

((وَلَمْ يَنْقُضُوا عَهْدَ اللّٰهِ وَعَهْدَ رَسُولِهِ إِلَّا سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ غَيْرِهِمْ فَأَخَذُوا بَعْضَ مَا فِي أَيْدِيهِمْ))

”اور جب وہ اللہ اور اللہ کے رسول سے کیا ہوا عہد توڑ دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ غیروں میں سے ان پر دشمن مسلط کر دیتا ہے، جو ان کے ہاتھوں میں سے کچھ لے اڑتے ہیں۔“

اور آپ جانتے ہیں کہ ہم نے بھی اللہ سے ایک وعدہ کیا تھا: پاکستان کا مطلب کیا! لا الہ الا اللہ۔مگر وہ عہد ستر سال بعد بھی پورا نہیں کیا۔

((وَمَا لَمْ تَحْكُمْ أَئِمَّتُهُمْ بِكِتَابِ اللّٰهِ وَيَتَخَيَّرُوا مِمَّا أَنْزَلَ اللّٰهُ إِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ بَأْسَهُمْ بَيْنَهُمْ)) (ابن ماجة ، كتاب الفتن : ٤٠١٩)

”اور جب ان کے حکمران اللہ کی کتاب کے مطابق حکمرانی نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ وحی کو اختیار نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ انہیں باہم دست وگریبان کر دیتا ہے۔“

تو بات ہو رہی تھی کہ نافرمانیوں، گناہوں اور بداعمالیوں کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے طرح طرح کی سزائیں نازل ہوتی ہیں اور آج ہم اہل اسلام پر نازل شدہ مصائب کا جائزہ لیں تو صاف نظر آتا ہے کہ یہ سب کچھ ہماری بداعمالیوں کے نتیجے میں ہے۔

اور بدکردار حکمرانوں سے بڑھ کر کسی قوم پر کیا مصیبت نازل ہوسکتی ہے،حتی کہ حکمران اگر نیک بھی ہوں تو بھی عوام کی غلطیوں کی سزا عوام کو ملتی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ:

((خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُخْبِرَ النَّاسَ بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ فَتَلَاحَى رَجُلَانِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ))

”آپ ﷺ لوگوں کو لیلۃ القدر کے بارے میں بتانے کے لیے نکلے تو دو

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

مسلمان آپس میں جھگڑا کرنے لگے۔“

((قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجْتُ لِأُخْبِرَكُمْ فَتَلَاحَى فُلَانٌ وَفُلَانٌ وَإِنَّهَا رُفِعَتْ وَعَسَى أَنْ يَكُونَ خَيْرًا لَكُمْ فَالْتَمِسُوهَا فِي التَّاسِعَةِ وَالسَّابِعَةِ وَالْخَامِسَةِ))

(بخاري، كتاب فضل ليلة القدر: ٢٠٢٣)

”آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں لیلۃ القدر کے بارے میں بتانے کے لیے نکلا تھا، مگر فلاں اور فلاں آپس میں جھگڑ پڑے تو وہ اٹھا لی گئی۔ یعنی بھلا دی گئی کہ وہ کون سی رات ہے اور فرمایا: ہوسکتا ہے کہ تمہارے لیے بہتر ہی ہو، بس اب تم اسے ۲۹ ویں، ستائیسویں اور پچیسویں میں تلاش کرو۔“

اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ:

((عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ صَلَّى صَلَاةَ الصُّبْحِ فَقَرَأَ الرُّوْمَ فَالْتَبَسَ عَلَيْهِ.))

”نبی کریم ﷺ کے ایک صحابی روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فجر کی نماز پڑھائی، اس میں آپ ﷺ نے سورۃ الروم کی تلاوت فرمائی، تو آپ کو التباس ہوگیا۔“

((فَلَمَّا صَلَّى قَالَ: مَا بَالُ أَقْوَامٍ يُصَلُّوْنَ مَعَنَا لَا يُحْسِنُوْنَ الطُّهُوْرَ، فَإِنَّمَا يَلْبِسُ عَلَيْنَا الْقُرْآنَ أُولَائِكَ.))

(النسائی، کتاب الافتتاح: ٩٤٧)

”پس جب نماز پڑھ چکے تو آپ ﷺ نے فرمایا: لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ ہمارے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور ٹھیک سے طہارت حاصل نہیں کرتے، یہی لوگ ہمیں قراءت میں شک میں ڈال دیتے ہیں۔“

آپ نے اندازہ کیا کہ آدمی کی غلطی اور کوتاہی کا کہاں کہاں اثر پڑتا ہے اور جہاں بے

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

حیائی اور فحاشی عروج پر ہواور سر عام ہوتو اس کا اثر کہاں کہاں نہیں پڑے گا۔

خلاصہ اس گفتگو کا یہ ہے کہ وہ مشہور محاورہ جو آپ نے یقیناً سن رکھا ہو گا کہ:

"كَمَا تَكُوْنُوْا يُوَلَّى عَلَيْكُمْ"

''جیسے عوام ویسے حکمران۔''

یہ ایک حقیقت ہے، اگرچہ ہم میں سے تقریباً ہر شخص اس حقیقت کو دل سے تسلیم کرتا ہوا نظر نہیں آتا، ہم صرف حکمرانوں کو برا بھلا کہتے ہیں جب کہ حقیقت یہ ہے کہ قصور وار ہم خود ہیں، مگر ہمارا طرز عمل ایسا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ لوگ دوسروں کے بارے میں بہترین جج ہیں اور اپنے بارے میں بہترین وکیل۔

اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین